Registered No. 467-A

جنوری سنہ ۱۹۴۳ء

ایڈیٹر
ڈاکٹر عباد الرحمن خاں
پی ایچ۔ ڈی۔ (لنڈن)

سررشتۂ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودہ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۴ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ رائے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر، الہ آباد، سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم، مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں، ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم، اشارات، سائنس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں، قدرتی و طبعی مناظر، تعلیم نسواں، نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے معوض مضمون‌نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت برائے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ رائے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد، سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جائے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۴۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے، یہ یاد رکھیے -

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک رائے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد، سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

شرح اُجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۳۱ روپیہ ۴ آنہ	۵۶ روپیہ ۴ آنہ	۱۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۸ روپیہ ۱۲ آنہ	۳۳ روپیہ ۱۲ آنہ	۶۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۵ روپیہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۲ روپیہ ۸ آنہ	۴۰ روپیہ

یہ اُجرت دونی ہوجائے گی، جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے گا - ہر حالت میں اُجرت پیشگی لی جائے گی -

پبلشر- رائے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد

جلد ۲۴ | جنوری سنہ ۱۹۴۳ | نمبر ۱۰

جوڑ

(از جناب پرکاش چند رماتھر ایم۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ٹی)

یہ حساب کے چار بنیادی قواعد میں پہلا ہے - جوڑنے کا اصلی مطلب ایک ہی طرح کے مختلف اعداد کی چیزوں کو جمع کرنا ہے۔ اس بات کے سمجھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم امدادی اشیا پورے طور سے استعمال میں لائیں۔ مثلاً اگر دو بچے جن کے پاس کسی چیز کے مختلف اعداد ہیں۔ اپنی چیزوں کو ملا دیں تو "جوڑنے" کا طریقہ پورا ہو جاتا ہے۔ مگر ہمیں یہ دھیان میں رکھنا چاہیے کہ بچہ کو اچھی طرح سے جوڑ کے طریقے اور اُس کے عمل کے نتیجہ میں فرق معلوم ہو جائے۔ مثلاً ۴ قلموں اور پانچ قلموں کو ایک جگہ ملا کر رکھ دینے سے جوڑ کا عمل پورا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس جوڑ کا حاصل جمع ۹ ہے۔

"جوڑنے" کے بارے میں دوسری ضروری بات یہ ہے کہ ہم بچوں کو سمجھائیں کہ ہم صرف ایک ہی قسم کی چیزوں کو جوڑ سکتے ہیں مثلاً ۴ قلم اور ۵ قلم ملکر ۹ قلم ہوتے ہیں پھر اگر ۴ قلم اور ۵ پنسلوں کو یکجا رکھ دیا جائے تو وہ ہمیشہ ۴ قلم اور ۵ پنسل ہی رہیں گے۔ انکا آپس میں کوئی ملاؤ یا جوڑ نہیں ہو سکتا۔ اسطرح مختلف مثالوں اور سوالوں کے ذریعہ ہم بچوں کو یہ امر کامیابی کے ساتھ سمجھا سکتے ہیں۔

<u>جوڑ کا جزوی سلسلہ</u>۔ اگر کوئی دو ہندسے جیسے (۳ + ۵) جوڑے جائیں تو یہ جوڑ کے ایک جزوی سلسلہ کی کڑی ہے۔

اس طرح ۱ سے ۹ تک کے ہندسوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے سے ۴۵ سلسلہ وار جُز آتے ہیں۔ اگر کسی جُز میں جیسے ۵ اور ۷ کی حالت یعنی (۷+۵) اور (۵+۷) کو دو نہ خیال کیا جائے تو کل ۴۵ سلسلہ وار اجزا پیدا ہوتے ہیں۔

جوڑ کے جزوی سلسلے کی یہ ابتدائی مشق اگر اچھی طرح ذہن نشین کرا دی جائے تو بچے جوڑ کے سوالوں کو بہت آسانی اور جلدی کے ساتھ حل کر سکتے ہیں۔ اس طرف دھیان نہ دینے کی وجہ سے بچے کمزور رہ جاتے ہیں اور قدم قدم پر غلطیاں کرتے ہیں۔ بار بار انگلیوں پر گن کر سوالوں کو حل کرنے کی خراب عادت کی صرف یہی وجہ ہے کہ بچوں کو ابتدا میں جزوی سلسلے یاد نہیں کرائے گئے۔ یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ موجودہ طرزِ تعلیم میں ابھی تک ان جزوی سلسلوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا گیا ہے۔ ان جزوی سلسلوں کی حساب میں وہی مخصوص جگہ ہے جو پہاڑوں کی ہے اس لئے ابتدا میں ان جزوی سلسلوں کا بچوں کو پڑھانا اور ذہن نشین کرانا مدرس کے لئے ضروری ہی نہیں ہے بلکہ لازم ہے۔

مدرس کو چاہئے کہ وہ پہلے سوالوں کے ذریعہ یا امدادی اشیاء کے ذریعہ بچوں سے خود ہی ان مختلف اجزاء کو بنوائے۔ ایسا کرنے سے بچے بغیر سمجھے رٹنے کے بجائے اپنی نکالی اور سمجھی ہوئی چیز کو آسانی کے ساتھ یاد کر سکتے ہیں۔

۱ + ۱ = ۲

۱ + ۲ = ۳

۱ + ۳ = ۴

۱ + ۴ = ۵

مثال کی طور پر ۱ کا جزوی سلسلہ بنانے کے لئے بچہ ایک گولی رکھے اور پھر اس میں ترتیب وار ۱ اور ۲ اور ۳ ۔۔۔ ۹ وغیرہ گولیاں ملا کر گنتا جائے اور جو نتیجے آئیں اُن کو سلسلہ وار لکھ کر ایک جزوی سلسلہ تیار کرے۔ اس طرح سے ۴۵ جزوی سلسلے بنیں گے۔

پہلا سبق۔	۱ / ۱	۲ / ۱	۳ / ۱	۴ / ۱	۵ / ۱	۶ / ۱	۷ / ۱	۸ / ۱	۹ / ۱
دوسرا سبق۔	۲ / ۲	۳ / ۲	۴ / ۲	۵ / ۲	۶ / ۲	۷ / ۲	۸ / ۲	۹ / ۲	
تیسرا سبق۔	۳ / ۳	۴ / ۳	۵ / ۳	۶ / ۳	۷ / ۳	۸ / ۳	۹ / ۳		
چوتھا سبق۔	۴ / ۴	۵ / ۴	۶ / ۴	۷ / ۴	۸ / ۴	۹ / ۴			
پانچواں سبق۔	۵ / ۵	۶ / ۵	۷ / ۵	۸ / ۵	۹ / ۵				

چھٹا سبق - $\frac{6}{6}$ $\frac{7}{6}$ $\frac{8}{6}$ $\frac{9}{6}$

ساتواں سبق - $\frac{7}{7}$ $\frac{8}{7}$ $\frac{9}{7}$

آٹھواں سبق - $\frac{8}{8}$ $\frac{9}{8}$

نواں سبق - $\frac{9}{9}$

اس طرح سے ۴۵ جزوی سلسلوں کو ہم نو سبقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور ہر سبق کو بچوں کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ پہلے سبق کو پیش کرنے کے طریقہ کا نمونہ نیچے دیا جاتا ہے۔ باقی سبق اسی طریقہ سے پڑھائے جا سکتے ہیں۔

(تختۂ سیاہ)

$\frac{1}{1}$ $\frac{2}{1}$ $\frac{3}{1}$ $\frac{4}{1}$ $\frac{5}{1}$ $\frac{6}{1}$ $\frac{7}{1}$ $\frac{8}{1}$ $\frac{9}{1}$

(پڑھانے کا طریقہ)

تمہید - مدرس سوال کرے کہ ایک گولی اور ایک گولی کتنی گولی؟ دو پھول اور ایک پھول کتنے پھول؟ ایک بیج اور دو بیج کتنے بیج؟ اس طرح سوال کرتے ہوئے جزوی سلسلے تختۂ سیاہ پر لکھے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ اچھا ہو کہ امدادی اشیاء کے ذریعہ بچوں کو واقعی جوڑ کر اور گن کر دکھائے جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے۔

مشق (۱) مدرس تختۂ سیاہ پر پوائنٹر رکھ کر پڑھنے کا نمونہ دے۔ جیسے ۱ اور ۱ (دو) ۲ اور ۱ (تین) ۳ اور ۱ (چار) ۴ اور ۱ (پانچ) ۔۔۔۔۔۔ ۹ اور ۱ (دس)

(۲) اس کے بعد مدرس الگ الگ ہر ایک بچہ سے تختۂ سیاہ پر کہلائے۔ اور پھر ۱۰ دفعہ درجہ سے ایک ساتھ کہلائے۔ اس کے لئے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ایک بچہ درجہ کے سامنے منہ کر کے کھڑا ہو کر جزوی سلسلہ کو دھرائے اور باقی سب بچے اس کے بعد ساتھ ساتھ بولیں۔

(۳) اب مدرس بہت سے باہمی کھیلوں کے ذریعہ ان جزوں کی مشق کرائے۔ ان میں سے کچھ کھیلوں کا نمونہ نیچے دیا جاتا ہے۔

کھیل (۱)
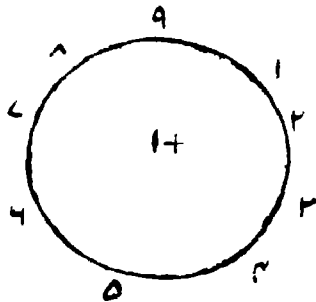
مدرس تختہ سیاہ پر کھریا سے ایک گھیرا کھینچ کر نمونے کے مطابق ا سے ۹ تک کے اعداد کو گھیرے کے باہر اور ۱ کا ہندسہ اس کے اندر لکھ دے۔ اب درجہ کو دو صفوں میں منقسم کرکے تختہ سیاہ سے کچھ دوری پر آمنے سامنے رخ کرکے بٹھائے ایک طرف کا ایک بچہ تختہ سیاہ پر جائے اور پوائنٹر لیکر دوڑتا ہوا جوڑ بولتا جائے۔ اور جوڑ ختم کرکے اپنی جگہ پر یا درجہ سے الگ بیٹھ جائے اس طریقہ سے درجہ کے تمام بچوں کو موقع دیا جائے جس طرف درجہ سے الگ بیٹھے ہوئے بچوں کی تعداد زیادہ ہوگی وہی ٹولی جیتی مانی جائے گی۔

کھیل ۲۔

۹ ۸ ۴ ۱ ۵ ۱ ۲
۱ ۱ ۱ ۵ ۱ ۶ ۱

اوپر لکھے ہوئے طریقہ سے تختہ سیاہ پر لکھکر درجہ کو دو حصوں میں منقسم کیا جائے اور پھر ایک ایک بچہ کو تختہ سیاہ پر بھیجا جائے کہ وہ دوڑتا ہوا جواب لکھکر چلا آئے۔ جس بچہ کا جواب صحیح ہو وہ اپنی جگہ پر بیٹھے نہیں تو درجہ سے الگ بیٹھ جائے۔ جس طرف زیادہ بچے بچ جائیں گے وہی ٹولی جیتی مانی جائے گی۔

کھیل ۳۔

مختلف جزوں کے کارڈ جیسے ۳/۴، ۱/۲، ۱/۶ ..... وغیرہ کا تعدے ٹکڑوں پر لکھکر بچوں کو تقسیم کردئے جائیں۔ درجہ کو دو ٹولیوں میں بانٹ کر آمنے سامنے بٹھا دیا جائے۔ ہر ایک ٹولی کا ایک بچہ اپنے جزوں کو مع جواب کے تختۂ سیاہ پر لکھے۔ اس طریقہ سے دونوں ٹولیوں کے ہر ایک بچہ سے باری باری تختہ سیاہ پر لکھایا جائے۔ جس ٹولی کے زیادہ بچوں کے جواب ٹھیک ہونگے وہی ٹولی جیتی سمجھی جائے گی۔

کھیل ۴۔ درجہ کو دو ٹولیوں میں تقسیم کرکے بچوں کو آمنے سامنے کھڑا کردیا جائے۔ پہلی ٹولی کا پہلا بچہ دوسری ٹولی کے کسی بچہ سے کسی جزوی سلسلہ کا جواب پوچھے۔ اور اگر وہ غلط جواب دے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور پہلی ٹولی کا دوسرا لڑکا دوسری ٹولی سے پھر سوال کرے۔ اس طریقہ سے جس ٹولی میں زیادہ بچے بچ جائیں وہی ٹولی جیتی سمجھی جائیگی۔

جزوی سلسلوں کو یاد کرانے کے بعد یہ ضروری ہے کہ ہم بچوں سے انھیں کے متعلق زبانی اور عبارتی سوال کرائیں۔ یہ سوالات بچوں کے ماحول اور تجربہ کے مطابق ہونے چاہئیں اس طریقہ کے کچھ سوالات بطور نمونہ دیئے جاتے ہیں۔

(۱) موہن نے ایک پیسہ کا گڑ اور تین پیسے کے چنے خریدے تو اس نے کتنے پیسوں کا سودا خریدا۔

(۲) رام نے ایک گھنٹہ میں پانچ پونی اور موہن نے صرف ایک پونی کاتی بتاؤ دونوں نے ملکر کتنی پونیاں کاتیں۔

(۳) لالی کے پاس چار پھول اور پشپا کے پاس ایک پھول ہے بتاؤ دونوں کے پاس ملکر کتنے پھول ہیں۔

(جزوی سلسلوں کی توسیع)

جب ایسے اعداد کو جوڑنا ہو جیسے ۵۴ اور ۸ تو اکثر بچوں کو فوراً جواب دینے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ مدرس اپنے تجربہ سے اس بات کو معلوم کر سکتا ہے کہ معمولی طور سے بچے چار اور آٹھ کا جوڑ فوراً بتا دیتے ہیں لیکن وہ ۵۴ اور ۸ کا جوڑ اتنی جلدی نہیں بتا سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بچہ کو چار اور آٹھ کے جوڑ کی مشق تو دی گئی ہے لیکن ۵۴ اور ۸ کے جوڑ کی اس طرح سے مشق نہیں کرائی گئی اگر بڑے اعداد کے ساتھ بھی ویسی ہی مشق کرادی جائے تو یہ کمی نہ رہے اور بچے سب سوالوں کے جواب اسی تیزی سے بتا سکیں۔ اسی لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بچوں سے ان ۵۴ جزوی سلسلوں کے پھیلاؤ کی بھی مشق کرائیں۔ ان کے سکھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مدرس اس بات پر زور دے کہ بچہ کو ۱۶، ۷۶ کے دیکھتے ہی ۲ کا اشارہ مل جائے اور وہ جلدی سے ۹۲ کہہ سکے اس عادت کو پیدا کرنے کے لئے ۴۴ جزوی سلسلوں کی مشق کی ضرورت ہے۔ ان ۴۴ جزوی سلسلوں میں ۴ اور ۵ کے آٹھ آٹھ اور ۶، ۷، ۸، ۹ کے سات سات سلسلے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ۴ کے آٹھ جزوں کو نیچے دیتے ہیں:-

(۱)	۶ ۴	۱۶ ۴	۲۶ ۴	۳۶ ۴	۴۶ ۴	۵۶ ۴	۶۶ ۴	۷۶ ۴	۸۶ ۴	۹۶ ۴
(۲)		۱۴ ۶	۲۴ ۶	۳۴ ۶	۴۴ ۶	۵۴ ۶	۶۴ ۶	۷۴ ۶	۸۴ ۶	۹۴ ۶
(۳)	۷ ۴	۱۷ ۴	۲۷ ۴	۳۷ ۴	۴۷ ۴	۵۷ ۴	۶۷ ۴	۷۷ ۴	۸۷ ۴	۹۷ ۴
(۴)	۱۴ ۷	۲۴ ۷	۳۴ ۷	۴۴ ۷	۵۴ ۷	۶۴ ۷	۷۴ ۷	۸۴ ۷	۹۴ ۷	
(۵)	۸ ۴	۱۸ ۴	۲۸ ۴	۳۸ ۴	۴۸ ۴	۵۸ ۴	۶۸ ۴	۷۸ ۴	۸۸ ۴	۹۸ ۴
(۶)	۱۴ ۸	۲۴ ۸	۳۴ ۸	۴۴ ۸	۵۴ ۸	۶۴ ۸	۷۴ ۸	۸۴ ۸	۹۴ ۸	
(۷)	۹ ۴	۱۹ ۴	۲۹ ۴	۳۹ ۴	۴۹ ۴	۵۹ ۴	۶۹ ۴	۷۹ ۴	۸۹ ۴	۹۹ ۴
(۸)	۱۴ ۹	۲۴ ۹	۳۴ ۹	۴۴ ۹	۵۴ ۹	۶۴ ۹	۷۴ ۹	۸۴ ۹	۹۴ ۹	

ان جزوی سلسلوں کی توسیع کی مشق مدرس مختلف کھیلوں اور زبانی سوالوں کے ذریعہ کرا سکتا ہے۔

جزوی سلسلوں کی اچھی طرح سے مشق کرا دینے کے بعد ہم جوڑ کی اصلی شروعات کراتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم دو ہندسوں والے اعداد کے جوڑ کو شروع کراتے ہیں۔ لیکن ایسے اعداد لیتے ہیں جنکے جوڑ میں

حاصل نہ آئے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم بچوں کو اچھی طرح سمجھائیں کہ ہم ایک عدد دوسرے عدد کے نیچے اس طریقہ سے رکھتے ہیں کہ اکائی کے نیچے اکائی اور دہائی کے نیچے دہائی آئے کیونکہ ہم اکائی میں اکائی اور دہائی میں دہائی ہی جوڑ سکتے ہیں۔ لیکن لکھکر جوڑ کے سوالات کو کرانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم بچوں کو ایسے کھیلوں کے ذریعہ مشقیں کرائیں جس سے انکو نہ صرف جوڑ کے معنی اچھی طرح معلوم ہو جائیں بلکہ وہ اس کے عمل کو بھی اچھی طرح سمجھ جائیں۔ تین ہندسے والے اعداد کے جوڑ کے سبق کو جن میں حاصل نہیں آتا ہم مثال کے طور پر نیچے دیتے ہیں۔

اس سبق میں ہم مٹی کی اُن امدادی اشیاء (Material aid) کو کام میں لاتے ہیں جن کا ذکر ہم نے ستمبر اور نومبر کے ایجوکیشنل گزٹ میں کیا ہے۔ ہمارا مطلب ان مٹی کے بنے ہوئے اکائی۔ دہائی اور سیکڑوں سے ہے شروع میں ہم ان "امدادی اشیاء" کے ذریعہ سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ بچے اس بات کو سمجھ جائیں کہ جوڑنے کا مطلب ہے ایک سی چیزوں کو جمع کرنا:۔
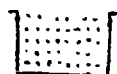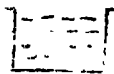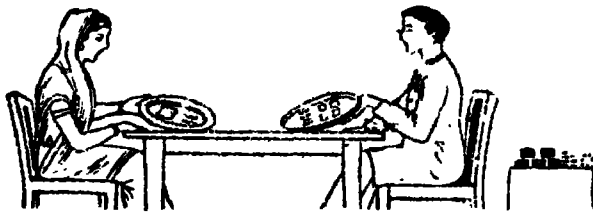
تین ہندسوں کے دو اعداد کو ہم تختہ سیاہ پر لکھدیتے ہیں۔ اور درجہ کے دو بچوں سے ان اعداد کے برابر اشیاء لانے کو کہتے ہیں جو کہ مدرس نے درجہ میں لگاکر رکھدی ہیں (تصویر دیکھئے) یہ اعداد ایسے ہونے چاہئیں جن کے جوڑ میں حاصل نہ لگے۔ مثال کے طور پر اگر یہ اعداد ۱۲۵ اور ۴۵۳ ہوں تو پہلا بچہ ۱۰۰ کا ایک چوکور دہائی کی ۲ تیلیاں اور اکائی کی پانچ گولیاں اٹھا کر لائیگا اور دوسرا بچہ سیکڑے کے چار چوکور دہائی کی

پانچ تیلیاں اور اکائی کی تین گولیاں اٹھا کر لائے گا۔ یہ دونوں بچے اپنی اشیا ایک ہی جگہ جمع کر کے رکھ دیں گے اور بچوں کو سمجھایا جائیگا کہ اس طریقہ سے چیزوں کے جمع ہونے کو جوڑ کہتے ہیں۔

جوڑ کا نتیجہ معلوم کرنے کیلئے ایک تیسرے بچے کو بلائے اور اس سے سیکڑے اکائی اور دہائی کو الگ الگ اکٹھا رکھنے کو کہے۔ جمع کرنے کے بعد بچہ آسانی سے گن کر جوڑ کے نتیجہ کو ۸۰۷ بتا سکتا ہے۔ کیونکہ اب میز پر سیکڑے کے پانچ چو کور دہائی کی سات تیلیاں اور اکائی کی آٹھ گولیاں ہیں اس طریقہ سے ہم مختلف اعداد کو لیکر بچوں کو مشق کرا سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہم بچوں کو اعداد کو لکھکر جوڑنے کے طریقہ کو سمجھا سکتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم انکو زبانی اور لکھے ہوئے سوالوں کی کافی مشق کرائیں۔

بغیر حاصل والے بڑے بڑے اعداد کی مشق کے بعد ہم بچوں کو ایسے جوڑ کی شروعات کراتے ہیں جس میں حاصل لگے۔

اس سبق میں بھی مٹی کی انھیں "امدادی اشیاء" کو کام میں لاتے ہیں جس کو ہم نے پچھلے سبق میں استعمال کیا تھا۔ درجہ کے پانچ بچے ایک ساتھ کھیل میں حصہ لیتے ہیں۔ اور باقی بچے اپنی جگہ سے دیکھتے ہیں اور صرف اسی وقت ساتھ ساتھ بولتے ہیں جس وقت گن کر بورڈ کا نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ پہلے دو بچے دیئے ہوئے اعداد کے برابر اشیاء لاتے ہیں۔ تیسرا بچہ سیکڑے دہائیوں اور اکائی کو الگ الگ کرتا ہے۔ اور چوتھے اور پانچویں بچے سیکڑے اور دہائیوں کو بھناتے ہیں جسکی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب جوڑیں حاصل لگتے ہیں۔ اس طریقہ سے ہم مختلف اعداد کو لیکر اس کھیل کی مشق کراتے ہیں جس سے درجہ کے سب بچوں کو اس میں حصہ لینے کا موقع مل جائے۔

شروع میں ہم ایسے دو اعداد لیتے ہیں جنکے جوڑ میں صرف اکائی کی جگہ حاصل لگے مثلاً اگر یہ دو اعداد ۱۲۷ اور ۲۳۵ ہوں تو پہلے دو بچے ان اعداد کے مطابق سیکڑے دہائی اور اکائی لاکر ایک جگہ جمع کریں گے۔ تیسرا بچہ سیکڑہ دہائی اور اکائیوں کو الگ الگ لگاکر رکھے گا۔ اور پھر گننا شروع کریگا۔ وہ ۱۲ اکائیاں گنے گا۔ اور اس موقع پر اسکو یہ سمجھایا جائے گا کہ وہ ان میں سے دس اکائیوں کو دہائی کی ایک تیلی سے تبدیل کر سکتا ہے۔ کیونکہ دس اکائیاں ہی ملکر ایک دہائی بنتے ہیں یہ بچہ چوتھے بچے سے کہے گا "ہمیں دس اکائیوں کی جگہ ایک دہائی دے دو" اور اس طریقہ سے اسکو یہ سمجھایا جائے گا کہ وہ حاصل لے رہا ہے۔ اب میز پر دو اکائیاں۔ چھ دہائی اور تین سیکڑے بچ جائیں گے جس کو بچے گن کر تین سو باسٹھ پڑھیں گے۔ جو کہ اس جوڑ کا نتیجہ ہوگا۔

اس کے بعد ہم ایسے اعداد لیتے ہیں جنکے جوڑ میں صرف دہائی کی جگہ حاصل لگے مثلاً اگر یہ دو اعداد ۳۹۱ اور ۲۲۴ ہوں تب ۱۱ دہائیاں اکٹھا ہو جائیں گی جس میں سے ۱۰ دہائیوں کے بدلے ایک سیکڑہ تبدیل کر لیا جائیگا۔

آخری بار ہم ایسے اعداد لیں گے جن کے جوڑ میں اکائی اور دہائی دونوں میں حاصل لگے مثلاً اگر دو اعداد ۳۸۴ اور ۴۲۷ ہوں تو کل ملکر ۱۱ اکائیاں دس دہائیاں اور ۷ سیکڑے ہونگے یعنی گیارہ اکائیوں میں سے ۱۰ کو ایک دہائی سے بدل لے گا۔ اور اس طریقہ سے گیارہ دہائیاں ہو جائیں گی۔ ان گیارہ دہائیوں میں سے دس دہائیوں کے بدلے ایک سیکڑہ رکھا جائیگا۔ اس طریقہ سے آخیر میں آٹھ سیکڑے ایک دہائی اور ایک اکائی رہ جائیگی۔ اور اس جوڑ کا نتیجہ "آٹھ سو گیارہ" ہوگا۔

اس طریقہ سے ہم مختلف اعداد دے کر بچوں کو موقع دیں گے کہ وہ امدادی اشیاء کے ذریعہ سے حاصل لگانے کے اس طریقہ کو اچھی طرح سے سمجھ لیں۔

آخیر میں ہم لکھکر جوڑنے کی مشق کراتے ہیں۔ جیسا بتایا جا چکا ہے ہمیں یہ اچھی طرح سمجھانا ہے کہ ہم اکائی کے نیچے اکائی دہائی کے نیچے دہائی اور سیکڑے کے نیچے سیکڑہ رکھ کر جوڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ایک جوڑ نیچے دیتے ہیں:۔

$$\begin{array}{r} 384 \\ 427 \\ \hline 811 \end{array}$$

اکائی اور دہائی کے اوپر حاصل لکھا جا سکتا ہے جیسا کہ اس جوڑ کے سوال میں دیا گیا ہے۔ بعد میں کافی مشق ہو جانے کے بعد بچہ اس عادت کو چھوڑ سکتا ہے یہ ضروری ہے کہ ہم بچوں کو ایسے سوالات کی کافی مشق کرا دیں اور ساتھ ہی ساتھ عبارتی سوالوں کی بھی کافی مشق کرا دیں۔

جوڑ سکھانے کے ان سبقوں کا مطلب صرف یہی ہے کہ شروع میں بچہ آسانی سے اور دلچسپ طریقہ سے جوڑ کے معنی اور اُس کا عمل سیکھ جائے۔ اس کے بعد باقی ترقی مشق پر منحصر ہے۔
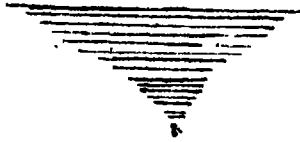
چمڑے کا کام

(از جناب سریش چندر چودھری۔ ایم۔ ایس سی۔ ایل ٹی)

چمڑے کی بنی ہوئی چیزوں کی سجاوٹ کے لئے چمڑے کو دھو کر بیلن سے دبا لیا جاتا ہے جیسا کہ پچھلے مضمون میں بتلایا گیا تھا) اس کے بعد چمڑے پر ڈزائن ٹریس کر کے اُتار لینا چاہئے جس کاغذ سے ٹمپلیٹ بنایا گیا تھا اگر اُسی پر ڈزائن بنایا جائے تو اچھا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سجاوٹ صرف بنی ہوئی چیزوں کے باہری چمڑے کے اوپر کی طرف ہوتی ہے۔

کسی ڈزائن کو کاغذ پر پہلے کھینچکر اُس ڈزائن کو چمڑے پر اتارا کر اس پر کام کرنے کے علاوہ صرف "میٹ پنچ" کی مدد سے بنا سکتے ہیں۔ میٹ پنچ لوہے کے ٹھپّے ہوتے ہیں جن کے سروں پر مختلف شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ نیچے تصویر میں دکھلایا گیا ہے۔ ان کو چمڑے پر رکھ کر ہتوڑے کی چوٹ دینے سے اُن کا چھاپ چمڑے پر آجاتا ہے۔

لوہے کی کیلوں کا اوپری حصہ یا لوہے کے پیچ کا اوپری حصہ ان پنچوں کا کام دیتا ہے اسکے علاوہ چھوٹے چھوٹے لوہے کے چھڑوں کے ٹکڑوں کے سروں کو ریتی سے گھس کر گول "مثلث" پان یا برفی کی شکلیں آسانی سے بنائے جا سکتے ہیں
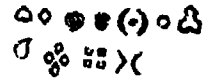
اور ان ٹھپّوں کو اکائی مان کر بہت اچھی اچھی ڈزائنیں بنائی جا سکتی ہیں۔ انھیں میٹ پنچوں کے ساتھ سیدھی اور ٹیڑھی سطریں کھینچکر حاشیے یا پورے سطح والی ڈزائن بھی بنا سکتے ہیں جنکا نمونہ مندرجہ ذیل ہے۔
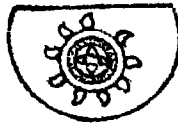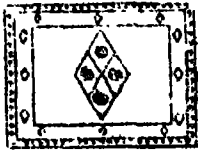
مختلف سامان پر میٹ پنچوں سے ڈزائن بھی مختلف قسموں کی ہونگی اچھا یہ ہوگا کہ چمڑے پر ڈزائن بنانے سے پہلے کاغذ پر بناکر دیکھ لیا جائے تو اس میں جو کچھ کمی ہوگی پہلے ہی معلوم ہو جائیگی۔ کاغذ پر میٹ پنچ سے ڈزائن بنانے کے لئے سیاہی سے بھیگے ہوئے عمدہ سے ٹکڑوں کی مدد سے ٹھپوں پر سیاہی لگا لینا چاہئے اور پھر ان کو کاغذ کے اوپر چھاپ لینا چاہئے۔

میٹ پنچ میں جس جگہ پر گڈھا ہوتا ہے چمڑے پر دبانے سے چمڑا اُن اُن جگہوں پر ابھر آتا ہے اور جہاں جہاں میٹ پنچ میں سطح اونچی ہے وہاں وہاں چمڑا دب جاتا ہے۔

پوری سطح پر ڈزائن بنانے کے لئے جگہوں کو خانوں میں تقسیم کر لینا چاہئے۔ اسطرح حاشیے والی ڈزائن بنانے کیلئے جگہ کو برابر حصوں میں تقسیم کر لینا چاہئے پھر ایک حصہ کے ڈزائن کو اور حصوں میں دوہرا کر پوری ڈزائن بنا لینا چاہئے دو یا تین میٹ پنچ اور سیدھی اور ٹیڑھی لکیروں کی مدد سے کئی عمدہ عمدہ ڈزائنیں بن سکتی ہیں۔

میٹ پنچ کے علاوہ صرف سیدھی اور ٹیڑھی لکیروں سے بھی اچھی اچھی ڈزائنیں بنتی ہیں۔ اس طرح کی ڈزائن بنانے کیلئے تھوڑا بہت ڈرائنگ جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ لکیریں کھینچنا تو بہت آسان ہے ان کی مدد سے خالی جگہوں کو بھرنا یعنی لکیریں کہاں کیسی اور کتنی لمبی اور کتنی دور دور پر بنائی جائیں تاکہ اچھا معلوم ہو کافی تجربہ کے بعد آتا ہے لکیروں کی مدد سے ڈزائنوں کا نمونہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔
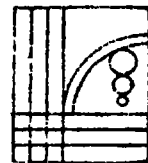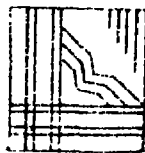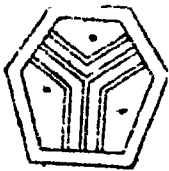
چمڑے پر لکیریں "ماڈلر" سے کھینچی جاسکتی ہیں اس کے لئے پہلے چمڑے کی سطح کو پانی سے بھیگے ہوئے کپڑے سے نم کر لینا چاہئے پھر ماڈلر کو لکیر پر رکھکر موڈلر کو دباتے ہوئے اس لکیر پر چلاتے ہیں اس حالت میں موڈلر کا جھکا ہوا حصہ بغل کی طرف رہتا ہے سیدھی لائنیں پٹری کی مدد سے کھینچی جاسکتی ہیں پٹری کی مدد سے لکیر کھینچتے وقت موڈلر کا جھکا ہوا حصہ پٹری کے کنارے کی طرف ہونا چاہئے۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ موڈلر سے چمڑے کے اوپر جو نشان بنتا ہے وہ کافی گہرا ہونا چاہئے ورنہ رنگ دیتے وقت ان لکیروں میں بھی رنگ بھر جاتا ہے اور بنی ہوئی چیز اتنی خوشنما

نہیں معلوم ہوتی ٹیڑھی لکیروں کو چمڑے پر عکس کرکے اتارتے ہیں اور ان لکیروں پر موڈلر سے ڈزائن بنا لیتے ہیں موڈلر کے علاوہ اگر رکھانی کی طرح لکڑی کا ایک نکیلا اوزار بنا لیا جائے تو لکیریں کھینچنے میں آسانی ہوتی ہے نوک کی موٹائی لکیر کی موٹائی کے برابر ہونا چاہیے ایسے ہی دو منہ والے اوزار سے پاس پاس دو متوازی لکیریں کھینچ سکتے ہیں۔

بیئر میٹ پنچ کی مدد سے اور لکیروں کے علاوہ بھی چمڑے پر ڈزائن بنا سکتے ہیں دراصل ایسے ہی ڈزائن چمڑے پر بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ چمڑا ایک ایسی نرم چیز ہے جو آسانی سے دب جاتی ہے اور جس پر موڈلر سے دبا کر بہت عمدہ عمدہ ابھرے ہوئے نمونے بنائے جا سکتے ہیں موڈلر کی مدد سے چمڑے پر کام کرنے کو موڈلنگ کہتے ہیں۔

یہاں پر اُن ڈزائنوں کے بارے میں کچھ بتانا ضروری ہے جو کہ پس منظر دبا کر اور موڈلنگ کرکے بنائی جاتی ہیں۔ یوں تو کسی بھی ڈزائن کو عکس کرکے چمڑے پر اُتار کر اُس کے پس منظر کو دبا کر اُس پر موڈلنگ کر سکتے ہیں لیکن ایسا کرنے سے اُس ڈزائن کا اثر ٹھیک نہیں آتا۔ اُسے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چیز کے ساتھ ڈزائن کا کچھ میل نہیں ہے گویا زبردستی اُس چیز کو لاکر بٹھا دیا گیا ہے اس لئے ٹھیک یہ ہوگا کہ چیز کے مطابق ڈزائن بنائی جائے اس کے علاوہ خود ڈزائن بنانے میں جتنی خوشی ہوتی ہے ایک ڈزائن کو نقل کرنے میں اتنی نہیں ہوتی۔ ضرورت کے مطابق خود ڈزائن بنانے کے لئے کسی بنی ہوئی ڈزائن سے مدد لے سکتے ہیں یا کسی ایک اکائی سے بنے ہوئے ڈزائن کی اکائی کی مدد سے دوسری ڈزائن بنا سکتے ہیں کسی ایک، ڈزائن کو صرف پورا پورا نقل کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔

معمولی طور پر ڈزائن ہم ان چیزوں سے بنا سکتے ہیں

(۱) جیومیٹری میں آنے والی مختلف شکلوں کو ملا کر جیسا کہ عمارتوں کی جالی میں بنا رہتا ہے۔

(۲) مختلف گھماؤ دار شکلیں پھول پھل اور پتوں کی شکل کی مدد سے۔

(۳) انسان کی مختلف حالتوں کی شکلوں سے مثلاً دعا مانگتا ہوا بچہ آرتی کرتی ہوئی لڑکی تیر چلاتا

ہوا آدمی وغیرہ وغیرہ۔

(۴) مختلف علامات اور خاص خاص چیزوں کی شکلوں کی مدد سے جیسے سواستکا۔ ہلال۔ صلیب سنکھ۔ ڈیوٹ وغیرہ وغیرہ۔

(۵) نظارہ جیسے کہ مندرجہ ذیل دکھایا گیا ہے۔
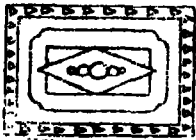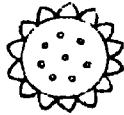
خاصکر وہ چھوٹے ڈزائن جن میں پس منظر ہوتا ہے انکو بنانے میں بڑی دقت ہوتی ہے چونکہ بیس میں آنے والی شکلوں سے جوڑ ڈزائن بنتی ہیں اُن میں فیٹ پیچ سے بنانے میں آسانی ہوتی ہے۔ اگر اُن پر موڈلر سے کام کیا جائے تو شکلوں کی ناپ ٹھیک نہ رکھنے سے ڈزائن کی غلطیاں ظاہر ہوجاتی ہیں دونوں طرف برابر پس منظر والے ڈزائن کا بھی انتخاب نہ کرنا چاہئے کیونکہ اگر دونوں حصّوں کی شکلوں میں برابر موڈلنگ نہ کی گئی تو بھی غلطیاں آسانی سے پکڑی جاسکتی ہیں۔ پھول پتی والے ڈزائن بناتے وقت اُن کی شکلیں، ڈنٹھل کے ساتھ لگاؤ، مختلف حصّوں کا تناسب وغیرہ سب کا خیال رکھنا ضروری ہے پھول پتی والی ڈزائنوں میں چیزیں پاس پاس بنا دینے سے ڈزائن اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ان کے علاوہ جبکہ

پہلے بتلایا گیا ہے کہ بنی ہوئی چیز کے مطابق ڈزائن بنانی چاہئے مثلاً ایک بحری سفر کی کتاب کی جلد کے لئے پھول پتی والی ڈزائن کی بہ نسبت سمند رمیں بہتے ہوئے جہاز کی ڈزائن زیادہ موزوں ہوگی بنی ہوئی چیزوں کی شکل کے مطابق ڈزائن بنانا چاہئے مثلاً مسدس نما چیز پر ایک مثلث نما ڈزائن اچھا نہیں معلوم ہوگا۔

ان سب باتوں کا خیال رکھتے ہوئے ٹمپلیٹ والے کاغذ پر ڈزائن کھینچ لینے کے بعد اُس ڈزائن کو چمڑے پر عکس کرنا چاہئے عکس کرنے کے لئے کاغذ موٹا ہونا چاہئے ورنہ عکس کرتے وقت کاغذ پھٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ڈزائن عکس کرنے کے لئے چمڑے کی سطح پر ایک صاف اور گیلا کپڑا پھیر لینا چاہئے۔ اس کے بعد ڈزائن والے کاغذ کو چمڑے کے اوپر رکھ کر ڈزائن کی لکیروں پر ٹریسر نام کے آلہ کو پھیرنا چاہئے۔ اگر کاغذ کے ہٹ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے آلپینوں کی مدد سے اُسے چمڑے پر ٹانک لینا چاہئے۔ ٹریسر کو قلم کی طرح پکڑنا چاہئے تاکہ اُس کی نوک لکیروں پر چلے ٹریسر کو اتنا دبانا چاہئے کہ چمڑے پر نشان صاف صاف ظاہر ہو جائیں لیکن اسی کے ساتھ اتنا نہ دبانا چاہئے کہ کاغذ پھٹ جائے ٹریسر پکڑتے وقت استادہ کرنے والی انگلی ٹریسر کے اوپر پوری پھیلی ہونا چاہئے کیونکہ انگلی مڑی رہنے سے ٹریسر دبانے میں طاقت زیادہ لگے گی اور ٹریسر ہٹ جانیکا اندیشہ رہیگا۔

ڈزائن عکس کرنے کے بعد اُس کا پس منظر دبانا چاہئے۔ لیکن بغیر دبائے بھی ایک طریقہ ہے جس سے جس سے ڈزائن کا اثر صاف ظاہر ہو جاتا ہے جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سیدھی ٹیڑھی لکیروں کو موڈلر یا لکڑی کے رکھائی نما ٹکڑوں سے چمڑے پر دبا کر اُس پر ڈزائن بنائی گئی تھی اُسی طرح اُن ڈزائنوں کی بھی موڈلنگ کر سکتے ہیں۔ یوں تو یہ کام موڈلر سے ہی کر سکتے ہیں (اس حالت میں موڈلر کو اُسی طرح پکڑنا چاہئے جیسا کہ لکیر کھینچتے وقت) لیکن اس طریقہ سے لکیر کے دونوں کنارے صاف نہیں آتے اور لکڑی کی رکھائی کا سرا بہت چوڑا ہونے کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے گھماؤ میں اُس کا استعمال نہیں کر سکتے اگر لکڑی کی رکھائی کی طرح لوہے کا نوکیلا اوزار بنا لیا جائے تو لکیریں بہت صاف آتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی گھماؤدار لکیریں بھی بہت صفائی کے ساتھ بن سکتی ہیں۔

رکھائی کی طرح لوہے کا
نوکیلا اوزار

اس کے سرے کی چوڑائی قریب قریب ڈیڑھ یا دوسوت ہونا چاہیئے اور جتنی چوڑی لکیر بنانی ہو اتنی ہی موٹی ہونا چاہیئے۔ اسکو چلانے کے لیئے قلم کی طرح پکڑنا چاہیئے۔

پس منظر کو دبانے کے لیئے عکس کرنے کے بعد ڈزائن کی مختلف چیزوں کی باہری لائنوں کو موڈلر سے دبا کر اور بھی صاف کر دیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے کے لیئے موڈلر کو داہنے ہاتھ میں قلم کی طرح پکڑ کر ڈزائن کی باہری لکیروں پر باہر کی طرف سے چلاتے ہیں۔ موڈلر کا ناؤ نما ابھرا ہوا حصہ چمڑے کی طرف رہتا ہے اور نوک صرف لکیر پر رہتی ہے موڈلر کو دبانے کے لئے بائیں ہاتھ کی اشارہ کرنے والی انگلی کا استعمال کر سکتے ہیں۔ ڈزائن کے چاروں طرف باہری حصوں کو موڈلنگ کر لینے کے بعد پس منظر کے باقی حصوں کو موڈلر کے سروں سے رگڑ کر برابر کر لینا چاہیئے اگر موڈلر استعمال کرنے سے پہلے چمڑے کو گیلے کپڑے سے نم کر لیا جائے تو موڈلنگ کرنے میں کافی آسانی ہوتی ہے چمڑا دباتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ دباؤ ہر جگہ برابر ہو تاکہ گہرائی لکیروں کی ہر جگہ برابر ہو۔ پس منظر کو دبانے کے بعد ایسا معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی ہموار سطح پر ایک ابھری ہوئی ڈزائن بن گئی ہے۔ پس منظر کو دبانے کے بعد اس پر موڈلنگ کی جاتی ہے موڈلنگ ٹریسڈن ٹول سے کی جاتی ہے اسے بھی موڈلر کی طرح استعمال کرتے ہیں لیکن اسے اتنا زیادہ نہیں دباتے۔ کہیں کہیں پتیوں کی سطح ذرا دبی ہوئی ہوتی ہے وہاں پر ٹریسڈن ٹول سے ہلکے ہلکے چمڑے کو دبا دینا چاہیئے۔

اکثر ڈزائن میں ایک ڈنٹھل دوسرے ڈنٹھل کے اوپر سے چلا جاتا ہے یا ایک پتی دوسرے کے اوپر اٹھی رہتی ہے جن کو ایک کے اوپر دوسرے کو دکھلانے کے لئے اوپر والی چیز کے اس حصہ کو کنارے کے باہر کی طرف ڈرسڈان ٹول سے دبانا چاہیئے جو کہ نیچے والی چیز کے اوپر ہے ڈرسڈن ٹول سے دبانے کے لیئے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ نیچے کا حصہ صرف برابر بچ جائے۔ جہاں دبایا جاتا ہے وہاں ایک نالی کی طرح گہرائی نہ آنی چاہیئے پھلوں وغیرہ کی گولائی بھی اسی طرح سے دکھائی جا سکتی ہے۔ انسان کی شکلیں بناتے وقت بھی یہ اوزار کام میں آتا ہے۔

پس منظر دبا کر ڈزائن کو اٹھا دینے اور موڈلنگ کر لینے کے بعد چھوٹے فرسٹ پنچ سے اگر پس منظر کو کھردرا بنا دیا جائے تو ڈزائن اور بھی صاف بن جاتی ہے۔

جگنو اور چمپی

(از جناب سیتارام نگم۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی)

پہلا حصہ (تصویری)

بچو! تم اگنو کی کہانی سُن چکے ہو۔ اگنو سے بہت دنوں بعد ایک کھوہ میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ اُس کا نام جگنو تھا۔ یہ لڑکی اکیلی نہ رہتی تھی اُس کے ساتھ اُس کھوہ میں اُس کے ماں باپ بھی رہتے تھے۔ اُس کی ایک چھوٹی بہن تھی۔ اُس کا نام چمپی تھا۔ جگنو کی عمر اس وقت ۱۰ سال تھی۔ جگنو چمپی کو بہت پیار کرتی تھی۔ وہ بڑی اچھی لڑکی تھی۔ ہمیشہ اپنے ماں باپ کے پاس رہتی تھی۔ اور اُن کے کام میں مدد پہنچاتی تھی۔ اُس نے اپنی ماں سے کھال صاف کرنا اُن کو جوڑنا اور اُن سے لبادہ بنانا سیکھ لیا تھا۔ جب اُس کی ماں کھانا پکاتی تھی تو وہ اپنی بہن چمپی کو گود میں لے کر کھلایا کرتی تھی۔ جب اُس کو کوئی کام نہ ہوتا اور چمپی بھی سو جاتی تو جگنو کھوہ کے پاس ہی کھیلا کرتی تھی۔ کھوہ سے دور کبھی نہ جاتی۔

جس کھوہ میں جگنو اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی تھی بہت آرام دہ تھی۔ پانی برسنے پر ایک بوند پانی بھی اُس کھوہ کے اندر نہ جاتا تھا اور نہ اُس کے اندر سردی لگتی تھی۔ کھوہ کے دروازے کے نزدیک ہمیشہ آگ جلا کرتی تھی جس سے کوئی جنگلی جانور کھوہ کے اندر نہ آسکتا تھا۔ کھوہ کے اندر سونے کے مقام پر ہرے ہرے پتّے بچھے رہتے تھے۔ جگنو کی ماں نے کھال کے کئی تھیلے بنا رکھے تھے۔ کسی تھیلے میں جگنو کے باپ کے ہتھیار رہتے تھے۔ کسی تھیلے میں قند ہیں۔ کھانے لائق جڑیں اور پھل بھرے رہتے تھے۔ ایک چمڑے کے بڑے تھیلے میں پانی بھرا رہتا تھا۔ اب یہ لوگ پیاس لگنے پر پانی کی تلاش میں مارے مارے نہ پھرتے تھے بلکہ تھیلے میں ندی سے پانی بھر لاتے تھے۔ اور پیاس لگنے سے تو اسی سے تھوڑا پانی پی لیتے تھے۔

جگنو کا باپ بھی بہت محنتی تھا۔ وہ ہر روز کسی نہ کسی جانور کا شکار کر لاتا تھا۔ جب وہ شکار کرنے جاتا تو اپنے ساتھ ایک چمڑے کا تھیلا بھی لے جاتا تھا۔ اِس تھیلے میں وہ درختوں سے پھل توڑ لاتا تھا۔ ان پھلوں کو جگنو بڑے شوق سے کھاتی تھی۔ جب جگنو کا باپ شکار کرنے جاتا تو گھر پر ہی پتھروں سے ہتھیار بنایا کرتا تھا۔ پاس جگنو بھی بیٹھ جاتی تھی۔ جگنو کا باپ اُسے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ اپنا کام کرتے کرتے جگنو سے باتیں بھی کر جاتا تھا۔ اکثر وہ جگنو سے اپنے شکار کا حال بتایا کرتا تھا۔

ایک دن جگنو کا باپ ایک پتھر گھس کر ایک تیز چاقو بنا رہا تھا۔ پاس ہی جگنو چمپی کو گود میں لے بیٹھی تھی۔ جگنو کا باپ خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ جگنو بھی کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی مگر اُس سے زیادہ دیر تک خاموش نہ رہا گیا۔ اُس نے پوچھا "ابا جان! آپ کل شکار کر کے کب لوٹے۔

رات کو بڑی دیر تک میں آپ کی راہ دیکھتی رہی۔ جب آپ بہت دیر تک نہ آئے تو میں سو گئی۔" یہ سن کر جگنو کے باپ نے کہا "ہاں جگنو کل ہمیں لوٹنے میں دیر ہو گئی تھی۔ جب میں آیا تو تم سو چکی تھیں۔" اس پہ جگنو نے دریافت کیا "کل آپ کس جانور کا شکار کرکے لائے تھے"؟ اُس نے جواب دیا "کل میں کوئی جانور شکار کرکے نہ لا سکا۔ میں تمام دن شکار کی تلاش میں گھومتا رہا لیکن کوئی جانور دکھائی نہ دیا۔ جب میں نااُمید ہو کر لوٹ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک جانور ہری ہری گھاس چر رہا ہے۔ میں نے تاک کر اپنا بھالا پھینکا کہ اُسے لگ جائے مگر میرا نشانہ چوک گیا۔ وہ جانور آہٹ پا کر بھاگا۔ میں بھی اپنا بھالا اُٹھا کر اُس کے پیچھے دوڑا۔ دوڑتے دوڑتے ایک چھوٹی سی پہاڑی دکھائی پڑی۔ یہ جانور اُس کے اوپر چڑھنے لگا۔ میں بھی اپنا بھالا لئے ہوئے اُس پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ جیوں ہی یہ جانور اوپر پہنچا۔ میں بھی اپنا بھالا لئے ہوئے اوپر پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر یہ جانور ایک دم کھڑا ہو گیا۔ آگے جانے کو راستہ ہی نہ تھا۔ یہ پہاڑی چٹان ایک ندی کے کنارے تھی۔ اُسکے نیچے اتھاہ ندی بہہ رہی تھی۔ اس جانور کو دیکھ کر میں نے اپنا بھالا تاک کر مارا۔ بھالے کے لگتے ہی وہ اُچھل پڑا اور ندی میں لڑھک کر جا گرا اور ڈوب گیا۔ میں نااُمید خالی ہاتھ لوٹ آیا۔ جگنو یہ جانور بہت خوبصورت تھا۔ اُسکی بڑی خوبصورت کھال اور بڑے بڑے سینگ تھے۔"

یہ حال سن کر جگنو بہت خوش ہوئی۔ اُس نے کہا "کیسا اچھا ہوتا اگر وہ بھی اس خوبصورت جانور کو دیکھ سکتی۔ جگنو کے باپ نے جواب دیا۔" ایسے جانور بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ سچ مچ اُس جانور کے سینگ بڑے خوبصورت تھے وہ اتنے بڑے تھے۔" یہ کہکر اُس نے اپنے پتھر کے چاقو سے زمین پر اُس جانور کے سینگ کھود دیئے۔" یہ کہکر جگنو نے کہا "ابا وہ جانور کیسا تھا۔" یہ سُن کر باپ نے اس جانور کی پوری شکل زمین پر بنا دی۔ اسکو دیکھ کر جگنو بہت خوش ہوئی۔ اور اس تصویر کو بڑی دیر تک غور سے دیکھتی رہی۔ چھپی جو ابھی تک جگنو کی گود میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ نیچے اُتر آئی۔ اُس نے پاس پڑا ایک نوکیلا پتھر اُٹھا لیا۔ اور اُس سے اُس جانور کی تصویر کے اوپر لکیریں کھینچنے لگی۔ جگنو نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا تو چھپی کو غصہ آ گیا اور اپنے دوسرے ہاتھ سے اُس تصویر کو مٹا دیا۔ اس تصویر کے مٹ جانے سے جگنو کو بہت افسوس ہوا۔ اُس کے آنکھ میں آنسو آ گئے۔ جگنو کے باپ نے جو اسے دُکھی دیکھا تو اُس نے کہا "بیٹی رنج نہ کر۔ میں تجھے ایسی تصویر بنا دوں گا۔ جسے چھپی نہ مٹا سکے گی۔" یہ کہہ کر اُس نے کھوہ کی پتھر کی دیوار پر اپنے چاقو کی نوک سے پھر اُس جانور کی تصویر کھود دی۔ جس کو دیکھ کر جگنو بہت خوش ہوئی اور چھپی سے کہا "چھپی اسے مٹا تو جانوں۔"

اسکے بعد ہر شام کو جب جگنو کے باپ کو کچھ کام نہ ہوتا تو وہ کسی نہ کسی جانور کی تصویر دیوار پر کھودا کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ چوڑی چوڑی ہڈیوں پر بھی وہ تصویر بنایا کرتا تھا۔ اسطرح اُسکی کھوہ کی ساری دیواریں ان جانوروں کی تصویروں سے بھر گئیں۔ دوسری کھوہ کے رہنے والے اُس سے ملنے آئے تو ان تصویروں کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے اُس سے

تصویر بنانا سیکھا۔ اکثر لوگوں کو کامیابی نہیں ہوئی لیکن کچھ اسی کی طرح اچھے مصور ہو گئے۔

ایک دن جگنو کے باپ نے سوچا کہ ان تصویروں کا رنگ اصلی جانوروں کے رنگ کی طرح ہونا چاہیے۔ اُسکے سامنے ہاتھی کی تصویر تھی۔ اُس نے کوئلہ لیا اور اُس کو پانی میں گھس کر اس ہاتھی کی تصویر کے اندر پوت دیا۔ اب تو یہ تصویر بالکل ہاتھی کی طرح دکھائی پڑنے لگی۔ چمپی اور جگنو اُسکو دیکھ کر ازحد خوش ہوئیں۔ اس کے علاوہ جگنو کے باپ نے طرح طرح کی رنگین مٹیاں تلاش کیں جیسے گیرو پیلی مٹی وغیرہ۔ ان مٹیوں کو پانی میں گھول کر انگلیوں سے وہ تصویروں میں بھر دیتا تھا۔ اس طرح مصوری شروع ہو گئی۔

دوسرا حصہ (جانوروں کا پالنا)

جگنو اور چمپی کو اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے بہت دن گذر گئے۔ اب جگنو نے بھی تصویر بنانا سیکھنا شروع کیا۔ اُس کا باپ اُسے بہت پیار کرتا تھا۔ اُس نے اُسے دیوار پہ تصویر کھودنا سکھایا۔ اکثر جگنو کی تصویر بگڑ جاتی تھی اس لئے اُس نے جگنو سے کہا کہ وہ تصویر کھودنے کے پہلے اُس کا خاکہ دیوار پر کوئلے سے کھینچ لیا کرے۔ اگر یہ خاکہ جگنو سے ٹھیک نہ بنا تو وہ اُسے مٹا کر درست کر دیتا تھا۔ جب خاکہ بالکل ٹھیک اُس جانور کی طرح بن جاتا تو جگنو اپنے تیز چاقو اور ہتھوڑے سے اُس تصویر کو دیوار پہ کھود دیتی تھی اور بعد کو اُس میں رنگ بھر دیتی تھی۔ دھیرے دھیرے جگنو کو تصویر بنانا آگیا۔ جب وہ کسی نئے جانور یا چڑیا کو دیکھتی تو وہ اُسے کچھ دیر تک غور سے دیکھتی رہتی۔ پھر اُس کا خاکہ دیوار پر کھینچتی اور اُس میں رنگ بھر دیتی اس طرح تصویر بن جاتی تھی۔

ایک دن جگنو کا باپ شکار کو گیا۔ بہت دیر جنگل میں گھومنے کے بعد اُسے ایک بارہ سنگھا دکھائی پڑا۔ اُسے دیکھتے ہی اُس نے اپنا بھالا بارہ سنگھے کو مارنے کے لئے اُٹھایا۔ آہٹ پاکر بارہ سنگھا بھاگا اور چوکڑی بھرنے لگا۔ جگنو کا باپ بھی تیزی سے اُس کے پیچھے بھاگا جاتا تھا۔ اس طرح دوڑتے دوڑتے بہت دور نکل گئے۔ جگنو کے باپ کا دوڑتے دوڑتے دم پھولنے لگا۔ اُس کے جسم سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ وہ بے حد تھک گیا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ اگر اس نے آج اس جانور کا شکار نہ کیا تو کل سب لوگ کیا کھائیں گے کیونکہ اب گھر میں کل کے کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ وہ اسکے پیچھے دوڑا ہی جاتا تھا کہ ایک دفعہ اُس کے بہت نزدیک آگیا۔ اُس نے اپنا بھالا پھینک کر مارا لیکن بارہ سنگھے نے اپنے کو بچایا اور زوروں سے چوکڑی بھرنے لگا۔ جگنو کا باپ اپنا بھالا اُٹھاکر پھر تیزی سے اسکے پیچھے دوڑا۔

اس طرح دوڑتے دوڑتے شام ہوگئی۔ اب وہ بالکل ناامید ہو گیا اور اس کا پیچھا چھوڑنے ہی والا تھا۔ اب گھاس کا میدان ختم ہو گیا تھا۔ یہاں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اُگی تھیں۔ ان جھاڑیوں میں دوڑنے سے اُسے تکلیف ہو رہی تھی۔ آگے چل کر یہ جھاڑیاں بڑی اور گھنی ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ آگے راستہ ہی نہ تھا۔ بارہ سنگھا دوڑتا ہوا ان جھاڑیوں میں گھس گیا۔ اور آگے بڑھنا چاہا لیکن اُس کے سینگ

جھاڑی میں پھنس گئے۔ جتنا ہی وہ اپنے سینگوں کو جھاڑی سے نکالنا چاہتا اُتنے ہی اُس کے سینگ جھاڑی میں اور پھنستے جاتے۔ کوشش کرتے کرتے اُس کے منہ سے پھین گرنے لگا۔ اب جگنو کا باپ بھی نزدیک آگیا اور اُس نے بھالا تاک کر مارا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا اور بارہ سنگھا گھائل ہوکر مرگیا۔ جگنو کے باپ نے بارہ سنگھے کو اُٹھاکر اپنی گردن پر رکھنا چاہا لیکن وہ بہت بھاری تھا۔ وہ اُس سے نہ اُٹھا۔ تب وہ اُس کی ٹانگ پکڑکر اُس کو گھسیٹتا ہوا اپنی کھوہ کی طرف چلا۔ جب وہ اپنی کھوہ پر پہنچا تو چیپی اور جگنو سوگئی تھیں۔ چیپی کی ماں اس جانور کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اُس کی کھال بہت خوبصورت تھی۔ اس نے کہا کہ میں اس کھال سے چیپی اور جگنو کے لئے لبادہ بنادوں گی۔ آج اس نے بچا ہوا ایک گوشت کا ٹکڑا اُبالا تھا۔ اور جگنو آس پاس سے کچھ پھل توڑ لائی تھی۔ اُن کو کھاکر یہ لوگ سوگئے۔

دوسرے دن جب چیپی اور جگنو سوکر اُٹھیں تو اُنھوں نے مارے ہوئے بارہ سنگھے کو دیکھا اور اتنے بڑے جانور کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ جگنو نے اپنے باپ سے کل کے شکار کا حال پوچھا۔ اُس کے باپ نے تمام حال بتایا کہ کس طرح وہ اس بارہ سنگھے کے پیچھے دوڑا۔ کس طرح وہ جھاڑی میں پھنس گیا اور کس طرح اُس نے اُسے مار ڈالا۔ اگر یہ بارہ سنگھا جھاڑی میں نہ پھنستا تو وہ ہرگز اُسے نہ مار سکتا اور سارے گھر کو بھوکا رہنا پڑتا۔ کیونکہ آج گھر میں کچھ نہ بچا تھا۔ یہ حال سن کر چیپی کی

ماں نے کہا۔ ”سچ مچ آپ کو شکار کرنے میں بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ اگر آپ شکار کرکے نہ لائیں گے تو چیپی اور جگنو کیا کھائیں گی؟“ جگنو نے کہا۔ ”اماں! ابا نے بتایا ہے کہ آج وہ بارہ سنگھے کو اس وجہ سے مار سکے کہ یہ جانور جھاڑی میں پھنس گیا تھا۔ کیا کوئی ترکیب نہیں کہ جانوروں کو کسی طرح پھنسا لیا جایا کرے جس سے ان کے پیچھے اتنا دوڑنا نہ پڑے؟ میری سمجھ میں ایک تدبیر آئی ہے۔ آپ نے چیپی کے لئے چمڑے کی دھجیوں کا پالنا بنایا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ پالنے کو اُٹھا لائی اور کہا۔ ”ابا! اماں چیپی کو اس پالنے میں ڈال دیتی ہیں وہ نیچے نہیں گرتی بلکہ جھومتی جھومتی سو جاتی ہے۔ اگر ہم ایک بڑا سا پالنا چمڑے کی دھجیوں کا بنالیں اور جہاں کہیں بھی ہم کسی جانور کو گھاس میں چرتے دیکھیں اس کو جھاڑی کی طرح نزدیک کے دو درختوں کے تنے میں باندھ دیں۔ پھر سب لوگ مل کر جانور کو گھیر کر اس طرف دوڑا دیں تو وہ اس میں پھنس جائے گا جس طرح کل بارہ سنگھا جھاڑی میں پھنس گیا تھا۔ اگر اس ترکیب سے کامیابی ملے تو آپ جانوروں کے پیچھے بہت دوڑنے کی تکلیف سے بچ جائیں گے۔“

یہ بات سب کو پسند آئی۔ چیپی کی ماں نے چمڑے کی بہت سی دھجیاں کاٹیں اور اُن کو پالنے کی طرح بُن کر ایک بڑا سا جال بنایا۔ جب جال بُن کر تیار ہوگیا تو جگنو کے باپ نے پاس کے رہنے والے اپنے کئی ایک

ساتھیوں کو بلایا اور سب کو لے کر جنگل کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے اُس نے دیکھا کہ ایک جانور ہری ہری گھاس چر رہا ہے۔ اُس نے بڑی خاموشی کے ساتھ اس جال کو نزدیک کے دو پیڑوں کے تنے میں باندھ دیا۔ سب لوگ اپنا اپنا بھالا لے کر چاروں طرف پہنچ گئے۔ صرف جال کی طرف کوئی نہیں تھا۔ بیچارہ جانور اُسی طرف بھاگا اور جال میں پھنس گیا۔ جس طرح کہ اس دن وہ بارہ سنگھا جھاڑی میں پھنس گیا تھا۔ اس طرح ان لوگوں نے یہ جانور زندہ ہی پکڑ لیا۔ اب تو ان کو جانور پکڑنا آسان ہو گیا۔ اُنھوں نے اس طرح کئی جانور پکڑے اور اپنی اپنی کھوہ میں لے آئے۔ اور ان کو مار کر کھال نکال کر ٹکڑے کئے۔ پھر اُبال کر خوش ہو کر کھایا۔

جگنو کا باپ روز کسی نہ کسی جانور کو جال میں پھنساتا اور ان کو پکڑ کر گھر لاتا۔ اب وہ اُن کو فوراً نہیں مارتا تھا۔ بلکہ جب گھر کا گوشت ختم ہو جاتا تب ہی مارتا تھا۔ اسطرح بہت دن گذر گئے۔ ایک دن جگنو کا باپ ایک جانور پکڑ لایا۔ اُسی کے ساتھ اس جانور کا ایک بچہ بھی تھا۔ جب وہ گھر آیا تو چمپی اس بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اس نے اُسے اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ وہ اور جگنو دن بھر اُس کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب وہ بچہ بھوکا ہوتا اور چلاتا تو جگنو اُسے اُس جانور کے پاس لے جاتی بچہ اپنی ماں کا دودھ پی لیتا۔ جگنو پھر اُسے چمپی کے پاس لے آتی۔ جب گھر کا کھانا ختم ہو گیا تو جگنو کے باپ نے اُسے مارنا چاہا لیکن جگنو نے اپنے باپ کو اسے مارنے نہیں دیا۔ اس نے کہا، "اگر آپ اسے مار ڈالیں گے تو چمپی کا بچہ کس کا دودھ پیئے گا۔ وہ بھوک سے مر جائیگا۔ تب چمپی کو بہت دُکھ ہوگا۔" جگنو کے باپ نے یہ بات مان لی۔ وہ دوسرا جانور جال میں پھنسا لایا اور اُسے کاٹ کر پکایا۔

چمپی اور جگنو اُس جانور کے بچے کو بہت پیار کرنے لگیں۔ چمپی تو دن بھر اُس کے پاس رہتی۔ جگنو بھی کام سے فرصت ملنے پر اُس بچے سے کھیلا کرتی۔ وہ اُسے گود میں اُٹھا لیتی اور اُسے اُس بچے کی ماں کے پاس لے جاتی۔ اپنے ہاتھ سے اُس جانور کا تھن اس بچے کے منہ میں لگا دیتی۔ یہ جانور بھی اب جگنو سے ہل گیا تھا۔ وہ خاموش کھڑا رہتا۔ دھیرے دھیرے جگنو نے اس جانور کے تھن سے دودھ نکالنا بھی جان لیا۔ اس دودھ کو وہ چمپی کو پلاتی۔ چمپی اس کا دودھ پی کر خوب موٹی ہو گئی۔ جب جگنو کے باپ نے یہ حال دیکھا تو اُس نے بھی ایک دن اس کا دودھ چکھا۔ اُسے یہ دودھ بہت پسند آیا۔ اب جب جگنو کا باپ جال میں پھنسا کر لاتا تو وہ ان میں جو جانور دودھ دینے والے ہوتے اُنھیں وہ نہ مارتا تھا۔ چونکہ جانوروں کا جال میں پکڑنا آسان تھا۔ اس لئے آہستہ آہستہ جگنو کے باپ کے پاس جانوروں کا ایک بڑا جھنڈ ہو گیا تھا۔ وہ ان جانوروں کو نزدیک کے میدان میں دن بھر ہری ہری گھاس چرایا کرتا تھا اور شام کو ان کو اپنی کھوہ کے پاس لے آتا۔ اب وہ شکار کرنے بہت کم جاتا تھا۔

جب اُس کو جنگل سے جانوروں کو پکڑنا ہوتا تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جانوروں کو جال میں پھنساتا۔ اس طرح نزدیک کے رہنے والوں کے پاس بھی جانوروں کے گروہ ہو گئے تھے۔ وہ سب میدان میں دن بھر ان جانوروں کو چراتے۔ شام کو اپنی اپنی کھوہ کے پاس لے آتے۔ جگنو اور دوسری کھوہ میں رہنے والی لڑکیاں ان جانوروں کے بچوں کو دودھ پلاتیں اور بچا ہوا دودھ وہ لیتیں۔ جس کو گھر کے سب لوگ پیتے جب گھر میں دودھ بہت ہونے لگا تو اس سے دہی۔ شراب اور پنیر وغیرہ بنانے لگے۔

تیسرا حصہ (زندگی میں تبدیلی)

اس طرح زندگی گذارتے ان لوگوں کو بہت دن گذر گئے۔ اب پالے ہوئے جانوروں کی تعداد بہت ہوگئی۔ جن جانوروں کو ان لوگوں نے پالا ان کو اب ہم گائے۔ بیل۔ گھوڑا۔ بکری اور بھیڑ کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان جانوروں کا یہ لوگ دودھ نکالتے اور جب کھانا نہ ہوتا تو مار کر پکا لیتے تھے۔ انھوں نے ایک جانور اور پالا۔ یہ جانور انسان سے بہت ہل گیا۔ رات کو جب سب لوگ سو جاتے تو وہ جانوروں کے جھنڈ کے پاس پڑا رہتا۔ اگر کوئی جنگلی جانور ان جانوروں کے نزدیک آتا تو وہ زور زور سے بھونکنے لگتا جس سے ان جانوروں کے مالک جاگ جاتے۔ اور اس جنگلی جانور کو مار کر بھگا دیتے۔ چھوٹے چھوٹے جانوروں کو دوڑ کر پکڑ لیتا تھا۔ اس جانور کی عادت تھی کہ جہاں بھی اس کا مالک جاتا وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتا۔ جو کچھ کھانے کو مل جاتا کھا لیتا۔ ان سب وجوہات سے یہ جانور ان لوگوں کو بہت پیارا ہو گیا۔ آجکل اس جانور کو کُتا کہتے ہیں۔

اس طرح جگنو کے باپ اور اس کے پڑوس کے رہنے والوں کے پاس جانوروں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ آہستہ آہستہ اس میدان کی گھاس ختم ہونے لگی۔ اب یہاں جانوروں کا پیٹ نہ بھرتا تھا۔ اس وجہ سے وہ دُبلے ہونے لگے اور دودھ بھی کم ہوتا تھا۔ ابھی تک جب وہ جانوروں کو چرانے لیجاتے تو وہ شام کو اپنی کھوہ میں لوٹ آتے تھے۔ لیکن اب یہ ناممکن ہو گیا۔ گھاس کی تلاش میں یہ لوگ اپنے جانوروں کو چراتے ہوئے آگے بڑھتے ہی جاتے تھے۔ وہاں سے لوٹنا مشکل تھا۔ مجبوراً جگنو کے باپ نے چیچی کی ماں۔ چیچی اور جگنو کو اپنے ساتھ لیا۔ اور جانوروں کے ساتھ آگے بڑھے۔ اسی طرح دوسری کھوہ والوں نے اپنی اپنی کھوہیں چھوڑ دیں۔ سب کے سب بہت دور چلے گئے۔ چلتے چلتے انھیں گھاس کا ایک بڑا میدان ملا۔ یہاں کوئی کھوہ نہ تھی جس میں وہ رہتے۔ اس لئے انھوں نے جانوروں کی کھالوں کو جوڑ کر اور کھوہ کی مانند لکڑی کاٹ کر ڈیرے بنائے۔ رات انھیں ڈیروں میں بتائی۔ ڈیروں میں رہنے سے ایک فائدہ ہو گیا۔ اب جہاں بھی یہ لوگ جانوروں کو چراتے چراتے پہنچتے وہیں ہی ڈیرہ ڈال کر رات گذارتے اور پھر آگے بڑھ جاتے۔ یہ لوگ ادھر اُدھر گھوما کرتے تھے۔ کہیں ایک جگہ نہ رہتے تھے۔ اسطرح کھوہ کے رہنے والے خانہ بدوش ہو گئے۔

باغیچہ کیسے بنایا جائے

(از قلم جناب برجموہن پانڈے - بی-ایس-سی-اے-جی)

ہم اس مضمون میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کسی زمین میں تخم ریزی کرنے یا پھول لگانے سے قبل کن کن باتوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر کسی زمین کو باغیچہ کی صورت میں کس طرح پر تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

تیاری :- جو زمین کہ باغیچہ کے لئے منتخب کی گئی ہو اُس میں سب سے قبل یہ دیکھنا ضروری ولابدی ہے کہ کوئی خاردار جھاڑی یا درخت تو نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو انھیں جڑ سے نیست و نابود کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ بہت سے پودے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کا اوپری یا بالائی حصہ کاٹ بھی دیا جائے تو کچھ روز بعد پھر سے وہ سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں اور باحیات رہتے ہیں اور کافی شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان خاردار پودوں کے علاوہ کوئی اور پودے ہوں تو اُن کو بھی جڑ سے اُکھیڑ دینا چاہیئے۔ اگر زمین میں کنکر، پتھر یا اینٹوں کے ٹکڑے ہوں تو اُن کو اکٹھا کر کے پھینک دینا چاہیئے۔

اگر زمین بہت عرصہ سے جوتی بوئی نہ گئی ہو تو اُس میں گہرا ہل چلانا چاہیئے۔ ایسی زمین میں ہمارا دیسی ہل اچھا کام نہیں دیگا۔ اس ترقی کے جدید دور میں اگریکلچر ڈپارٹمنٹ نے ہلوں کی بہت سی عمدہ عمدہ قسمیں بنائی ہیں جو کہ دیسی ہلوں سے کہیں اچھا اور گہرا جوت سکتے ہیں۔ ان کے کچھ نام ذیل میں ہیں۔ واہ واہ ہل - یو-پی میں نمبرا - شاباش ہل - یہ ہل یو-پی محکمہ زراعت سے جاری کئے گئے ہیں۔ ان ہلوں کے ذریعہ زمین کم از کم ۶ انچ گہری کھودی جا سکتی ہے۔ لیکن دیسی ہل صرف ۱½ انچ یا ۲ انچ تک کھود سکتا ہے۔ زمین جتنی زیادہ گہری کھودی جائے گی اُتنا ہی اچھا ثمرہ اُس سے ملیگا۔

گہری جوتائی کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:-

(۱) زمین کے اندر جتنے نقصان دہ کیڑے ہوتے ہیں وہ گہری جوتائی سے باہر نکل آتے ہیں۔ اور سورج کی روشنی میں مر جاتے ہیں۔

(۲) بہت سی گھاسوں کی جڑیں جو گہری جاتی ہیں وہ بھی اوپر نکل آتی ہیں۔ جیسے موتھا گھاس یا کانس کی جڑیں۔

(۳) جتنا گہرا جوتا جائیگا اتنے ہی دور تک ہوا زمین میں جا سکتی ہے۔

(۴) گہرا جوتنے سے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ نیچے مٹی اچھی ہے یا بُری۔ ریتلی ہے یا چکنی۔

ہل چلانے سے بڑے بڑے ڈھیلے نکل آئیں گے۔ ان ڈھیلوں کو کچھ دن دھوپ میں پڑا رہنا چاہیئے تاکہ کیڑوں کے انڈے وغیرہ سب مر جائیں۔ جب ڈھیلے سوکھ جائیں انھیں پھوڑ ڈالنا چاہیئے۔ جتنے زیادہ باریک ہو سکیں اتنا ہی اچھا۔ ڈھیلوں کو باریک کر لینے کے بعد سطح کو برابر کر لینا چاہیئے۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ [illegible] زمین میں نشیب وفراز یا نیچا اونچا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اونچی جگہ پانی نہ چڑھے گا۔ اور اگر نیچی جگہ ہوئی تو اُس میں پانی بہت بھر جائے گا۔ اس لئے زمین کو برابر کر لینا بہت ضروری ولابدی ہے۔ ایسی حالت میں اونچی جگہ کی مٹی نیچی جگہ کر دینی چاہیئے۔ زمین کو برابر کرنے کے دو طریقے ہیں۔

(۱) اسکریپروں (Scrapers) کے ذریعہ جو بیلوں کی مدد سے چلائے جاتے ہیں۔

(۲) پھاوڑوں سے کھودنا اور ٹوکریوں سے مٹی بھرنا۔ اسکریپروں سے کام جلدی اور اچھا ہوتا ہے۔ لیکن یہ گراں ہوتے ہیں۔ اور سب جگہ نہیں مل سکتے۔ اس لئے پھاوڑوں ہی سے کام لینا چاہیئے۔ پھاوڑوں سے مٹی کھود کر ٹوکریوں کی مدد سے نیچی جگہ میں بھر دینا چاہیئے تاکہ زمین برابر ہو جائے۔

پھر زمین کی سطح دیکھنا چاہیئے اور بعدہٗ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ ریتلی ہے یا دومٹ کھاری میںڈ ہے یا کابر کالی پیڑوں کی نشو ونما نیز اچھی پیداوار زمین کی اچھائی پر منحصر ہے۔ پھولوں کے لئے کالی چکنی مٹی عُمدہ نہیں تصور کی جاتی کیونکہ اس سے مندرجہ ذیل نقصانات ہیں۔

۱۔ کالی مٹی میں بہت دیر تک پانی رکھنے کی طاقت رہتی ہے جس کی وجہ سے باغیچہ میں کیچڑ ہو جاتا ہے۔ اطفال کی آمد ورفت سے مٹی دب جاتی ہے۔

۲۔ پانی جذب ہونے پر مٹی میں درازیں ہو جاتی ہیں اور جگہ جگہ مٹی پھٹ جاتی ہے ان درازوں سے دو نقصانات ہیں۔ پہلا یہ کہ باقی بھاپ بن کر کے جلدی سے اُڑ جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ پودوں کی جڑیں ان درازوں میں دھنس جاتی ہیں اور اچھی طرح اندر پھیل نہیں پاتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پودے مرجھا کے ختم ہو جاتے ہیں۔

اس لئے اگر زمین میں کالی مٹی ہو تو اس میں کچھ ریتلی مٹی کچھ گوبر کی کھاد اور کچھ سوکھی پتیاں وغیرہ ڈال دینی چاہیئے اُن چیزوں کو کالی مٹی میں اچھی طرح سے ملا دینا چاہیئے۔

اگر زمین ریتلی ہے تو اس میں بھی پھولوں کی نشوونما تیز اور پیداوار اچھی نہیں ہوگی کیونکہ :۔

۱۔ ریتلی مٹی میں پانی جلدی سے جذب ہو جائیگا کیونکہ اس کے ذرات بڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے بیچ میں جگہ بھی ہوتی ہے جس کو انگریزی میں پور سپیس (Pore Space) کہتے ہیں زیادہ پانی کے جذب ہو جانے سے پودوں کی نشوونما کے ضروری اجزا بھی اس کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں اور مٹی میں کچھ بھی خوراک باقی نہیں رہ جاتی۔

۲۔ ریتلی مٹی میں پودوں کی جڑیں بہت مضبوط نہیں ہو پاتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوا کے معمولی سے جھونکوں میں پودے بالکل اُکھڑ جاتے ہیں۔

اس لئے اگر زمین ریتلی ہو تو اس کی سطح نیز مٹی سدھارنے کے لئے تھوڑی سی کالی مٹی اور گوبر کی کھاد اس میں ڈالنا ضروری اور لابدی ہے پھولوں کے لئے نہ تو کالی چکنی مٹی اچھی ہوتی ہے اور نہ ریتلی لیکن دونوں کا مرکب اچھا ہوتا ہے اس مٹی کو سینڈی لوم (Sandy loam) کہتے ہیں کچھ پھولوں کے پیڑ سُرخ مٹی میں اچھے بڑھتے ہیں اس لئے باغیچہ کی مٹی میں کچھ سُرخ مٹی بھی ملوا دینی چاہیئے۔

زمین کو خوب گہرا کھود کر اس کے ڈھیلے توڑ کر اس میں سڑے گوبر کی کھاد اچھی طرح ملا دینی چاہیئے مٹی خوب بھربھری (Pulverised) ہو جانی چاہیئے۔

باغیچہ کی بناوٹ ۔ مندرجہ بالا طریق سے جب زمین تیار ہو جائے تب باغیچہ تیار کرنا چاہیئے باغیچہ کی بناوٹ بہت ہوشیاری سے کرنی چاہیئے کیونکہ بناوٹ پر ہی باغیچہ کی خوبصورتی نیز خوشنمائی منحصر ہے باغیچہ بنانے کے پہلے اس کا ایک خاکہ کاغذ پر بنا لینا چاہیئے تب اسی کے مطابق زمین پر کارروائی شروع کرنی چاہیئے۔ راستے، کیاریاں، بیلیں دروازے وغیرہ کے لئے جگہ کا انتخاب قبل ہی سے کر لینا چاہیئے علاوہ بریں اگر لان (lawn) یا مرغزار کے لئے جگہ ہو تو اس کا بھی انتخاب کر لینا چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو سکے لان یا سبزہ زار کے لئے جگہ نکالنی چاہیئے اور سبزہ زار بنا لینا چاہیئے۔ سبزہ زار کی خوبصورتی تمام باغ کی خوبصورتی کا موجب ہے لان یا سبزہ زار میں بچے کھیل بھی سکتے ہیں لان ٹینس کھیلنے کے لئے بھی کام آتا ہے لان کے بنانے میں محنت بہت پڑتی ہے

مگر جہاں پانی اور کھاد کی افراط ہوتی ہے اور یہ سب چیزیں آسانی سے مل جاتی ہیں وہاں لان آسانی کے ساتھ تیار بھی ہو سکتا ہے۔

باغیچے میں راستوں کا خیال کر لینا ضروری ہے ان کی جگہ مقرر کر لینی چاہئے۔ اور یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ راستے بہت نہ ہوں راستہ ایک بڑا ہونا چاہئے اور بقیہ چھوٹے چھوٹے راستے کیاریوں میں جانے کے لئے بنائے جاتے ہیں راستے نہ بہت چوڑے ہوں نہ بہت تنگ۔ کیاریوں میں جانے والے راستے صرف اتنے ہی چوڑے ہوں کہ جن میں بیٹھ کر کیاریوں کی نرائی یا گڑائی بخوبی کی جا سکے چوڑے راستوں پر اگر سرخی ڈالی جائے تو ان کی خوبصورتی دوچند ہو جائے گی راستے صاف رکھنے بہت ضروری ہیں۔

باغیچہ میں جانے کے جو راستے ہوتے ہیں ان پر پھاٹک ہونے چاہئے جن سے باغ کی خوبصورتی بڑھتی ہے۔ پھاٹک کئی طرح کے ہوتے ہیں

۱۔ یہ لکڑی یا لوہے کے بنائے جا سکتے ہیں جن پر بیلیں چڑھائی جا سکتی ہیں۔

لتائیں یا بیلیں رنگ برنگ کے پھولوں کی ہوتی ہیں۔ جن کے نام ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ جوہی، چمیلی، نارنگی بیل، (Bignonia) بیل۔ پشپا (Gomadia) بیل والے گلاب، رات کی رانی، بوگین بیلا، مارشل نیل، ریلوے کریپر، رنگون کریپر (Creeper) وغیرہ کو لگانا آسان ہے۔ برسات میں انھیں لگانا چاہئے۔ یہ اچھی جگہ پر بہت جلدی بڑھتی ہیں۔ انھیں شروع میں کچھ سہارا ضرور دینا چاہئے بعد ہ ان کو پھاٹک کے مطابق اس پر چڑھانا چاہئے۔ کافی بڑھنے پر بہار دیگا۔

۲۔ پھاٹک ہیج (Hedge) کے بھی بنائے جاتے ہیں۔ باغیچہ کے چاروں طرف اگر ہیج دو تو اسکو راستے پر پھاٹک کی صورت میں کاٹا جا سکتا ہے۔ جیسا اکثر باغیچوں میں کرتے ہیں۔ ہیج کے لئے حسب ذیل پودے کام میں آ سکتے ہیں۔

گل مہندی، مہندی، ڈیورنٹا، ہینگلاور۔ ڈوڈونیاں، پٹھوریا وغیرہ۔

باقی آئندہ

پرنٹر و پبلشر رائصاحب رام دیال اگروالا۔ کٹرہ الہ آباد

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب، مولوی، فاضل – ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربی، فارسی، اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس – قیمت ۶ آنہ –

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولس کے لیے مرتب کیا ہے – انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے – اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلیٰ درجے کا انتخاب ہے –

سونے کا نوالہ — مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی، ایم، اے – ال، ٹی – ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور –

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے – زبان نہایت صاف اور شستہ ہے – قیمت ۲ آنہ –

(۱) الہ دین یا عجیب چراغ — مولفہ رگھبیر پرشاد – لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۶۰ – قیمت ۴ آنہ –

الہ دین اور اُس کے عجیب و غریب چراغ مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے – قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں –

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفہ منسکھ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی۔ لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۴۴ – قیمت ۴ آنہ –

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے – قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں –

گنجینۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسن صاحب ماسی ٹیچر پارکر ہائی اسکول مرادآباد –

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق ہے – یہ اسم بامسمی ہے – اس میں مختلف قسم کے ۶۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین محققین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں – مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اُس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستہ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے – اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۴۷۰ ہیں – باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے –

"فرہنگ امثال" — مولفہ سید مسعود حسن صاحب رضوی – ایم، اے – لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی – لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم جیبی سائز، صفحات ۲۳۷ – قیمت ۱۰ آنہ –

یہ اُردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔ عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اُردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں – ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے اُن کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے – ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے – طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے –

خطوط نویسی — مرتبہ مولوی محمد رفیع بجنوری، فاضل دیوبند – قیمت ۲ آنہ –

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں – عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے – بچوں کے لیے بہت مفید ہے –

رائے صاحب رام دیال اگروالا، پرنٹر و پبلشر الہ آباد

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad

Registered No. 467-A

فروری سنہ ۱۹۴۳ع

ایڈیٹر
ڈاکٹر عبادالرحمٰن خاں
پی ایچ۔ڈی۔(لنڈن)

سررشتۂ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ فروری سنہ ۱۹۲۳ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ راے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر' الہ آباد' سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں کے پرچوں کی قیمت بھی تین ۳ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم' مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں' ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم' اشارات ' سائنس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں' قدرتی و طبعی مناظر' تعلیم نسواں' نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے عوض مضمون‌نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت براے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ راے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جاے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ؟؟؟ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے' یہ یاد رکھیے -

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک راے صاحب رام دیال اگروالا ' الہ آباد' سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

شرح اُجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۳۱ روپیہ ۴ آنہ	۵۶ روپیہ ۴ آنہ	۱۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۸ روپیہ ۱۲ آنہ	۳۳ روپیہ ۱۲ آنہ	۶۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۵ روپیہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۲ روپیہ ۸ آنہ	۴۰ روپیہ

یہ اجرت دونی ہوجائے گی' جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے گا - ہر حالت میں اجرت پیشگی لی جائے گی -

پبلشر - راے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد

ایجوکیشنل گزٹ

جلد ۳۴ | فروری ۱۹۴۳ء | نمبر ۱۱

باغیچہ کیسے بنایا جائے؟

(از قلم جناب برجموہن پانڈے۔ بی۔ایس۔سی۔ ایل۔ٹی)

گذشتہ سے پیوستہ

۳۔ راستے کے دونوں طرف کچھ پیڑ لگائے جا سکتے ہیں جن سے بھی پھاٹک کی صورت آجاتی ہے۔ جیسے۔ مورپنکھی کے پیڑ کینا بھی لگایا جا سکتا ہے۔ پھر کیاریاں بنانی چاہیئے۔ کیاریاں صرف ایک ہی قسم کی نہ ہونی چاہئیں۔ بلکن کئی طرح کی صورتوں میں کٹی ہونی چاہئیں۔ کیاریاں حسب ذیل طرح کی ہونی چاہئیں۔ مثلث نما۔ مربع نما۔ مستطیل نما۔ مخمس۔ بیضاوی۔ مدور۔ قوس نما۔ ذوذنقہ۔ ستارہ نما۔ وغیرہ کچھ کی شکلیں حسب ذیل ہیں۔

نہیں کھلتے۔ لو کی وجہ سے پتیاں سوکھ جاتی ہیں اور پھول نہیں نکلتے۔ ان پھولوں کے گملوں کو سائے میں رکھنا چاہیئے۔ ان کا بیج فروری میں بویا جاتا ہے۔

بارہ ماسی پھول:۔ برن دیز، کنیر، گلاب، ہر سنگار، موگرا، چمپا، حسینا (رات کی رانی)، گل داؤدی۔ مہندی، جاسپدے، ڈسٹموں کرڈنس، مالتی وغیرہ۔

جب پھولوں کا موسم ختم ہو جائے تو اُن کے بیج مہیا کر لینا چاہیئے اور دھوپ میں سکھا کر آئندہ سال کے لئے رکھ دینا چاہیئے۔ پھولوں کے پودوں کو نکالنا چاہیئے۔ اور ایک گڈھے میں ڈالدینا چاہیئے جہاں اُن کی کھاد تیار ہو سکے۔ پھر زمین کو کھود ڈالنا چاہیئے اور اگلی فصل کے لئے تیار کر لینی چاہیئے۔

نثر کا پڑھنا

(از جناب محمد یوسف صدیقی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی)

کس طرح پڑھنا چاہیئے اور پڑھنے کی رفتار کیسے تیز ہو سکتی ہے؟ اسکے لئے بہت سے تجربے کئے گئے ہیں۔ شکاگو یونیورسٹی (Chicago uty) نے اس سلسلے میں خاص طور پر عملی سرگرمیاں دکھائی ہیں۔ پڑھتے وقت آنکھوں کی حرکت کا فوٹو بھی لیا گیا ہے۔ یہ فوٹو بڑی ہوشیاری اور صفائی سے لئے گئے ہیں۔ تیز پڑھنے والے اور سست پڑھنے والے بچوں کے علیحدہ علیحدہ فوٹو لئے گئے۔ ان میں فرق دیکھا گیا۔ ان تجربوں سے معلوم ہوا کہ، پڑھتے وقت ہماری آنکھیں چند الفاظ پر چلتی ہیں پھر ٹھہرتی ہیں۔ ہم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر آگے بڑھتے ہیں۔ پھر ٹھہرتے ہیں۔ پھر شروع سے پڑھنے لگتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنکھوں کی تربیت بہت ضروری ہے اگر شروع میں آنکھوں کی تربیت اچھی ہوئی ہے تو پڑھنے کی رفتار بھی اچھی ہوگی اور بار بار ٹھہرنے کی تعداد کم ہوگی۔ بار بار ٹھہرنے کی وجہ سے وقت زیادہ صرف ہوتا ہے یا یوں کہا جائے کہ بچے کے پڑھنے کی رفتار سست رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ شروع میں بچوں کو ایسی عبارتیں پڑھنے کیلئے دی جائیں جو ان کے سمجھنے کے درجے سے بھی آسان ہوں۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ دلچسپی بھی پیدا ہوگی اور اس عمر میں ادبی دلچسپی پیدا ہونا بہت بڑی چیز ہے۔ بچے جتنا سمجھیں گے اتنا ہی انھیں مزا آئے گا۔ اور جب مزا آئیگا تو پڑھنے میں دلچسپی بھی پیدا ہوگی جیسے جیسے بچوں کی سمجھ بڑھتی جائے کتابیں اور اُنکے

اسکول میں لڑکوں کے لئے ایک خاص جگہ باغبانی کیلئے متعین کرنی چاہئے۔ اس زمین کو بچے خود ہی کھود کر تیار کریں گے۔ کھاد ملائیں گے۔ کیاریاں بنائیں گے اور پھول لگائینگے۔ بچوں کی بھی کیاریاں جیومیٹریکل صورت (Geometrical شکل) میں قطع ہونی چاہئیں۔ تاکہ اُن کو ریاضی یا حساب بذریعہ باغبانی سکھایا جاسکے۔ اس طریقے سے تعلیم دینے کو ربط یا کورولیشن کہتے ہیں۔ بچوں کو کیاریوں کی خاص پیمائش یعنی لمبائی چوڑائی کے ذریعہ۔ پہاڑہ، یا رقبہ نکلوانا سکھلایا جاتا ہے۔ اور ہر ایک کیاری میں ایک بانس کی کھپاچی لگی ہو جس میں ایک دفتی کا ٹکڑا لگا ہو۔ اس میں بچے کا نام، پھول کا نام اور تاریخ بھی ہونی ضروری ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی دیکھ سکیں اور سمجھ سکیں کہ کیا چیز کس نے لگائی ہے۔ اس کام میں بچے خود ہی بڑی دلچسپی لینگے۔

باغیچہ بناتے وقت خوبصورتی اور فائدے مندی دونوں باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

پھولوں کا باغیچہ:۔ باغیچہ میں دو طرح کے پھول لگائے جاسکتے ہیں۔

۱۔ موسمی اور بارہ ماسی پہلے ہم موسمی پھولوں کا انتخاب کریں گے۔

موسمی پھولوں کے پودے تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) برسات میں ہونے والے۔

(۲) جاڑوں میں ہونے والے۔

(۳) گرمیوں میں ہونے والے۔

(۱) برسات میں ہونیوالے پھولوں کے پودے:۔

ان پھولوں کے لئے زمین گرمیوں میں تیار کر لینی چاہئے زمین بنانے کا طریقہ اوپر بتلایا جاچکا ہے۔ ان پھولوں کے بیج مئی یا جون کے پہلے ہفتے میں بونا چاہئے۔ چار یا پانچ ہفتہ بعد جب پودے بڑے ہو جاتے ہیں اُن کو مقررہ جگہ پر لگانا چاہئے۔ ان پھولوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

سدابہار، گل داؤدی، سورج مکھی۔ گیندا۔ گل مہندی، بالسم۔ بدیشی پھول جیسے ایسٹرینک، پھٹناکس، پیٹونیا، کاسمیس، سالوبیا، زنیاں، ڈلیا وغیرہ۔

(۲) جاڑوں میں ہونیوالے پھولوں کے پودے:۔

ان پھولوں کے بیج اگست ستمبر یا اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں بونا چاہئے۔ نومبر میں ان کی تبدیلی کرنا چاہئے۔ یہ پھول دسمبر سے مارچ تک بہار دیتے ہیں۔ ان کے کچھ نام حسب ذیل ہیں۔

سورج مکھی۔ گل داؤدی

بدیشی پھول:۔ پاپی، پھٹناکس، پنسی، نسٹرٹیم، پھول مٹر، مگنونیٹ، پیٹونیا، سالویا، پنک، کینڈی ٹفٹ، انٹرہینم، ہالی ہاک، وغیرہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ پھول جاڑوں ہی میں ہوتے ہیں۔

(۳) گرمیوں میں ہونیوالے پھولوں کے پودے:۔

گرمیوں میں زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے پھول اچھے

انتخاب میں بھی تبدیلی ہوتی جائیگی - استاد کو ہمیشہ یہ نظر رکھنا چاہیئے کہ بچے کی سمجھ کی ایک حد ہے اس سے کبھی بڑھا نہ جائے بلکہ اس تک پہونچنے کی کوشش کی جائے۔ یہی اس کا مقصد ہونا چاہیئے۔ اس لئے ابتدا میں بچوں کے سامنے پڑھنے کا مواد بہت آسان رکھا جائے۔ کتابیں بہت اچھی چھپی ہوئی ہوں۔ ٹائپ موٹا اور صاف ہو۔ چھپی ہوئی لکیروں کے درمیان فاصلہ اچھا دیا گیا ہو۔ یعنی شروع میں مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں کی آنکھوں کی تربیت ہو تاکہ پڑھنے کی رفتار بھی اچھی رہے۔

یہ تو پڑھنے کے بارے میں ابتدائی پیراگراف ہوا مگر اپنی اہمیت کے لحاظ سے مضمون میں خاص درجہ رکھتا ہے۔ اب میں خاص طور پر نثر کے پڑھنے کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

پڑھنا دو قسم کا ہے۔ (۱) بلند آواز سے پڑھنا (۲) خاموش پڑھنا۔

پہلے خاموش مطالعے کو تعلیم میں کوئی اہمیت نہ دی جاتی تھی اور بچے درجے میں فرداً فرداً یا ایک ساتھ ملکر بلند خوانی کرتے تھے۔ گویا پڑھنا ایک قسم کا گیت تھا جسکو سب بچے ملکر ایک ساتھ گاتے تھے۔ اس شور میں عبارت بالکل نہ سمجھی جاتی تھی۔ بیلرڈ (Ballard) اس قسم کے پڑھنے کو "پھیپھڑوں کی ایک اچھی کسرت" سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ضرور تھا کہ تھوڑے سے وقت میں سب بچوں کی زور سے پڑھائی ہو جاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ شرمیلے بچے بھی جو الگ پڑھنے میں شرماتے تھے اس میں شریک ہو جاتے تھے اور اس طرح انکی پڑھائی کا کام بھی ہو جاتا تھا۔ کند ذہن بچوں کی بھی بچت نہ ہوتی تھی۔ لیکن خرابی یہ تھی کہ بچے ایک دوسرے کی اندھوں کی طرح نقل کرتے تھے۔ اس شور میں یہ نہ پتہ چلتا تھا کہ کون ٹھیک پڑھ رہا ہے اور کون غلط پڑھ رہا ہے۔ اس سے بچوں کے پڑھنے کا لہجہ بگڑ جاتا تھا اور وہ پڑھنے کے صحیح طریقے سے ناواقف رہتے تھے۔ کیونکہ فرداً فرداً بچوں پر دھیان نہ دیا جاتا تھا۔

اب طریقۂ تعلیم میں خاموش مطالعہ کی اہمیت کو محسوس کیا جا رہا ہے اور زور دیا جا رہا ہے کہ پڑھائی خاموش ہو۔ اور ہر بچے پر دھیان دیا جائے۔ اس لئے کہ آئندہ زندگی میں ہم کو زیادہ تر خاموش مطالعے سے سابقہ پڑتا ہے۔ اخبار۔ رسالے۔ خطوط۔ ادبی کتابیں سب ہم خاموشی سے پڑھتے ہیں۔ اس پڑھائی میں بلند خوانی کی بہ نسبت عبارت زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ بچہ صرف مطلب سمجھنے ہی کے لئے پڑھتا ہے اسکا دھیان دو طرف نہیں رہتا۔ دو طرف سے میرا مطلب الفاظ کا تلفظ اور معنی کا سمجھنا ہے۔ وہ اس طرح کہیں زیادہ اور جلدی پڑھ سکتا ہے کیونکہ زبان کی بہ نسبت آنکھ زیادہ تیز چلتی ہے۔

بلند خوانی میں زبان اور نظر دونوں چلتی ہیں اس لئے رفتار سست رہتی ہے۔ خاموش مطالعے میں صرف نظر جملوں پر دوڑتی ہے اس لئے پڑھنے کی رفتار تیز رہتی ہے۔ ایک بات اور ہے وہ یہ کہ اس مطالعے میں زور بھی کم پڑتا ہے۔ بولنے میں زیادہ طاقت صرف ہوتی ہے۔ بیسک کے نصاب میں خاموش مطالعہ درجہ ۳ سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے کوئی خاص قید نہیں ہے۔ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ بچہ خود عبارت کا مطلب سمجھ لیتا ہے۔ اگر ایسا کرلیتا ہے تو خاموش مطالعہ شروع کرا دینا چاہیئے۔ درجہ ۱ میں فلیش سسٹم سے جانچ کی جا سکتی ہے۔ ایک کارڈ پر کچھ لکھکر بچوں کو دکھایا جائے اور ہٹا لیا جائے۔ دیکھا جائے کہ بچے ویسا کرتے ہیں۔ مثلاً کارڈ پر لکھا جائے "سب بچے اپنا کام بند کر کے کھڑے ہو جائیں"۔ اگر بچے ایسا کریں تو انھوں نے عبارت کو سمجھ لیا ہے۔ درجہ ۲ سے ہم خاموش مطالعہ کا آغاز کر سکتے ہیں۔ سوالات کے ذریعے سے جانچ کر لی جائے۔ پہلے چند سوالات بچوں سے کئے جائیں یا تختہ سیاہ پر لکھدئے جائیں۔ پھر بچوں سے کہا جائے کہ وہ عبارت کو خاموش پڑھکر ان سوالات کا جواب دیں۔ یا پہلے عبارت کو پڑھ لیں۔ پھر ان سے سوالات کئے جائیں۔ یا بچوں کے سامنے کوئی مسئلہ رکھا جائے اسکا حل کسی عبارت میں ہو۔ بچے اس عبارت کو خاموشی سے پڑھکر مسئلے کا حل بتائیں۔ اس طرح ہم خاموش مطالعے کی جانچ کر سکتے ہیں۔ خاموش پڑھائی میں ایک دقت یہ ہے کہ پڑھتے وقت بچوں کے ہونٹ ہلتے ہیں۔ یہ نہ ہونا چاہیئے۔ مگر چونکہ وہ ابتدا بلند خوانی سے کرتے ہیں اس سے ہونٹ ہلانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس کا علاج مشکل ہے یا تو ہم حکم دیکر ان کو ایسا کرنے سے روک سکتے ہیں یا ان سے پڑھنے کی رفتار تیز کرنے کو کہیں۔ اس سے ہونٹ کم ہلیں گے۔ غرض کہ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ خاموش مطالعے میں بچوں کے ہونٹ نہ ہلیں رفتہ رفتہ بچوں کی عادت پڑ جائیگی اور پھر انکے ہونٹ نہ ہلیں گے۔

خاموش مطالعے کی خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ہم کو بلند خوانی کی اہمیت کو بالکل نہ بھول جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ صرف بلند خوانی ہی سے ہم بچوں کا تلفظ ٹھیک کرا سکتے ہیں۔ اس سے ان کو صاف اور صحیح بولنا آتا ہے۔ ہم کو بلند خوانی اور خاموش مطالعہ کو نثر کے سبق میں مناسب جگہ دینا چاہیئے اسکا اشارہ مضمون کے آخر میں دیا جائیگا۔ ابھی بلند خوانی کے بارے میں چند جملے اور لکھدینا ضروری ہیں۔ بلند خوانی کا طریقہ یہ نہ ہو یعنی سب ملکر ایک ساتھ نہ پڑھیں۔ یا عبارت کو گیت کی طرح گا گا کر نہ پڑھیں بلکہ فرداً فرداً بچوں سے بلند خوانی کرائی جائے۔ استاد یہ کر سکتا ہے کہ جب ایک بچہ بلند خوانی کر رہا ہو دوسرے بچوں کو خاموش مطالعے میں مشغول رکھے۔ زیادہ اچھا ہو کہ وہ بچہ استاد کی منہ کے

اگر بلند خوانی کرے مگر اتنی زور سے نہیں کہ دوسرے
بچوں کے پڑھنے میں خلل پڑے - جیوں جیوں بچے
بڑھتے جائیں بلند خوانی کی جگہ خاموش پڑھائی لی
جائے۔ ہفتے میں ایک روز ایسا رکھا جائے کہ سب
سے اچھا پڑھنے والا لڑکا (جس کا تلفظ اور پڑھنے کا
لہجہ صحیح ہو۔ اور روانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہو) نمونے
کے طور پر پڑھے اور سب سنیں پڑھنے کے لئے جو
پیراگراف منتخب کیا جائے وہ دلچسپ اور نیا ہو۔ اُستاد
خود ایک عمدہ پیراگراف تیار کر کے پڑھنے کے لئے دے۔
کبھی کبھی استاد کو خود بھی نمونہ دینا چاہئے۔ اسکول
کے علاوہ گھر کی پڑھائی میں بھی استاد کا بہت کچھ ہاتھ
ہے۔ اسکی رہنمائی کی بہت ضرورت ہے۔ ورنہ اِدھر
اُدھر کی کتابیں پڑھنے سے بچوں کے مذاق پر برا
اثر پڑیگا۔ اگر ابتدا میں اس کا خیال رکھا گیا اور اُستاد
نے بچوں کے لئے موزوں کتابوں کا انتخاب کیا تو
اُنکا مذاق صحیح اور اعلیٰ ہوگا۔ طلباء میں صحیح مذاق کا
قائم ہو جانا بہت بڑی بات ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اُستاد
کو پڑھائی کی جانچ بھی کرتے رہنا چاہئے۔ یہ جانچ
ہفتہ وار ہو جانا چاہئے۔

ذیل میں نثر کے سبق کا ایک اشارہ دیا جا رہا ہے
یہ ان درجوں کے لئے ہے جن میں بلند خوانی اور خاموش
مطالعہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

نثر کے سبق کا ایک اشارہ

مضمون - زبان (ہندوستانی)

موضوع - نثر کا پڑھنا۔

مقصد - بچوں کو اس لائق بنانا کہ وہ خاموشی
سے پڑھکر عبارت کو سمجھ سکیں۔ ان کے الفاظ کا ذخیرہ
۔وہ روانی اور صحیح تلفظ کے ساتھ عبارت
کو پڑھ سکیں۔

ربط - (عبارت کا ربط جس بنیادی حرفے سے
ہوگا اسکا نام یہاں لکھنا ہوگا)

امدادی ذرائع - (سبق پر منحصر ہیں۔ اُستاد کو یہاں
پر لکھنا ہوگا کہ وہ امدادی ذرائع کیا ہیں)

تمہید - (یہ کچھ سوالوں کی شکل میں ہوگی یا ایسی بات
چیت جو ربط اور متن سبق کو جوڑتی ہو۔ یہ
خیال رکھا جائے کہ تمہید زیادہ طول نہ
اختیار کرے)

متن سبق - تلفظ درست کرانا۔ اُستاد الفاظ مشکلہ اور محاورات
کو ایک ایک کر کے تختۂ سیاہ پر لکھے
گا اور بچوں سے اُنکا تلفظ کرائیگا۔
یہاں پر ان الفاظ مشکلہ کو لکھ
دینا چاہئے۔

خاموش مطالعہ بچوں سے کہا جائے کہ عبارت کو خاموش
پڑھیں خوب سمجھ سمجھ کر۔ ہونٹ
بالکل نہ ہلیں۔

خاموش مطالعے کے بعد سوالات - سوالات تختۂ سیاہ
پر لکھد ئے جائیں۔ بچے ان کے جوابات اپنی کاپیوں

پر لکھیں۔اس سے خاموش پڑھائی کی جانچ ہوجائیگی۔
معانی و مطلب سمجھانا۔ الفاظ مشکلہ اور محاورات کا
مطلب مندرجہ ذیل طریقوں سے
سمجھایا جائے۔
(۱) لفظ کو جملے میں استعمال کر کے (Context method)
(۲) تعریف کر کے۔ مثلاً کوئی جغرافیائی اصطلاح عبارت
میں آگئی ہو تو اسکی تعریف کر کے مطلب واضح
کیا جائے۔
(۳) اس لفظ کے مقابلے کا دوسرا لفظ دیکر۔
مثلاً مسرت کے لئے خوشی
(۴) مرکبات کو توڑ کر۔ مثلاً گرد آلود یا حیرت
انگیز وغیرہ۔
(۵) کسی لفظ کی اصل کو بتا کر۔ جیسے معطر کو سمجھانے
کے لئے عطر اسکی جڑ کو سمجھانا چاہیئے پھر بچے معطر
کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔
(۶) اس بات پر سوالات کر کے۔ بچے جواب دینگے
پھر اُستاد سوال کریگا اس طرح مطلب واضح
ہوجائے گا۔
(۷) اس چیز کی تصویر یا ماڈل یا ہوبہو اسی کو دکھاکر۔
اسکو انگریزی میں Direct method کہتے
ہیں۔اس سے مطلب بہت آسانی سے اور جلد
بچوں کے ذہن نشین ہوجاتا ہے۔
بلند خوانی۔اُستاد پہلے خود نمونے کے طور پر پڑھیگا
اور پھر بچوں سے باری باری پڑھوائیگا
تلفظ وغیرہ کی غلطیوں کو بچوں ہی کی مدد
سے درست کرائیگا۔
بلند خوانی کے بعد سوالات ان سوالات سے پیراگراف پر
تفصیلی بحث ہوجائیگی اور اسکا بھی اندازہ ہوجائیگا
کہ بچوں نے عبارت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔جتنے
سوالات مناسب ہوں کئے جاسکتے ہیں جوابات
زبانی دئے جائیں گے۔
مشق۔الفاظ اور محاورات کو بچے اپنے جملوں
میں استعمال کریں تاکہ انکا صحیح استعمال اچھی طرح ذہن
نشین ہوجائے۔یا بچوں سے خالی جگہوں کو بھروایا
جائے۔یا اس پیراگراف کے بارے میں کچھ
لکھنے کو کہا جائے۔

جغرافیہ اور قدرتی ماحول

(از جناب پرمیشوری پرشاد سریواستو ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی)

پچھلے مضمون میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ قدرتی ماحول کو انسان کہیں پر اپنی ضرورت کے موافق بدل سکا ہے اور کہیں پر قدرتی ماحول نے اسکو ایک خاص قسم کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا ہے قبل اسکے کہ اسکے آگے کچھ کہا جائے اس کی مثالیں دی جاتی ہیں تاکہ یہ بات بالکل صاف ہو جائے۔

۱۔ دنیا کے شمالی حصہ ہمیشہ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ایشیا اور امریکہ کے شمال میں یہ خطے پائے جاتے ہیں انکو ٹنڈرا کہتے ہیں۔ یہاں زمین ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہے اور جدھر نظر ڈالو یہی معلوم ہوتا ہے گویا کسی نے سفید برف بچھا دیا ہے درختوں کا اس جگہ کہیں نشان ہی نہیں۔ اور اتفاق سے اگر کوئی درخت اگا بھی تو وہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گز کا ہوتا ہے۔ گرمی بہت ہی مختصر سی قریب ۵۰ دن کے ہوتی ہے اور اس زمانہ میں دنیا کا سارا کام ہو جاتا ہے۔ انھیں ۵۰ دنوں میں چھوٹے چھوٹے پودے نکلتے ہیں اور تمام زمین پھول سے بھر جاتی ہے۔ قسم قسم کے رنگ برنگے چھوٹے چھوٹے پھول چاروں طرف دکھائی دیتے ہیں۔ مگر انکی بہار بس چند روزہ ہوتی ہے۔ یہ مرجھا جاتے ہیں اور پھر ۵۰ دن کے بعد جہاں تک نظر جاتی ہے برف ہی برف دکھائی دیتا ہے تیز ہوائیں اکثر چلتی ہیں اور انکے ساتھ برف کے جھاڑے اُڑا اُڑ کے آتے ہیں بعض وقت یہ ہوائیں طوفانی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں اور اسوقت نقل و حرکت بالکل غیر ممکن ہو جاتی ہے۔ اس خطے کے شمال میں بحر منجمد شمالی ہے۔ یہ بھی برف سے ڈھکا رہتا ہے اور اس میں سیل مچھلی اور والرس پائی جاتی ہے جو کہ برف میں سوراخ کرکے اپنے واسطے ہوا بہم پہونچاتی ہے۔

نمبر ۱

سیل۔

یہ ہے کیفیت اس ماحول کی جس میں کہ اسکیمو رہتے ہیں
برف کی وجہ سے یہ کھیتی باڑی نہیں کر سکتے نہ مویشی۔ بھیڑ
بکری اور گھوڑا وغیرہ ہی پال سکتے اور نہ یہ اپنے واسطے
سڑکیں وغیرہ بنا کر باہر سے سامان منگا سکتے ہیں۔ اگر یہ
لوگ دنیا کا سارا ملک چھوڑ کر سمندر کے کنارے نہ آبسیں
تو انھیں نہ کھانا میسر ہو اور نہ کپڑا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اسکیمو
ہمیشہ سمندر کے کنارے رہتے ہیں۔ انکو جو چیز اپنے ماحول
میں ملتی ہے اسی پر گذر کرنا پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ
سمندر کے کنارے رہ کر یہ لوگ اپنی گذر اوقات کس طرح
کرتے ہیں؟ ان لوگوں کی زندگی کا دارو مدار محض ان چند
جانوروں پر ہے جو وہاں کے سمندر میں پائے جاتے ہیں۔
یعنی سیل۔ وہیل۔ اور والرس۔ اپنی تمام ضروریات زندگی
اسکیمو انھیں جانوروں سے پوری کرتے ہیں۔ سیل یا والرس
مچھلی کا گوشت کھاتے ہیں۔ انکی کھال کے کپڑے بناتے ہیں
اسکی رگوں کو تاگے کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ انکی
چربی کو جلا کر اپنے مکانوں کو گرم رکھتے ہیں۔ ان مچھلیوں پر جب انکی
زندگی کا دارو مدار ہے تو انھیں کے جانے اور آنے پر انکے رہنے
کے مقامات منحصر ہیں۔ جب یہ مچھلیاں ایک جگہ سے دوسری جگہ
ہجرت کرتی ہیں تو گروہ کے گروہ اسکیمو انکی تلاش میں اپنے سامان کو لیکر
پہنچ جاتے ہیں۔ انکو دور دور تک کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ گرمی کے
زمانے میں کچھ کھانے کا سامان جمع کر لیتے ہیں مگر پھر بھی جاڑوں
میں کھانے کی تلاش جاری رہتی ہے۔

یہاں ہم لوگ جاڑے گرمی اور برسات میں ایک ہی
مکان میں رہتے ہیں مگر اسکیمو کا مکان جاڑے کیلئے اور ہوتا ہے اور
گرمی کیلئے اور۔ انکے جاڑے کا مکان بہت ہی عجیب ہوتا ہے۔ یہ برف
کی سلوں کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے اور دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے
جیسے کسی نے ایک بڑا سا پیالہ الٹ کر رکھ دیا ہو۔ دروازہ سرنگ
کے مانند ہوتا ہے اور مکان میں آنے جانے کیلئے لوگ اسمیں
سے جانوروں کی طرح ہاتھ پاؤں کے بل رینگتے ہوئے
گذرتے ہیں۔ یہ مکان اگلو کہلاتے ہیں۔

نمبر ۲

اگلو (اسکیمو کا مکان)

چونکہ اسکیمو کے ملک میں سردی بیحد پڑتی ہے اور
اس لئے پانی ہر جگہ جم کر برف بن جاتا ہے۔ اگر پیاس
لگے تو اس برف کو پگھلانا پڑتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ یہ
لوگ نہاتے بہت کم ہیں اور بیحد غلیظ رہتے ہیں۔ جب
ماں اپنے بچے کو صاف کرنا چاہتی ہے تو دھلانے یا نہلانے
کے بجائے بلی کی طرح اس کے سارے جسم کو [illegible]

خوب جانتی ہے۔

ان لوگوں کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے بہت کافی محنت کرنی پڑتی ہے اور اگر یہ ذرا سی بھی کاہلی کریں تو نہ تو انھیں کھانا ہی میسر ہو اور نہ زندگی کی اور ضروری چیزیں یہ لوگ اچھے شکاری ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں جب برف پگھل جاتی ہے تو یہ اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ کشتی یا تو لکڑی یا وہیل مچھلی کے ہڈیوں کی بنی ہوتی ہے اور اوپر کھال سے مڑھی ہوتی ہے۔ ان کشتیوں کو کیاک کہتے ہیں۔

نمبر۳

اسکیمو کی کشتی (کیاک)

یہ لوگ زیادہ تر شکار نیزے اور ہارپون سے کرتے ہیں۔ ہارپون ایک لمبی لکڑی ہوتی ہے جس کے ایک سرے پر باریک نوک لگی ہوئی ہوتی ہے اور دوسری طرف رسی کا ٹکڑا بندھا ہوتا ہے۔ چڑیوں وغیرہ کا شکار یہ لوگ تیر کمان سے بھی کرتے ہیں۔

ہارپون

نمبر۴
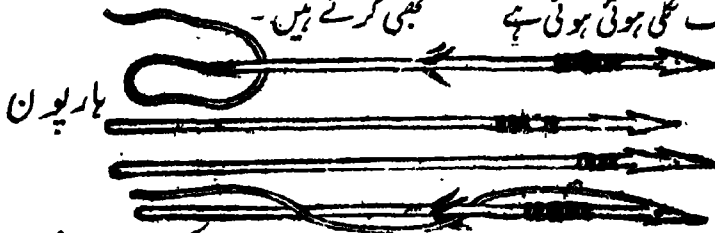
ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کے لئے یہ لوگ ایک خاص قسم کی سواری کا استعمال کرتے ہیں۔ اسکو سلیج کہتے ہیں۔ یہ ایک بے پہیوں کی گاڑی سی ہوتی ہے اور اسے کتے کھینچتے ہیں۔ یہ کتے بھی ان لوگوں کی طرح وہیں رہتے ہیں اور ایک خاص قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

نمبر۵

اسکیمو سلیج

یہ ایک ایسی زندگی ہے جسکو ماحول نے بسر کرنے
کے واسطے انکو مجبور کر دیا ہے۔ قدرت نے اسقدر
سخت حالت پیدا کرکے انکی زندگی سخت کر دی ہے
اور یہ طریقہ صدیوں سے جاری ہے۔ اس میں اگر یہ
لوگ چاہیں تو تبدیلی نہیں کر سکتے۔

یہ ایک مثال ایسی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
قدرت نے انسان کو ایک خاص زندگی بسر کرنے
پر مجبور کر دیا ہے اور اس میں انسان کو کہیں بھی چوں و
چرا کا موقع نہیں ہے۔

۲۔ قدرتی ماحول کا اثر انسانی زندگی پر کتنا گہرا پڑتا
ہے اسکی ایک مثال اوپر دی جا چکی ہے۔ دنیا کے اندر
بہت سے اور حصے ایسے ہیں جہاں کے باشندے اپنی
ضروریات اپنے یہاں کے ماحول کے مطابق پوری
کرتے ہیں۔ انھیں حصوں میں سے کانگو ندی کا جنگلاتی
علاقہ ہے۔ یہاں گرمی بہت سخت پڑتی ہے اور
پانی بھی سال میں آٹھ مہینہ تک برابر برستا ہے۔ اسکی
وجہ سے یہاں کی زمین دلدلی ہو گئی ہے۔ یہاں درخت۔
پودے۔ جھاڑیاں اس کثرت سے ہیں کہ چلنے کے لئے
راستہ نہیں ملتا ہے۔ ہر شخص خواہ کہیں بھی ہو اپنے اہل و
عیال کے رہنے سہنے کے لئے مکان بنانا ضروری
سمجھتا ہے۔ جب یہاں کے باشندے کسی مقام پر اپنا
گھر بنانا چاہتے ہیں تو وہ درختوں کو جلا کر تھوڑی سی
جگہ صاف کر لیتے ہیں اور انھیں شاخوں اور پتوں سے
اپنی جھونپڑیاں بنا لیتے ہیں۔ پہلے تو پتلی پتلی شاخیں زمین
میں گاڑ دیتے ہیں اور انھیں اوپر سے موڑ کر ملا دیتے
ہیں اور باندھ دیتے ہیں اور پتوں سے چھا دیتے ہیں۔

یہ لوگ بیچارے اپنا پیٹ پالنے کے لئے صرف
شکار ہی کرتے ہیں چونکہ کھیتی کے قابل وہاں زمین نہیں ہے
ہاتھیوں کا شکار یہ لوگ تیر و کمان سے کرتے ہیں۔
یہاں گرمی بہت شدت کی پڑتی ہے اس لئے یہ لوگ
زیادہ تر برہنہ رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگی بالکل
انوکھی ہے۔ انکو نہ کھانے سے مطلب نہ کپڑا پہننے سے۔
اگر کوئی فکر ہے تو صرف پیٹ بھرنے کی۔ قدرت کے
کارخانے کو دیکھئے۔ اسکیمو جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے
اور یہاں کے بونے دونوں اسی دنیا کے رہنے
والے ہیں لیکن اسکیمو کو یہ پتہ نہیں کہ ہاتھی کس چیز کا
نام ہے اور نہ بونوں کو یہ ہی پتہ ہے کہ برف کسے کہتے
ہیں لیکن دونوں کی زندگی کی مجبوریوں نے بہت
سی باتیں سکھا دیں۔ تاکہ وہ اپنا گذارہ کر سکیں اور زندگی
میں جو خطرے پیش آئیں انکا مقابلہ کر سکیں۔

۳۔ علاوہ بریں کچھ خانہ بدوش ایسے بھی ہیں
جن کے یہاں ریت ہی ریت ہے اور وہاں کی ہوا
آگ کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ بارش برائے نام ہوتی
ہے جو کہ نہ ہونے کے برابر ہے انھیں حصوں میں کچھ نخلستان
ہیں۔ یہاں کے لوگ برابر اپنا گھر تبدیل کرتے رہتے ہیں
یعنی آج یہاں ہیں تو کل وہاں۔ ان بیچاروں کو

زیادہ عرصہ تک ایک جگہ رہنا نصیب نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ انکو خانہ بدوش کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگی کا سب سے بڑا سہارا اونٹ ہے ہمارے یہاں تو اس اونٹ کی وقعت کچھ بھی نہیں ہے مگر ان خانہ بدوشوں کے نزدیک اسکی بڑی قدر و قیمت ہے۔

یہ لوگ صرف خیموں میں رہتے ہیں یہ خیمے بکری۔ بھیڑ اور اونٹ کی کھالوں سے بنائے جاتے ہیں عورتیں اور بچے اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں اور مرد گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ لیکن اونٹ ہی خاص جانور ہے جو سواری کے کام میں آتا ہے جنگلوں اور ریگستانوں میں رہتے رہتے اور تمام قسم کی مشکلات کو جھیلنے کی وجہ سے ان لوگوں کی آنکھیں اور کان بہت تیز ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ صرف گوشت اور دودھ پر اپنا گذارہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے بہادر مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں۔ انکے قبیلوں میں اکثر لڑائی ہوا کرتی ہے چونکہ یہاں کنویں بہت کم ہیں اور ہر قبیلہ یہ چاہتا ہے کہ اچھے سے اچھے کنویں پر میرا قبضہ ہو جائے یہاں پانی بھی داموں پر ملتا ہے اور اسکو لوگ ہم لوگوں کے یہاں کی طرح بیکار برباد نہیں کرتے۔

۴۔ ایک اور مثال ہے کہ ہمارے ملک کے شمال میں ایک ملک ہے جس کو پنجاب کہتے ہیں۔ ستلج۔ راوی۔ بیاس۔ چناب جھیلم اور انڈس صدیوں سے پانی اور مٹی لا لاکر تمام میدان میں پھیلاتے ہیں۔ یہاں کے میدان سب ہی ان دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی کے بنائے ہوئے ہیں۔

دریاؤں نے مٹی لاکر ان میدانوں کو اسقدر اونچا کر دیا تھا کہ اوپر کے دوآبہ میں ان دریاؤں کا پانی کوئی اثر نہیں رکھتا تھا۔ بارش بھی اس حصہ میں جس قدر مغرب کی طرف بڑھتے جاویں کم ہوتی جاتی ہے۔ اس خطہ کی زمین زرخیز تھی مگر بارش نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار کو پانی نہیں دیا جا سکتا ہے اسوجہ سے اس حصہ میں لوگ اپنے جانوروں کے گلے کو لئے لئے چراگاہوں کی تلاش میں گھوما کرتے تھے اور عرصہ تک اسی قسم کی زندگی بسر کرتے رہے مگر انسان نے اپنی قابلیت سے یہ دریافت کیا کہ نہروں کے ذریعہ وہ دریا کے پانی کو نیچی سطح سے اونچی سطح تک، پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے دریافت ہونے پر یہی نہریں بن گئیں اور وہ چراگاہیں اب بڑے بڑے کھلیان بن گئے یہ سب انسان کی قابلیت کی بدولت ہے۔ ان مثالوں سے ظاہر ہوا کہ بعض ماحول ایسے ہیں جنکو انسان کسی حالت سے نہیں بدل سکتا اور بعض ماحول بلکہ زیادہ تر ایسے ہیں جنکو انسان اپنی ضروریات کے مطابق بدل سکتا ہے۔ مثلاً ملکوں کے درمیان سمندر ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے مگر جہازوں کی تیاری کے بعد سمندر اب دوسرے ملکوں کو خوب ملاتے ہیں۔ برف کے استعمال نے اب یہ ممکن کر دیا ہے کہ دور

دور کی وہ چیزیں جو سڑ جاتی ہیں برف میں حفاظت کے ساتھ لگا کر جہازوں کے ذریعہ دور دور تک اور اچھی حالت میں پہنچائی جا سکتی ہیں۔ مشرقی جزائر کے لئے کناری کی نارنگی۔ ارجنٹین کا گوشت۔ کینیڈا اور آسٹریلیا کے سیب اب دور دور ملکوں میں بھیجے جاسکتے ہیں۔

جغرافیہ کے ذریعہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان کہاں کہاں اپنے ماحول کو اپنی مرضی کے مطابق بدل سکا ہے اور کہاں کہاں وہ اپنے ماحول سے ایک خاص قسم کی زندگی بسر کرنے کے مجبور ہوا ہے۔

اسوجہ سے ظاہر ہے کہ ابتدائی درجوں میں پہلے ماحول ہی کی تعلیم پر زور دینا چاہئے اور بچوں کو اسکو سمجھنے میں مدد دینا چاہئے۔ ماحول کو کس طرح بچوں کو پڑھا سکتے ہیں اور جغرافیہ کے شروع میں اس بنا پر کیسا نصاب ہونا چاہئے آگے چل کر بتایا جاویگا۔

علم حساب کو شروع کرانیکی عمر اور اُس کے مقاصد

(از جناب پرکاش چند ماتھر۔ بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ٹی)

اس مسئلہ پر کہ علم حساب کی تعلیم کی ابتدا بچوں کو کس عمر سے کرانی چاہئے دو مختلف رائیں ہیں۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ چھ برس سے زیادہ عمر والے بچوں کو ہی حساب کی تعلیم دینی چاہئے۔ مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مضمون چھ برس سے کم عمر والے بچوں کو بہت آسانی سے اور کامیابی کے ساتھ بتایا جاسکتا ہے۔

جو لوگ پہلی بات سے اتفاق رکھتے ہیں اُنکا خیال ہے کہ:۔

(۱) حساب کا تعلق سائنس سے ہے جس کو اس چھوٹی عمر کے بچے سمجھنے میں ناقابل ہیں۔

(۲) اس چھوٹی عمر کے بچے کی دماغی ترقی کے واسطے حساب ایسے مضمون کی ابتدا کرانا نقصان دہ ہے۔

(۳) اس عمر میں یہ مضمون نہ صرف بچے کی دماغی ترقی کے واسطے بلکہ اس کی تندرستی کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ خاص کر بچے کی آنکھ پر ان چھوٹے چھوٹے ہندسوں کے لکھنے اور پڑھنے سے بُرا اثر پڑ سکتا ہے۔

جو لوگ دوسری رائے سے اتفاق رکھتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ حساب چھ سال سے کم عمر والے بچے کو آسانی سے سکھایا جاسکتا ہے۔ اور اُن کا کہنا ہے کہ:۔

(۱) اس عمر کے قریب بچہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو اپنے ماں باپ سے الگ محسوس کر سکے اور اس کو اپنے ماحول میں یہ احساس ہوجاتا ہے کہ اُس کی ذات اور اشیائے سے الگ ہے اور ایک سے زیادہ چیزوں کا علم ہوجاتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ

اُس کے ماں باپ دو شخص ہیں اور تین بھائی اور
چار بہن ہیں اور اس کا پورا فائدہ اُٹھاکر اسی عمر میں
عددوں کا علم کرانا چاہیئے۔

(۲) اس عمر کے بچے کے لئے یہ نہایت ضروری
ہے کہ الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا جائے۔ اعداد کا علم دینے
سے بچوں کے اس الفاظ کے ذخیرے کو بڑھانے کا
کافی موقع ملتا ہے۔ مثلاً بچہ یہ سمجھنے کے قابل ہوجاتا
ہے کہ ایک پھول۔ دو پونی وغیرہ سے کیا مطلب ہے۔

(۳) ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس امر کی کوئی ضرورت
نہیں کہ ہم اس عمر کے بچے کو اعداد کا لکھنا بتادیں۔
جس سے اس کی نگاہ کمزور ہونے کا یا اور کسی قسم کا
جسمانی نقصان ہونے کا احتمال ہو۔ اس مضمون کو شروع
کرانے میں زبانی سوال اور کھیلوں سے ہم کافی مدد
لے سکتے ہیں۔

شروع میں پرائمری مدرسوں میں حساب پڑھانے کے
تین خاص مقاصد سمجھے جاتے تھے۔

(۱) تربیت دینا۔

(۲) افادی مقاصد۔

(۳) تہذیب و شائستگی کے مقاصد۔

ہم ان تینوں مقاصد پر الگ الگ اظہار خیال
کریں گے۔ اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ یہ مقاصد
کہاں تک حاصل ہوسکتے ہیں۔

پہلے مقصد کے مطابق ہمیں بچوں میں صفائی۔
سُرعت۔ غور۔ توجہ وغیرہ کی اچھی عادتوں کو تربیت اور
ترقی دینا ہے۔ لیکن جب یہ ثابت ہوچکا ہے کہ اگر
کسی خاص سمت میں ہماری دماغی ترقی ہوتی ہے
تو یہ ترقی اور سینوں میں جن میں ہم مہارت حاصل کرسکتے
ہیں تبدیل نہیں ہوسکتی تو ہمارا پہلا مقصد پورا نہیں ہوتا۔
مذکورہ بالا اصول کے مطابق ہم یہ امید نہیں کرسکتے
کہ حساب کے ذریعہ حاصل کی ہوئی دماغی خوبیوں کا
فائدہ بچہ کسی دوسری سمت میں بھی اُٹھا سکے۔
اس لئے حساب پڑھانے کا یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

حساب کا دوسرا مقصد افادی ہے اسکا مطلب
یہ ہے کہ ہم بچہ کو اپنی روزی کمانے کے لائق بنادیں۔
مگر ایسے دھندے بہت تھوڑے ہیں کہ جن میں
حساب کی حقیقتاً ضرورت پڑتی ہو۔ اس لئے یہ کہنا
کہ حساب کو ہم صرف اُس کی افادی ترقی کے لئے
پڑھاتے ہیں بالکل غلط ہے۔

ہمارا تیسرا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ ہماری دماغی
ترقی کے ساتھ ساتھ دیگر مضامین کی ترقی کا تعلق
ہمارے تمدن کی ترقی کے ساتھ کہاں تک ہوا ہے۔
لیکن اس چھوٹی عمر میں اس مشکل کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔
اس لئے ہمارا یہ تیسرا مقصد بھی کارگر نہیں ہوتا۔

اس طرح سے یہ تینوں مقاصد ہمارے بیسک مدرسوں
کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ اب ہم اس امر پر غور کریں گے
کہ بیسک مدرسوں میں حساب پڑھانے کا اصلی مدعا کیا

ہے۔ ذاکر حسین کمیٹی رپورٹ (Zakir Hussain Committe Report) کے مطابق ان مدرسوں میں علم حساب کے طرز تعلیم کی دو خصوصیتیں ہیں۔

(۱) بچوں کو اس قابل بنانا کہ وہ اپنے ماحول کا پورا پورا فائدہ اٹھانے میں حساب کی مدد لے سکیں۔

(۲) یہ دھیان رکھنا کہ ہم جو کچھ بھی پڑھائیں اسکا ربط کسی بنیادی حرفہ سے ہو سکے۔

پہلے مدعا کو پورا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم حساب کے کریکولم میں صرف وہی مضامین شامل کریں جن کا فائدہ بچے اپنے ماحول میں اپنے ذاتی تجربہ کے مطابق اٹھا سکیں اور جو مستقبل میں فائدہ مند ہوں۔ ایسے مضامین سے ہم ایسے مسئلے نکال سکتے ہیں جنکی بنا پر ہم پُر لطف اور اصلی سوال بچہ کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔

دوسرے مدعا کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ایسے طریقوں کو اختیار کرنا ہے جن کے ذریعہ سے ہم بچوں کو ایسی تعلیم دے سکیں جس میں اُنھیں اپنے ہاتھ پاؤں کو استعمال کرنے کا موقع حاصل ہو۔ اس ڈھنگ سے بچے بڑی آسانی سے اور دلچسپ پیرائے میں حساب ایسے کٹھن مضمون کو سمجھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

اس طرح سے ہم اپنے ماحول کے سماجی اور تہذیبی نقطۂ نظر سے علم حساب کو تین مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے پڑھاتے ہیں۔

(۱) عملی۔

(۲) تہذیبی۔

(۳) سائنٹیفک۔

پہلے مقصد کے مطابق بچوں کو حساب پڑھانے میں ہمارا مدعا یہ ہے کہ وہ اپنے ماحول کی روزانہ کی الجھنوں کو سمجھنے اور حل کرنے میں حساب سے فائدہ اٹھا سکیں۔ حساب کے ایسے مضامین کی مثالیں ہیں، عام قاعدے (جوڑنا گھٹانا وغیرہ) روپیہ پیسے کی روزمرہ کی ضروریات سے تعلق رکھتے ہوئے سبق وغیرہ دوسرے مدعا کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کو بغیر سمجھے کرنے کی بجائے دماغ کی مختلف طاقتوں کو یکجا کرکے بچہ کام کر سکے۔

تیسرے مقصد کا مدعا یہ ہے کہ بچوں میں سوچنے کی طاقت بڑھے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی مسئلہ پر بچہ غور و خوض کرکے خود حل کرے۔ اگر ہم کسی بچہ سے پوچھیں کہ ایک جگہ میں کتنی بھیڑیں ہیں تو یہ ایک غلط طریقہ ہوگا کہ وہ بجائے بھیڑوں کو گننے کے اُن کی ٹانگیں گننے لگے۔ اور بھیڑوں کی تعداد بتا سکے۔

چمڑے کا کام

(از جناب ایس-سی-چودھری ایم-ایس سی ایل-ٹی)

(اشکال ماہ مارچ میں شائع ہوں گے)

اوپر ہی چمڑے کو آراستہ کرنے کے لئے پچھلے مضمون میں طریقے بتائے گئے ہیں اُن کے علاوہ اور بھی دو ایک طریقے ہیں۔ "اَپلِک" کے کام سے بھی چمڑے کو آراستہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کام میں چمڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو قطع و بُرید میں نکلتے ہیں اُن کو بہت حُسن اسلوبی سے استعمال کر سکتے ہیں۔ رنگین کاغذ کا ٹکڑا جیسے ڈزائن یا قدرتی مناظر بناتے ہیں۔ ویسے ہی چمڑے پر (اَپلِک) کا کام کیا جا سکتا ہے۔ اس کام کو کرنے کے لئے پہلے جس چمڑے کو آراستہ کرنا ہے اُس پر ڈزائن کھینچ لیتے ہیں۔ بعدہٗ ڈزائن اسکے علٰحدہ علٰحدہ حصّوں کا رنگ معین کر لیتے ہیں۔ پھر اُن علٰحدہ علٰحدہ حصّوں میں چمڑے کے کترن والے ٹکڑوں میں ٹریس کر کے اُتار لیتے ہیں بعدہٗ ٹکڑوں کو اسی شکل میں کاٹ لیتے ہیں۔ پھر اِن ٹکڑوں کے کناروں کو رانپی سے تراش کر پتلا کر لیتے ہیں۔ بعد ازاں ٹکڑوں کو جیسا کہ مقرر کر لیا گیا ہے۔ رنگ کر لینا چاہیے۔ بعدہٗ ان ٹکڑوں کو اپنے اپنے مقام پر چپکا دینا چاہیئے۔ ان ٹکڑوں کو چپکا دینے کے بعد اُن کو کاغذ سے ڈھک کر ریگمال یا کسی کپڑے کے ٹکڑے سے گھسنا چاہیئے تاکہ وے ٹکڑے اچھی طرح جڑ جاویں۔

اَپلِک کے کام کے لئے ڈزائن یا قدرتی مناظر خاص قسم کے ہونے چاہئیں۔ ڈزائن میں بنی ہوئی اشیا ایسی ہونی چاہئیں جنکو کہ پوسٹر کی طرح چپٹے طور سے رنگ لگا کر بنا سکتے ہیں۔ وے ڈزائن جنمیں شیڈنگ وغیرہ ہوں انھیں نہیں بنا سکتے ہیں کیونکہ ڈزائن ہمیں صرف رنگین چمڑے کاٹ کر انکو چپکا کر کے ہی بنانا ہے۔ پوسٹر کے نمونہ کے مناظر اسمیں بھی ہونے ضروری ہیں۔ ان میں ایسا کوئی منظر نہ ہو جن کا دوریا گھہاؤ رنگ کے شیڈنگ کے ذریعہ دکھانا مقصود ہو۔ ایسی ڈزائن کے دو ایک نمونے ذیل میں دیئے گئے ہیں۔

اس طرح کے کام سے بڑی بڑی جگہوں کے ڈزائن بآسانی بنا سکتے ہیں۔

رنگین ٹکڑوں کے صرف چپکانے کے علاوہ اگر اُن کو سی دیا جاوے تو بنی ہوئی چیز اور بھی زیادہ پائدار اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ جو درزی کو زیادہ استعمال کرنا ہوتا ہے اُن پر اگر اپلک کا کام کرنا ہو تو اُن سب ٹکڑوں کو سی دینا چاہیئے۔ ایسا کام کرنے کے لئے ڈزائن ایسی ہوں جس میں ٹکڑے کافی بڑے بڑے ہوں سینے کیلئے قبل سے ٹکڑوں کو چپکا دینا چاہیئے پھر کنارے پر اُسکے قُرب میں برابر دوری پر پنچ سے سوراخ کر لینا چاہیئے۔ انھیں سوراخوں کے سامنے کنارے کے دوسری طرف چمڑے پر بھی چھید کر لینا چاہیئے۔ پھر چمڑے کے فیتے سے سی دینا چاہیئے (فیتہ کاٹنے کا نمونہ بعد میں بتایا جائیگا) اس کا ایک نمونہ ذیل میں دیا گیا ہے۔

اسٹینسل کی ڈزائن چمڑے پر کاٹ کر اگر نیچے سے رنگین چمڑا چپکا دیا جائے تب بھی بہت اچھی زیبائش ہو جاتی ہے۔ ایسا کرنے کے لئے جس چمڑے کو آراستہ کرنا ہے اُس پر اسٹینسل کی ڈزائن عکس کر لیتے ہیں پھر نہرنی سے جس حصّے کو کاٹنا مقصود ہو اُن حصّوں کے چمڑوں کو کاٹ کر نکال دیا جاتا ہے۔ بعدہٗ کترن کے ٹکڑے کو چھانٹ کر رنگ کرنے کے بعد کٹے ہوئے حصّوں کے نیچے چپکا دیا جاتا ہے۔ رنگین پنّی وغیرہ بھی کٹے ہوئے مقامات کے نیچے لگا کر پھر نیچے سے ایک چمڑا سی سکتے ہیں۔

اس قسم سے بنی ہوئی چیز کو موڈلر سے دبانے کے علاوہ ایک اور بھی طریقہ ہے جس سے ڈزائن کا کنارہ بہت زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اسے (انسائس) کا کام کہتے ہیں۔ اس کام کے لئے بھی پہلے ڈزائن کو چمڑے پر عکس کر لینا چاہیئے۔

پھر ایک تیز چاقو یا نہرنی کی نوک سے ڈزائن کی لکیروں پر ایسا چلانا چاہیئے کہ چمڑے کی نصف موٹائی کٹ جاوے۔ زیادہ زور سے نہرنی یا چاقو کو نہ چلانا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے چمڑے کی پوری موٹائی کٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ چاقو یا نہرنی کو کھڑا چلانا چاہیئے کیونکہ اگر وہ ترچھا چلائی جائیگی تو چمڑا بھی ترچھا کٹ جائیگا۔ ڈزائن کی سب لکیروں

کو اس طریقہ سے کاٹنے کے بعد چمڑے کو بھگو کر ٹریسر کی نوک کو کٹے ہوئے مقامات کے اندر یا حصّوں میں سرایت کر کے آگے پیچھے چلانا چاہئے۔ ایسا کرنے سے کٹا ہوا حصّہ پھیل جائے گا۔ بعد ازاں موڈلر سے تیار شدہ چیز کو دبانا چاہئے۔ اس مقام پر یہ بات یاد رکھنی ضروری و لابدی ہے کہ موڈلر کو لکیر کے باہری حصّے میں ہی چلاتے ہیں۔ ایسا کرنے سے کٹے ہوئے حصّے کا وہ ٹکڑا جو باہر کی طرف ہی دبایا جاتا ہے۔ جس سے ڈزائن کی طرف والا حصّہ اُبھر آتا ہے۔

اُسکے بعد اُبھرے ہوئے حصّوں کے کناروں کو تھوڑا تھوڑا موڈلر سے دبا دینا چاہئے کیونکہ اگر وہ زیادہ اُبھری ہوئی ہوں تو وہ دیکھنے میں زیادہ اچھی اور خوبصورت نہیں معلوم ہونگی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ اُسے اتنا نہ دبا جائے کہ وہ تیار شدہ چیز کی سطح کے برابر آجائے۔

استر کے لئے جو چمڑا استعمال کیا جاتا ہے۔ اُسی بنیاد پر بذریعہ رنگ آراستہ کیا جاتا ہے مندرجہ بالا طریق پر اُن کو آراستہ نہیں کیا جاتا ہے۔

چمڑے کو مندرجہ بالا کسی بھی طریق پر آراستہ کرنے کے بعد اُسے رنگنا چاہئے۔ اس سے پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ چمڑے پر اسپرٹ اسٹین استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ رنگ اسپرٹ میں گھلتے ہیں۔ اور بعد میں پانی لگنے سے نہیں اُٹھتے۔

اسپرٹ اسٹین کے علاوہ معمولی پانی میں گھلنے والے رنگ بھی مستعمل ہیں۔ لیکن اُن کو پختہ اور پکا کرنے کے لئے اس سے رنگے ہوئے چمڑے پر چپڑا کو اسپرٹ میں گھول کر اسپرے کر دینا چاہئے۔ اس سے وہ رنگ پختہ ہو جاتا ہے اور پانی لگنے سے بھی نہیں اٹھتا۔ علاوہ بریں مختلف کیمیاوی اشیاء سے بھی ہر قسم کے رنگ پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن عوام کو اس قسم کے رقیق مادے آسانی کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔

ونڈسر اور نیوٹن کمپنی (ولایت) یا ڈونا کمپنی واقعہ جرمنی جو اسپرٹ اسٹین آتے ہیں اُن میں قریب قریب سب رنگ پائے جاتے ہیں۔ آجکل ہندوستان میں بھی بہت سے اسپرٹ اسٹین ملتے ہیں۔ حسب منشاء دو تین رنگ کے ملا دینے سے بھی جدید رنگ بنائے جا سکتے ہیں۔

چمڑے کی پوری سطح پر یکساں رنگ لانے کے لئے اسپرے ڈفیوزر استعمال کرنا چاہئے۔ اس کا مفصل حال پہلے بتلایا جا چکا ہے۔ اسپرے ڈفیوزر کو پہلے پھیلا لینا چاہئے۔ جس سے اس کی دونوں نلیاں زاویہ قائمہ بنائیں۔ پھر پتلی نلی کو رنگ میں ڈبا دیا جاتا ہے۔ رنگ کو کسی گہرے برتن میں لینا چاہئے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے نلی کا تھوڑا ہی حصّہ

رنگ کے اندر ڈوبا رہتا ہے۔ اور زور سے پھونکنے
سے بھی رنگ نہیں نکلتا۔ چھوٹی چھوٹی شیشیاں بہت
اچھا کام دیتی ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ پتلی
نلی کا تین چوتھائی سے زیادہ حصہ رنگ میں ڈوبا
رہنا چاہیئے۔ پتلی نلی کو ایسے رنگ میں ڈبو کر اگر
موٹی نلی سے پھونکا جائے تو پتلی نلی کے دوسرے
مُنہ سے رنگ نکل آتا ہے۔ اور فوارے کی طرح
موٹی نلی کی سیدھ میں پھیلنے لگتی ہے۔ زور سے
پھونکنے سے زیادہ رنگ نکلتا ہے۔

رنگ کی تبدیلی میں پانی استعمال کر کے
اگر پھونکنے کی مشاقی ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔
اسپرے ڈفیوزر کو استعمال کرنے ہی میں پتہ لگے گا
کہ اس سے رنگ تقریباً ۱½ فیٹ تک کے فاصلے
تک پھیلتا ہے۔ اس سے دور رنگ کی بوندیں
بہت چھوٹی ہو کر اِدھر اُدھر پھیل جاتی ہیں۔ اور
اُنکا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جتنے دور تک رنگ پھیلتا ہے
اگر اتنی ہی دوری پر اُس اُبھرے ہوئے حصے کو
جس میں کہ رنگ کرنا ہے۔ کھڑی حالت میں ٹانگ
دیں اور مقابل سے رنگ اسپرے کریں تو پتلی نلی
سے رنگ نکل کر چمڑے پر جا کر پڑیگا۔ اگر اسپرے ڈفیوزر
کو ایک ہی جگہ ساکن کر کے دیر تک اسپرے کریں
تو چمڑے پر ایک ہی جگہ بہت رنگ آجاتا ہے۔
اور ادھر اُدھر رنگ نہیں لگنے پاتا اور وہ جگہ
باقی رہ جاتی ہے۔

اس لئے اگر چمڑا بڑا ہو تو اسپرے ڈفیوزر کو
دائیں بائیں گھمانا چاہیئے۔ اگر بہت ہی قریب
اسپرے کیا جائے تو رنگ کی بوندیں جو چمڑے
میں جا کر پڑتی ہیں بہت بڑی ہوتی ہیں۔ اور
وزن پا جانے سے ٹپک پڑتی ہیں۔ اسلئے کتنے
فاصلے سے اسپرے کرنا چاہیئے اسکی تھوڑی سی
مشاقی کر لینی چاہیئے۔ ایک ہی جگہ بار بار اسپرے
کرنے سے رنگ گہرا ہوتا رہتا ہے۔ کسی ایک
جگہ پر اتنی ہی دیر تک اسپرے کرنا چاہیئے جتنے گہرے
رنگ کی ضرورت ہو۔ ایک بار پوری سطح پر اسپرے
کر لینے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے رُک جانا چاہیئے۔
کیونکہ پہلے اسپرے کے رنگ کو اگر جذب ہونے
نہ دیا جائے یا خشک نہ کیا جائے تو دوسری بار
رنگ اسپرے کرنے سے پہلے کا بھیگا رنگ اور دوسری
بار اسپرے والا رنگ دونوں مل کر بڑے بڑے
بوند بن جاتے ہیں۔ اور چمڑے کی سطح پر ٹپک پڑتے ہیں۔

چمڑے کو کھڑا ٹانگنے کے لئے ایک تختہ کو کھڑا
اس میں آلپین کی مدد سے چمڑے کے ٹکڑے
کو لگا دینا چاہیئے۔

اسپرے کی امداد سے رنگ کرنے سے معلوم
ہوگا کہ اس سے رنگ ماڈلنگ کئے ہوئے گڈھوں
میں یا ٹریسر سے بنائے ہوئے گہری لکیروں کے اندر

تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر ڈیزائن صرف لکیروں
سے ہی بنی ہو تو وہ لکیریں اگر قبل سے سفید
ہی چھوڑ دی جائیں تو بہت اچھی اور خوشنما معلوم
ہوتی ہیں۔ ماڈلنگ دار ڈیزائن میں بھی اگر
گڑھے سفید چھوٹ جائیں تو وہ اور بھی اُبھرا
ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا بنانے کے لئے روئی
کے گالے سے یا کپڑے کے پوٹلے سے رنگ
لگانا چاہئے۔ روئی کا گالا بنانے کے لئے تھوڑی
روئی لیکر دونوں اُنگلیوں کے بیچ میں بیل کر
گول کر لینا چاہئے۔

کپڑے کا پوٹلا بنانے کے لئے دو تین
تہ کپڑا لیکر اندر کچھ کترن ڈال کر چاروں کونوں
کو ایک ساتھ ملا کر ایک ڈورے سے باندھ
لینا چاہئے۔ تاکہ اندر کترن بخوبی دب جائے
اور کسی ہوئی حالت میں رہے۔

اسپرٹ میں رنگ حل کر کے روئی کے
گالے کو یا پوٹلی کو رنگ میں چھوا کر تھوڑا رنگ
اُٹھانا چاہئے۔ پھر کسی ردی اور خراب چمڑے
پر اُسے دبا کر رنگ کو یہاں تک نچوڑ دینا چاہئے
کہ پوٹلی یا گالا بالکل سوکھ جائے۔ اگر پوٹلی زیادہ
گیلی ہو تو رنگ لکیروں کے گڑھوں کے اندر
چلا جاتا ہے۔ ایسی سوکھی پوٹلی کو چمڑے کی
سطح کے اوپر پھیرنی چاہئے۔ اس سے صرف
انھیں مقامات میں رنگ لگے گا جو کہ اُٹھے ہوئے
ہیں۔ پوٹلی کو دائیں بائیں چلانا چاہئے۔ اس
طرح سے رنگ کرنے کے لئے بہت ہلکے رنگ
سے شروع کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر کہیں ایک
جگہ گہرا رنگ لگ جائے تو پوری سطح میں اُسی کے
برابر گہرا رنگ لگانے سے وہ ڈھکے گا نہیں
اور کہیں کہیں گہرا رنگ اچھا نہیں لگتا۔ پوٹلی
کو بھی ہلکے ہاتھ تیزی کے ساتھ چلانا چاہئے۔
زیادہ دبانے سے بھی گڑھوں میں رنگ
بھر جانے کا ڈر ہے۔

اسپرے سے یا پوٹلی سے رنگ لگا دینے
کے بعد کہیں برش سے شیڈنگ کرنا ہو تو
وہ بھی ہو سکتا ہے۔ پلیٹ میں تھوڑا سا
رنگ لیکر اسپرٹ سے گھول لینا چاہئے۔
پھر برش سے تھوڑا رنگ اُٹھانا چاہئے۔ برش
کو بوقت ضرورت چلانے کے قبل ایک ردی
اور خراب چمڑے پر ہر وقت چلا لینا چاہئے۔
کیونکہ ایسا کرنے سے برش کا زیادہ رنگ چمڑے
ہی میں رہ جاتا ہے۔ اور بعد میں کام کی جگہ
پر چلانے سے پھیلتا نہیں ہے۔

چمڑے پر قریب قریب دو تین رنگ
لگانے میں سب سے بڑی مشکل اُس وقت
محسوس ہوتی ہے جب کہ اُسمیں رنگ کو

برش سے کھینچ نہیں سکتے - برش جیوں ہی چمڑے کی سطح کو چھوتا ہے تیوں ہی اُس کا کُل رنگ چمڑا سوکھ لیتا ہے - اور جتنا رنگ سوکھتا ہے اُتنا ہی پھیل جاتا ہے - اس لئے معمولی طور سے اسپرے یا پوٹلی کے ایک ہی رنگ استعمال کئے جاتے ہیں - تھوڑی سی مہارت کے بعد چمڑے پر برش چلانا بخوبی آجاتا ہے

اُسکے بعد جہاں جیسا رنگ چاہے برش کی امداد سے لگا سکتے ہیں -

اَستر کے چمڑوں پر رنگ کی مدد سے انواع واقسام کی ڈزائن بناتے ہیں - ان کے تفصیلی حالات اور بیان آئندہ مضمون میں دیا جاوے گا -

---

گاؤں اور شہر کا تعلق

(از جناب جگناتھ پرشاد گپتا بی - اے - ایل - ٹی)

ریل اور جہاز کی ایجاد کو سو سال سے زیادہ ہوئے ہیں - انکی ایجاد سے قبل ذرائع آمد و رفت ایسے تھے جن کی رفتار بہت کم تھی ملک کے اندر ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں بہت وقت لگتا تھا - اور یہی وجہ تھی کہ ہمارے ملک کے لوگ جب تیرتھ کرنے نکلتے تو وہ اپنے متعلقین سے آخری رخصت مانگتے! سفر کی دشواریاں اور وقت کا زیادہ لگنا ہی اس کی ایک خاص وجہ تھی - لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں ڈرتے اور وہ گھر پر ہی رہنا پسند کرتے تھے -

مال کا بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا غیر ممکن تھا - ایسی صورت میں ہمارے ملک کے رہنے والوں کی ضروریات بہت کم تھیں - گاؤں والوں کو اپنی زندگی کے لئے جن خاص اشیاء کی ضرورت ہوتی تھی وہ یا تو انھیں اپنے گاؤں ہی میں مل جاتی تھیں یا قریب کے گاؤں میں - تمثیلاً گاؤں کے لوگوں کو کپڑا فراہم کرنے کے لئے گاؤں کے کچھ لوگ کپڑا بنانے کا کام کرتے تھے اور گاؤں والوں کو تیل دینے کے لئے گاؤں کے ایک یا دو اشخاص کولھو چلاتے تھے - وغیرہ مختصراً ہمارے ملک کے

گاؤں اپنے خود کفیل (Self sufficient) تھے۔
انیسویں صدی کے وسط تک ہندوستان میں انگریزوں کی سلطنت تقریباً قائم ہو چکی تھی۔
انگریزی حکومت کے قائم ہوتے ہی یہاں پر ریل نیز تار کا رواج ہوا۔ آہستہ آہستہ سارے ملک میں ریلیں پھیل گئیں۔ اُدھر انگلینڈ میں صنعتی انقلاب ہو چکا تھا اور بڑی بڑی ملیں اور کارخانے زیادتی کے ساتھ چیزیں بنا رہے تھے۔ یہ چیزیں جہازوں کے ذریعہ ہندوستان میں بھی لائی جانے لگیں اور ریلوں کے ذریعہ ملک کے اندرونی حصوں میں بھی پہنچائی گئیں۔ اس سے گاؤں کی ابتدائی خود کفیلی کا (Self sufficient) بالکل خاتمہ ہو گیا۔ گاؤں والوں کی ضروریات میں اضافہ ہو گیا اور اُنھیں اپنی ضروریات کے لئے دور دراز کے ممالک کا محتاج ہونا پڑا۔ گاؤں کا تعلق شہر اور قصبے سے زیادہ ہوا اور دونوں کے تعلقات باہمی میں اضافہ ہوا۔
گاؤں کے زیادہ تر لوگ کھیتی کر کے ہی اپنی روزی کماتے ہیں۔ گاؤں کے لوگ اپنے غلّے نیز دیگر پیداوار کو قصبوں اور شہروں میں ہی جا کر فروخت کرتے ہیں یہ شہر اور قصبے ریلوے لائنوں پر واقع ہوتے ہیں۔ وہاں سے یہ غلّہ اور کچا مال پھر دیگر مقامات کو جہاں پر اس کی فروخت ہوتی ہے ریل اور جہاز کے ذریعہ روانہ کر دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کا کچا مال دیگر ممالک کو بھی جاتا ہے۔
گاؤں والے جب اپنی کھیتی کی پیداوار فروخت کرنے کے لئے شہر یا قصبے کو جاتے ہیں تو وہ اُس وقت اپنی ضروریات کا سامان بھی وہاں سے خرید لاتے ہیں۔ کپڑا کرانے کا سامان۔ سوئی تاگا۔ برتن۔ لالٹین۔ مٹی کا تیل وغیرہ روزانہ ضروریات کا سامان گاؤں والوں کو اپنے گاؤں میں بہت کم ملتا ہے۔ اپنی ان ضروریات کی اشیا کو وہ اپنے نزدیک کے قصبے سے ہی جا کر حاصل کرتے ہیں۔ شادی وغیرہ کا سامان بھی وہ قصبے یا شہر سے لاتے ہیں۔
بڑے بڑے قصبوں اور شہروں میں خاص خاص تقاریب پر میلے تماشے بڑی دھوم دھام سے ہوتے ہیں۔ ان میلے تماشوں کو دیکھنے کے لئے گاؤں کے لوگ قصبوں میں جاتے ہیں مثال کے طور پر رام لیلا اور محرّم کا جلوس دیکھنے کے لئے گاؤں کے بہت سے لوگ

قصبے کو جاتے ہیں ملک کے بڑے بڑے نمائندوں کا نیاز حاصل کرنے نیز لیکچر سننے کے لئے بھی گاؤں کے لوگ قصبے اور شہر کو جاتے ہیں۔

گاؤں میں اعلیٰ تعلیم کا انتظام نہیں ہوتا ہے۔ لہذا گاؤں کے بہت سے طلباء جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں قصبے اور شہر میں ہی جہاں ہائی اسکول اور کالج کی تعلیم ہوتی ہے، جاتے ہیں۔

شہر یا قصبے میں ہی ضلع کا ہیڈ کوارٹر نیز مختلف انصاف کے محکمے ہوتے ہیں۔ اس لئے گاؤں والوں کو عدالتی کام کے لئے شہر یا قصبے ہی کو جانا پڑتا ہے۔

شہروں اور قصبوں میں ہی قابل اطبا نیز ڈاکٹر رہتے ہیں اور علاج کے لئے اچھے ہسپتال اور دواخانے ہوتے ہیں اور یہیں پر اچھی دوا ملتی ہے۔ اس لئے گاؤں کے لوگوں کو اپنی دوا کے لئے شہر نیز قصبے کی ہی پناہ لینی پڑتی ہے۔

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ہی کلیں اور کارخانے ہیں۔ ان کل اور کارخانوں میں ہزاروں مزدور کام ۔۔۔۔ کرتے ہیں۔ یہ مزدور زیادہ تر گاؤں کے ہی رہنے والے ہوتے ہیں اور اپنی روزی کمانے کے لئے شہروں میں جاکر بس گئے ہیں ان کے جانے سے شہروں کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔

اب تک گاؤں والے ہی اپنی روزی کمانے کے لئے شہروں میں جاکر بسے تھے مگر اب اس موجودہ جنگ کی وجہ سے شہروں کے لوگ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور گاؤں میں جاکر آباد ہو رہے ہیں کیونکہ شہر میں ہی بڑے بڑے کارخانے اور کلیں ہیں اور دشمن کے ہوائی جہاز صنعت و حرفت کے مرکزوں پر ہی بم گراتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ آنے جانے کی آسانی کے باعث اب گاؤں اور شہر ایک دوسرے کے بالکل نزدیک آگئے ہیں۔ ان میں روزانہ کا قرب قائم ہوگیا ہے۔ ان میں تقریباً ایک ہی قسم کی زندگی پیدا ہوگئی ہے۔ اب ہندوستان کے گاؤں کا کوئی علحدہ وجود نہیں ہے۔

نوٹ ۔ طریقہ تعلیم کی نسبت معلم کو اس سبق کے درمیان مختلف باتوں کی ایسی زندہ مثالیں طلبار کے سامنے رکھنا چاہیئے جو ان کے ماحول کی ہوں اور جن سے ان کو تھوڑی بہت واقفیت بھی ہو۔ گاؤں میں بچوں کے سرپرست زیادہ ترکاشتکاری کرتے ہیں۔ مدرسں ان سے یہ بات بہ آسانی معلوم کر سکتا ہے کہ ان کے سرپرست اپنے کھیت کی پیداوار کہاں جاکر فروخت کرتے ہیں اور ان کے استعمال کی چیزیں کہاں سے لاتے ہیں وغیرہ۔

پرنٹر و پبلشر رائصاحب رام دیال اگروالا۔
کٹرہ الہ آباد

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب، مولوی، فاضل - ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربی، فارسی، اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس - قیمت ۶ آنہ -

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولوں کے لیے مرتب کیا ہے - انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے - اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلی درجے کا انتخاب ہے -

سونے کا نوالہ — مترجمہ مولوی عابد حسین صاحب فریدی، ایم، اے - ال، ٹی - ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور -

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے - زبان نہایت صاف اور شستہ ہے - قیمت ۲ آنہ -

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفہ رام رگھبیر پرشاد - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلی قسم صفحات ۹۰ - قیمت ۴ آنہ -

الہ دین اور اس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں -

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفہ ملسکھہ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلی قسم صفحات ۴۴ - قیمت ۴ آنہ -

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں -

---

گلدستۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسن صاحب، ماسٹر ٹیچر پارکر ہائی اسکول مرادآباد -

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق ہے - یہ اسم با مسمی ہے - اس میں مختلف قسم کے ۹۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین محققین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں - مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستۂ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے - اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۴۷۰ ہیں - باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے -

فرہنگ امثال — مولفہ سید مسعود حسن صاحب رضوی - ایم اے - لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی - لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلی قسم چھوٹی سائز، صفحات ۲۳۷ - قیمت ۱۰ آنہ -

یہ اردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے - عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہیں - ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے ان کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے - ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے - طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے یکساں مفید ہے -

---

خطوط نویسی — مرتبہ مولوی محمد رفیع بجنوری، فاضل دیوبند - قیمت ۲ آنہ -

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں - عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے - بچوں کے لیے بہت مفید ہے -

رائے صاحب رام دیال اگروالا پرنٹر و پبلشر الہ آباد

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad

Registered No. 467-A

V

مارچ سنہ ۱۹۴۳ع

ایڈیٹر
ڈاکٹر عباد الرحمن خاں
پی۔ایچ۔ڈی۔(لنڈن)

سررشتۂ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودہ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۳ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ رائے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر' الہ‌آباد' سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں کے پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم' مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں' ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم' اشارات' سائینس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں' قدرتی و طبعی مناظر' تعلیم نسواں' نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے معوض مضمون‌نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت برائے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ‌آباد' سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جائے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۴۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے' یہ یاد رکھیے-

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ‌آباد' سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

شرح اُجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۳۱ روپیہ ۴ آنہ	۵۶ روپیہ ۴ آنہ	۱۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۸ روپیہ ۱۲ آنہ	۳۳ روپیہ ۱۲ آنہ	۶۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۵ روپیہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۲ روپیہ ۸ آنہ	۴۰ روپیہ

یہ اجرت دونی ہوجائے گی' جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے گا - ہر حالت میں اجرت پیشگی لی جائے گی -

پبلشر- رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ‌آباد

(مارچ پرچہ کا ضمیمہ)

ایجوکیشنل گزٹ کے خریداروں کو اطلاع دیجاتی ہے کہ ایجوکیشنل گزٹ کی کوئی شکایت یا کسی طرح کا خط و کتابت کریں تو اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں جو کہ ہر ماہ کے گزٹ پر پتہ کے ساتھ لکھا رہتا ہے - جو صاحبان خریداری نمبر نہ لکھیں گے انکے خط پر کوئی غور نہ کیا جائیگا - جواب کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے - جیسا کہ کور کے دوسرے پیج پر (رول نمبر ۵) میں لکھا ہوا ہے - جن صاحبان کو ایجوکیشنل گزٹ جس ماہ کا نہ ملے انکو (رول نمبر ۱) کے مطابق گزٹ نہ پہونچنے کی شکایت اگلے ماہ کی 15 تاریخ تک ضرور کردینی چاہئے نہ کہ سال کے آخیر میں چندہ روانہ کرنیکے وقت-بعد میں کی ہوئی شکایت پر کوئی غور نہ کیا جائیگا-جن صاحبان پر بقیہ چندہ باقی ہے وہ مہربانی کرکے بہت جلد روانہ کرنے کی کوشش کریں ورنہ انکو گزٹ بھیجنا بند کردیا جائیگا - جو صاحبان یکم اپریل سنہ ۱۹۴۳ ع سے خریدار رہنا چاہیں وہ اپنا نام و پتہ اور پورانا خریداری نمبر لکھیں اور ساتھ میں پیشگی چندہ بھی روانہ کردیں - جن صاحبان کا چندہ پیشگی نہ آئیگا انکو گزٹ نہ روانہ کیا جائیگا -

پبلشر
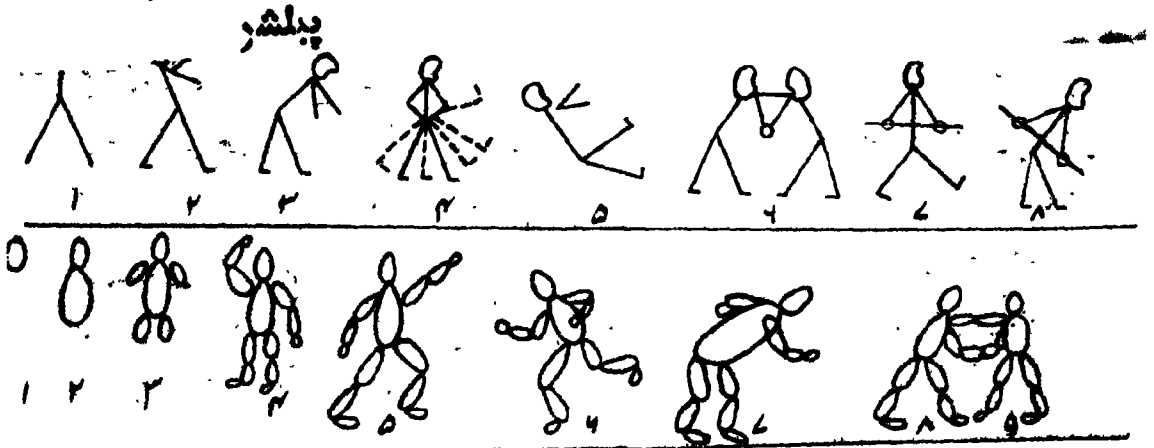
ریت کے کام کے متعلق کہانی، تہوار، جغرافیہ، تاریخ کی تصاویر کو آراستہ پیراستہ کرنا بتلایا گیا ہے۔ اُن کے لئے جن ماڈلوں کی ضرورت ہو آسانی سے مٹی سے تیار کئے جا سکتے ہیں۔ اُن کے بنانے کا طریقہ وہی ہوگا جیسے کہ آزادانہ اظہار جذبات کے طریقے میں بتلایا گیا ہے۔ ماسٹروں کو چاہیئے کہ ایسے ماڈل بنوانے کی کافی مشق کروائیں۔ بچے یہ چیزیں بنانے میں بہت دلچسپی لیں گے۔ ابتدائی درجات میں کہانیوں وغیرہ سے ماڈل بنانے شروع کرنے چاہیئے۔ اونچے درجات میں جغرافیہ تاریخ اور سائنس کے متعلق ماڈل دیے جا سکتے ہیں۔ ان ماڈلوں کی ترتیب درجہ کے اور ترتیب سبق کے اوپر منحصر ہے۔ جس سے بچوں کو دوسرے مضمون سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی اور وہ اسباق اُن کو بہت دن یاد رہ سکیں گے۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بچے مٹی کی چھوٹی چھوٹی کھیل کی چیزیں زیادہ پسند کرتے ہیں اس لئے میلے تماشے میں جو کھلونے فروخت ہوتے ہیں جنھیں بچوں نے دیکھا ہے۔ اور خریدنے کے مشتاق رہتے ہیں اگر مٹی کے ذریعے بچوں سے خود بنوائے جائیں تو وہ انھیں خوب دلچسپی کے ساتھ بنائیں گے۔ اور بڑے شوق سے اُن کھلونوں سے کھیلیں گے۔ اور پیسہ بھی خرچ کرنا نہیں پڑیگا۔ پہلے صرف چھوٹے کھلونے بنوائے جائیں۔ جن میں حرکت یا آواز ہوتی ہو جیسے جھنجھنا، لٹو، گاڑی ناچنے والی گڑیا، اُڑنے والا طوطا، ڈگڈگی وغیرہ کیونکہ چھوٹے بچے کھلونے کی حرکت یا آواز سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ بعدۂ اور بھی مشکل کھلونے بچوں سے بنوائے جا سکتے ہیں۔ لیکن مدرسین کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ چھوٹے کھلونے نہ بنوائیں جن میں بہت پتلے اور باریک حصے دیکھنے کی ضرورت محسوس ہو جیسے کھڑے ہوئے جانوروں کی ٹانگیں، لمبی گردن، پنکھے اور دُم وغیرہ یہ چیزیں مٹی میں بنانے سے بہت مشکل پڑے گی۔ اور اگر بن بھی گئیں تو جلد ٹوٹ جانے کا ہمیشہ ڈر لگا رہے گا۔ چھوٹے کھلونوں میں بانس کی باریک کھپچیاں، تار، کاغذ، کپڑے اور پنکھے وغیرہ بخوبی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ چھوٹے بچے کسی چیز کی باریکیوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے وہ کسی چیز کی باہری شکل کو دیکھ ہی تھوڑا سا اشارہ پا نے پر خاموش ہو جائیں گے۔ اور یہ سمجھ جائیں گے کہ خاص خاص چیزیں فلاں فلاں ہیں اس لئے مختلف اقسام کے مکعب کی سطح پر یا اُن کے باہم جوڑ دینے پر انواع و اقسام کے بہت سے دلچسپ کھلونے بن سکتے ہیں۔ ان کھلونوں کی شکلوں کو پوری طور پر بنانے کے لئے بانس کی کھپچیاں تار اور پنکھے استعمال کئے جا سکتے ہیں انکو انگریزی میں

بھی سکتے ہیں اس قسم کے بچے کھلونے تصویر نمبر ۸ میں دکھلائے گئے ہیں۔

تصویر نمبر ۸

دوکان لگانا۔ بچوں سے اگر پورے سال اسی طرح کی چیزیں بنوائی جائینگی تو وہ اُنھیں زیادہ دلچسپ نہ معلوم ہونگی۔ ہر ایک نے بچوں کو دوکان بنا کر کھیلتے دیکھا ہوگا۔ مٹی کی مدد سے بہت سی قسم کی دوکان کی چیزیں وہ آسانی کے ساتھ بنا سکتے ہیں۔ اس میں پھل والے کی دوکان مٹھائی اور بسکٹ، کیک پیسٹری کی دوکان سجا کر اچھا کھیل ہو سکتا ہے۔ ہر ایک بچہ مختلف اقسام کی چیزیں بنا کر ایک جگہ رکھے گا۔ بعدہٗ سب کی چیزوں کو اکٹھا کر کے ایک جگہ دوکان لگائی جائے گی۔ باری باری سے بچے دوکان دار اور خریدار بنیں گے اور مٹی کی ہی ترازو، باٹ اور پیسے استعمال کریں گے۔ اس طرح اُن کو روزمرہ کے لین دین کے بارے میں کافی معلومات ہو جائے گی۔

مٹی کے ذریعہ سرکس اور کٹھپتلی کے کھیل بھی بخوبی کھیلے جا سکتے ہیں۔ بچے ان کھیلوں میں خوب دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ مٹی کے طرح طرح کے جانور بنا کر اُن کو سرکس کے کھیلوں کی بنیاد پر آراستہ پیراستہ کر سکتے ہیں۔

مٹی کے کٹھپتلی کے سر بنا کر اور دوسرے اعضا بانس کی پھچی یا تار سے بنائے جا سکتے ہیں اور خوبصورت کپڑے پہنا کر کالے ڈورے کے ذریعہ اُن سے طرح طرح کے ناپ کو دکھاتی و تاریخی مضامین آسانی سے بچوں کی سمجھ میں آجائینگے۔ اس قسم کے کٹھپتلی کے کھیل اور بھی طریقہ پر دکھلائے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ کٹھپتلی کے ڈورے میں چلانا بچوں کے لئے مشکل ہوگا۔

(۱) بذریعۂ عکس، اور پرچھائیں جسکو انگریزی میں شیڈو پلے (Shadow play.) کہتے ہیں۔

(۲) ہاتھ اور انگلی کی کٹھپتلی کے ذریعہ۔

اُوپر دیئے ہوئے طریقہ پر ہم یہاں پوری طرح سے روشنی نہ ڈال سکیں گے۔ اس وقت تو ہم صرف یہی بتلائیں گے کہ کن کن چیزوں کے ذریعہ اور کس طریقہ پر ان کھیلوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے کٹھپتلی بنا سکتے ہیں۔ اور کس طرح ان کو استعمال کر سکتے ہیں۔

الف:۔ دستانے کی کٹھپتلی ۔ اس قسم کی کٹھپتلی میں صرف سر اور دو ہاتھ الگ الگ بنائے جاتے ہیں - یہ دونوں چیزیں بہت ہلکی ہونی چاہئیں کیونکہ ہاتھ کی انگلیوں میں پہن کر اس کو کام میں لایا جاتا ہے انگوٹھے نیز اسی کے پاس والی کنکی انگلی میں دو ہاتھ اور اشارہ کرنے والی انگلی میں سر انگشتانے کی طرح پہن لیا جاتا ہے۔ جو کہ ان انگلیوں کو حرکت دینے پر مختلف خیالات نیز حرکات و سکنات ظہور میں آتے ہیں دیکھو علامت نمبر ۹ زیادہ تر یہ سر اور چھوٹے ہاتھ کھوکھلے بنائے جاتے ہیں جس سے اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر زیادہ بار نہ پڑے - اگر یہ چیزیں کاغذ کی لگدی کی بنائی جائیں تو اور بھی ہلکی بن سکتی ہیں - بنانے کا طریقہ وہی رہتا ہے جیسا کہ مٹی کا ماڈل بنایا جاتا ہے ان کٹھپتلیوں کو ہاتھ کے اوپر کپڑا پہنا کر پوری تصویر پوشیدہ کی جا سکتی ہے - ان کو نچانے والا ایک پردے کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے اور اپنی انگلیوں میں کٹھپتلی کے سر اور ہاتھ پہن کر پردے کے اوپر نچا کر دکھا سکتا ہے - ایک بچہ صرف دو کٹھپتلی کا کام کرا سکتا ہے - زیادہ کے لئے ایک سے زائد
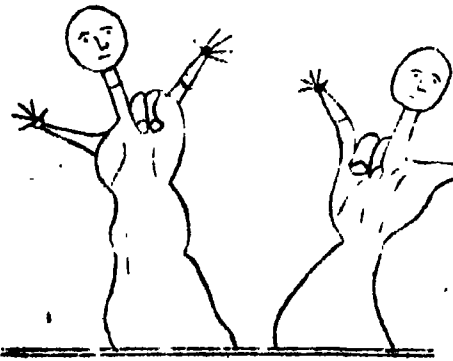
دستانے کی کٹھپتلی

بچوں کی ضرورت محسوس ہوگی - کٹھپتلیوں میں مکالمہ اور بات چیت کے لئے بچے خود منھ سے بول سکتے ہیں یا

مختلف طریقہ پر زبان اور حلق کی مدد سے مختلف آوازیں پیدا کرکے کام نکال سکتے ہیں۔

ب :- ڈوری کی کٹھپتلی :- یہ کٹھپتلی مندرجہ بالا کٹھپتلی سے زیادہ عمدہ سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں کٹھپتلی کا ہر ایک حصہ متحرک ہو سکتا ہے لیکن اس کو نچانے کے لئے بہت زیادہ مشاقی کی ضرورت ہے۔ اکثر اس کے ہر ایک حصے ایک ڈورے یا تار کے ڈھانچے پر مٹی کے بنائے جاتے ہیں اور باریک سیاہ دھاگے میں باندھ کر کام کیا جاتا ہے جیسا کہ تصویر نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔

تصویر نمبر ۱

کٹھپتلی کا ہر ایک حصہ جسکو متحرک کرنا ہو سیاہ باریک دھاگے سے باندھ کر اوپر کی طرف ہاتھ سے پکڑا جاتا ہے۔ اور ڈورے کو اونچا نیچا کرنے پر حرکت ہو جاتی ہے۔ ایک بچہ پردے کے پیچھے کھڑا ہو کر کئی پتلیوں کو پردے کے سامنے حسب منشا حرکت دے کر چلا پھرا سکتا ہے۔

۶ - مٹی کے برتن :- مٹی کے برتن کی مدد سے آزادانہ اظہار جذبات ہو سکتے ہیں کیونکہ برتن کی شکل آدمیوں کے دل پر مختلف قسم سے اثر ڈال سکتی ہے۔ بہت سے خاص طرح کے برتن دیکھکر خوشی اور فرحت معلوم ہوتی ہے اور بہت سے برتن ایسے ہیں جن کو دیکھکر رنج و آلام کی حالت رونما ہوتی ہے اور بہت سے برتنوں کو دیکھکر پختہ دلی۔ سچائی و صداقت صبر و استقلال کا مادہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بہتوں کی ٹھوس شکل نیز ان کے مدور خطوط دل کے اوپر ایک خاص قسم کا اثر ڈالتے ہیں اور اسی کے مطابق برتن خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔ ان باتوں کی پوری تفصیل ہاتھ سے مٹی کے برتن بنانے کے بارے میں بتائی جا چکی ہے۔ مدرسین کو چاہیئے کہ اس طریقہ پر مٹی کے برتنوں کے ذریعہ آزادانہ اظہار جذبات کی مشاقی بچوں کو کافی طور سے کرائیں۔

۷ - نمونہ بنانا :- ڈزائن انسانی تہذیب و تمدن کا نمونہ ہوتا ہے۔ اس سے انسانی ماحول کے اثرات قدیم رسم و رواج نیز وہاں کے رہن سہن کے بارے میں کافی معلومات ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نمونے نیز ڈزائین ایسی اشیاء ہیں کہ جن کے ذریعہ بھی آزادانہ اظہار جذبات ممکن ہے۔ مٹی میں ڈزائین بنانے کے بہت سے طریقے برتن بنانے کے سلسلے میں بتائے جا چکے ہیں انھیں کن باتوں کے مدار پر متعین کرنا چاہیئے جس سے وہ آزادانہ اظہار جذبات کا انکشاف بخوبی کر سکیں۔ آیندہ اس کے متعلق بتایا جائے گا۔ اس وقت صرف اتنا ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ مٹی کی گیلی تختی پر مختلف اقسام کے نمونے بنا کر آزادانہ اظہار جذبات ہو سکتا ہے۔

۸- آرٹ :- ویسے تو آرٹ کا صحیح مفہوم آزادانہ اظہار جذبات ہے - خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہو لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی قابل توجہ بات ہے کہ اس آزادانہ اظہار جذبات سے جو چیز بن کر تیار ہوتی ہے - وہ بہت ہی خوشنما اور دلکش ہوتی ہے - نیز اس سے دلی فرحت ہوتی ہے - بذریعہ الفاظ لکھکر یا نغمہ اور راگ سے ہر فرد بشر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے لیکن وہ آرٹ میں داخل نہیں ہے اور نہ وہ آرٹ ہی تصور کیا جا سکتا ہے جب تک کہ وہ خوشنما اور دلکش نہ ہو تب تک وہ دل خوش کن نہیں ہوتا -

اسی طرح پنسل، برش یا رنگ کی مدد سے صرف کا　　کا انکشاف کر دینا ہی ضروری و لابدی نہیں ہے - ان کی بناوٹ خوشنما اور دل کو فرحت بخشنے والی ہونی چاہئے - مٹی میں مندرجہ بالا بتائی ہوئی اشیاء کے ذریعہ بھی خیالات کا ظاہر کرنا کافی اور وافی نہیں ہے جب تک کہ وہ تمامی اشیاء تیز بنی ہوئی چیزیں دیکھنے میں خوبصورت نہ معلوم ہوں اور جن سے دلی مسرت و سرور نہ حاصل ہو -

اس قسم کی تفریح کن حالت مٹی کے ماڈلوں میں مندرجہ ذیل مادوں کی معلومات ہونے پر کامیابی کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے - یہ مادے صرف مدرسین کی معلومات میں اضافہ کرنے کیلئے دیئے جاتے ہیں - بچوں سے انھیں مادوں کی بنیاد پر کام کرانا چاہئے - جن سے آہستہ آہستہ کام کرنے سے بچے بھی ان تمامی مادوں سے واقفیت حاصل کر لیں اگر بچوں سے بتدریج کام نہ لیا گیا تو ممکن ہے کہ وہ ان مادوں کی پوری حقیقت نہ سمجھکر اس کے دوسرے خیالات ذہن نشین کر لیں -

یہ مادے پانچ ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں -

ا - ترکیب Composition　　ب - اعادہ و تکرار Repetition of Rythum

س - توازن Symmetry or balance　　د - نمایاں ہونا Prominence.?

ی - تضاد و تخالف Contrast

الف :- ترکیب سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ شائقین و مبصرین کی آنکھیں ماڈل پر صرف ایک ہی جگہ پر نہ پڑیں بلکہ سارے ماڈل پر نظر پہونچے - جس سے اس کا ہر ایک حصہ ماڈل کی خوبصورتی ظاہر کریں اور بنانے والے کی محنت نیز اس کی مصوری چھوٹے حصوں کے بنانے میں فضول نہ ثابت ہو - ایسا کرنے کے لئے ماڈل میں سب سے بڑے حصے کی شکل کا کوئی اور دوسرا چھوٹا حصہ بھی ہونا ضروری ہے - یا اس بڑے حصے پر ایسے خطوط ظاہر ہوں جو مبصرین یا دیکھنے والوں کی آنکھ کو وہاں سے دور کر کے سارے ماڈل پر پہونچا دیں - یہ خطوط کپڑے کی صورت میں

بقیہ مضمون پر ملاحظہ

بیسک اسکولوں کے انفینٹ کلاس میں تواریخ

از جناب سبھا جیت سنگھ بی۔ اے۔ ایل ٹی الہ آباد

نوٹ - ۱۔ گذشتہ مضمونوں کی طرح یہ مضمون بھی مدرسین کے فائدے کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔

۲۔ مضمون آسانی کے لئے تین حصّوں میں منقسم کیا گیا ہے، (الف)- انفینٹ کلاس کے کریکیولم کی خصوصیت (ب) عنوانوں کی مختصر تشریح (س) عنوانات کی بنا پر کہانی کی صورت میں نمونہ کا سبق۔

(الف)

بیسک تعلیم میں تواریخ کی اہمیت سمجھنے کے بعد انفینٹ کلاس سے لیکر درجہ چہارم تک کے تواریخ کے کریکیولم نیز اُس کے عنوانات کا جاننا۔ مدرسین کے لئے نہایت ضروری ہوجاتا ہے اس طرح کے بیانات نیز تنقیدی مطالعہ کے ذریعہ مدرسین کو درجات کے کریکیولم کی سائنٹیفک ترتیب کا بخوبی علم ہوجاتا ہے اور وہ بچّوں کو تواریخی مطالعہ کا خاص مقصد۔ سوسائٹی کی بتدریج ترقی پورے طریقے سے ذہن نشین کرا سکے گا مندرجہ بالا باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ مضمون میں انفینٹ کلاس کے تواریخ کے نصاب کی خصوصیت نیز اُس کے عنوانات پر غور کیا جائیگا۔

انفینٹ کلاس کے کریکیولم کا پہلا عنوان "ماحول" بہت ہی مناسب ہے انسان کی بودوباش نیز تہذیب پر ماحول کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے تواریخی زمانہ کے قبل کے انسان کی بودوباش اُس وقت کی تہذیب کی واقفیت کے لئے ماحول کا مطالعہ بہت ہی اہم ہے ماحول کے بعد "خوراک اُس کی پیداوار بہم پہنچانے کے ذرائع" — "لباس سردی اور گرمی سے تحفظ" کے عنوانات آتے ہیں انسان کی سب سے پہلی ضرورت خوراک ہے اس لئے انسانی تہذیب کے ابتدائی دور میں خوراک اور اُس کے بہم پہنچانے کے ذرائع کا مطالعہ بہت ہی مفید ثابت ہوگا خوراک کے بعد انسان کی دوسری بڑی ضرورت لباس ہے یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ لباس کا استعمال جسمانی حفاظت نیز زیبائش دونوں کے لئے ضروری ہے لیکن انسانی تہذیب کے ابتدائی دور میں اس کا استعمال صرف جسمانی حفاظت ہی کے لئے کیا گیا اس طرح سردی گرمی سے بچنے کے لئے انسان نے کیا کیا تدابیر اختیار کیں اُسکا مطالعہ بڑا ہی دلچسپ ہے۔ اُس کے بعد "جائے پناہ اور مسکن" اور "انسان اور درندوں سے جنگ ہتھیار اور آلات حرب و پیشہ اور اوزار" کے عنوانات آتے ہیں یہ تینوں ہی عنوانات بچّوں کے

لئے نہایت ہی کارآمد ہونگے۔ آجکل بچے جس ماحول میں رہتے ہیں انھیں مختلف قسم کے محل اور مکان۔ انسان اور درندوں سے جنگ نہیں بلکہ انسان کی انسان سے جنگ اور مختلف قسم کے پیشے نظر آتے ہیں ایسی حالت میں رہنے والے بچوں کو تواریخی زمانہ کے پہلے انسان کی جار قیام۔ اُسکی درندوں سے جنگ پیشہ اور اوزاروں کی واقفیت حیرت انگیز اور دلچسپ ثابت ہوگی آخری موضوع فنون لطیفہ اور اظہار خیالات کے طریقے تقریر اور تحریر ڈرائنگ وغیرہ کا ہے۔ ہر ایک تہذیب کی کسوٹی فنون لطیفہ ہے جس میں شاعری۔ موسیقی۔ مصوری۔ سنگ تراشی۔ اور فن عمارت شامل ہیں اس لئے تواریخی زمانہ کے پہلے کے انسان کی تہذیب کی پوری واقفیت کے لئے اور موجودہ تہذیب کو بخوبی سمجھنے کے لئے اُسوقت کے فنون لطیفہ اور اظہار خیالات کے طریقوں اور ڈرائنگ وغیرہ کا علم ضروری ہوجاتا ہے انفینٹ کلاس کے تواریخ کے نصاب کو اگر ہم توجہ کے ساتھ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی سائنٹیفک اصول پر مبنی ہے تواریخی مطالعہ کا خاص مقصد یہی ہے کہ انسان نے سوسائٹی میں رہنے کا طریقہ رفتہ رفتہ کس طرح سیکھا ہے۔ اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے انفینٹ کلاس کے تواریخ کے نصاب کا مندرجہ ذیل مقصد ہے۔

۱۔ بچوں کو یہ بتلانا کہ لوگ پہلے کس طرح رہتے تھے اور اس طرح اُنکی سمجھ میں اچھی طرح آجائے کہ انسان نے موجودہ زمانہ میں کتنی ترقی کی ہے۔

۲۔ یہ بتلانا کہ نیچر پر قابو پاکر انسان کس طرح اچھی طرح رہ سکتا ہے۔

۳۔ یہ بتلانا کہ اپنے خیالات اور چیزوں کو دوسرے کے پاس پہنچاکر وہ کس طرح عمدہ زندگی بسر کرسکتا ہے۔

۴۔ یہ بتلانا کہ انسان آپس میں مل جُل کر اعلیٰ نمونوں کو پورا کرتے ہوئے سوسائٹی میں کس طرح اچھی طرح رہ سکتا ہے۔

(ب)

انفینٹ کلاس کے نصاب کی اس مختصر تحلیل کے بعد سبھی موضوعات کے مواد کو مختصر طریقہ پر اُستادوں کو جاننا ضروری ہے۔ تواریخی زمانہ کے پہلے کے انسان کا بیان اگر دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے تو اُس کا سمجھنا زیادہ آسان ہوجائیگا۔ پہلے حصہ میں انسان کی قوتیں بہت کم تھیں اس زمانہ میں اوزاروں کی صرف ابتداہی ہوئی تھی دوسرے حصہ میں انسان کی طاقتیں بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہوجاتی ہیں۔ اس زمانہ میں اوزاروں کا استعمال اور خیالات اور اشیاء کا لین دین اور سوسائٹی بہ نسبت پہلے کے زیادہ منظم

ہو جاتی ہے۔ آسانی کے لئے ہم تہذیب کے ان دو حصوں کو (۱) پتھر کے زمانہ کا ابتدائی دور۔ ۲- پتھر کے زمانہ کا آخری دور کہیں گے کیونکہ ابھی تک انسان نے دھات کا استعمال نہیں سیکھا تھا اُس کے اوزار پتھر ہی کے تھے۔ ابتدائی دور میں یہ اوزار بہت بھدّے تھے لیکن دوسرے دور میں یہی اوزار تعداد اور بناوٹ میں عمدہ ہوگئے ان دونوں دوروں کی تہذیب کے مطالعہ کے ذریعہ ہم موجودہ تہذیب کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے اس لئے پہلے ابتدائی پتھر کے زمانہ پر غور کرنا چاہئے

تواریخی زمانہ کے پہلے کا انسان

ابتدائی پتھر کا زمانہ

اگر ہم موجودہ زمانہ کی سوسائٹی کی طرز معاشرت کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں انسان کی ابتدائی تہذیب اور اُسکی مشکلات کا سمجھنا بہت ضروری ہے ابتدائی تہذیب کے ذریعہ ہم یہ جان سکتے ہیں کہ انسان موجودہ تہذیب کے زینہ تک کس طرح پہنچا ہے اور ساتھ ہی وہ یہ سمجھ سکے گا کہ مستقبل میں طرز معاشرت کیسی ہوگی یہاں اس بات پر غور کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اُس زمانہ کا حال معلوم کرنے کے کیا ذرائع ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم کو اُس زمانہ کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا اس کے بارے میں کہانیوں کے ذریعہ بھی ہمیں کچھ نہیں معلوم ہو سکتا۔ جیسے کہانیاں آجکل نسلاً بعد نسلاً چلا کرتی ہیں۔ اُس وقت ایسا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ پتھر کے زمانہ کا آدمی اتنی بھی بات نہ کر سکتا تھا۔ جس کی مدد سے کہانیاں شروع کی جا سکیں۔

پتھر کے زمانہ کی تہذیب کا علم ہم کو ایک عجیب اور دلچسپ ڈھنگ سے ہوا ہے پتھر کے زمانہ کے انسان کی کچھ ہڈیاں اور کچھ ہڈیاں اُن جانوروں کی جن کے ساتھ وہ رہا کرتا تھا اور کچھ بھدّے اوزار اور ہتھیار ایسے مقاموں اور کھوہوں میں ملے ہیں جہاں وہ ہزاروں برس سے پڑے ہوئے تھے جو مواد اس طرح حاصل ہوا اُس کا عالموں نے اچھی طرح مطالعہ کیا اور اُن کا مقابلہ اُسی طرح کی موجودہ زمانہ کی چیزوں سے کیا جو کچھ جنگلی قوموں میں آج بھی پائی جاتی ہیں اور اس طرح ابتدائی پتھر کے زمانہ کے انسان کا حال لکھا ہے۔

ماحول۔ پتھر کے زمانہ کے پہلے کا انسان ایک ایسی دنیا میں رہتا تھا جو موجودہ زمانہ سے بالکل مختلف تھی شاید ہم لوگ آجتک یہ خیال کرتے ہیں کہ پتھر کے زمانہ کے انسان کے وقت میں بھی موجودہ

زمانہ کی طرح زمین، پانی، جانور اور درخت وغیرہ رہے ہونگے لیکن یہ خیال کرنا غلطی ہوگی ایسا نہیں تھا رفتہ رفتہ برابر تبدیلی ہوتی گئی اور یہ تبدیلی اب بھی جاری ہے آج سے دو ہزار برس بعد والے انسان ہمارے موجودہ زمانہ کو اُسی تعجب کی نظر سے دیکھیں گے جس تعجب کی نظر سے ہم پتھر کے زمانہ کی دنیا کو دیکھتے ہیں۔ عالموں کا اندازہ ہے کہ ہندوستان کے شمال میں ہمالیہ کا پہاڑی حصّہ بحری تھا اور بحر ہند برّی حصّہ تھا اگر یورپ کے برّاعظم پر غور کیا جائے تو جزیرہ برطانیہ آجکل کی طرح یورپ سے علٰحدہ نہیں بلکہ اُس میں شامل تھا۔ انگلش چینل اور بحر شمالی صرف ایک گھاٹی کے مانند تھے جن سے ہوکر بڑے دریا بہتے تھے بحر روم دو بڑی جھیلوں کے مانند تھا۔

جو بات بحری و برّی حصّوں کی بابت ٹھیک ہے وہی جانوروں پر بھی عائد ہوتی ہے جس وقت آب و ہوا معتدل تھی دنیا میں بڑا ہاتھی سیدھے دانت والا ہاتھی ٹیڑھے دانت والا شیر وغیرہ جانور پائے جاتے تھے۔ لیکن جب آب و ہوا سخت سرد ہوگئی تو ان جانوروں میں تبدیلی ہوگئی اور ایسے جانور آگئے جو سرد آب و ہوا کو پسند کرنے والے تھے۔ ایسے جانوروں میں بارہ سنگھا بال والا ہاتھی، گینڈا اور بڑے بال والا بیل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ہاتھی

گینڈا

بڑے بال والا بیل
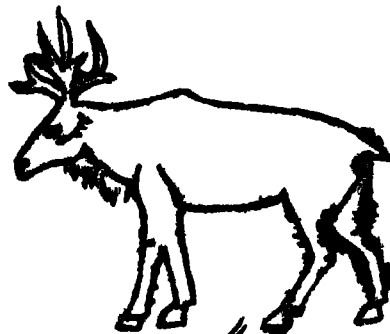
بارہ سنگھا

درختوں میں بھی وہی اختلاف ہوگیا ہے جو جانوروں میں ہوا تھا آب و ہوا کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ درختوں میں بھی تبدیلی ہوئی ان تبدیلیوں پر ہمیں تعجب نہ کرنا چاہئے ان تبدیلیوں میں کئی ہزار برس لگے ہونگے اور اسی سبب سے اُن کی بابت اندازہ کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔

پتھر کے زمانہ کے انسانوں کی شکل اور اُن کی خوراک نیز پیداوار کے ذرائع اس زمانہ کا انسان صورت شکل میں موجودہ مردوں عورتوں اور بچوں سے بالکل مختلف تھا وہ قد میں آجکل کے انسانوں سے کچھ چھوٹا تھا پشت چوڑی جسم کچھ آگے کو جھکا ہوا تھا، موجودہ انسان کی بہ نسبت اس کے جسم پر بال زیادہ تھے وہ برہنہ رہتا تھا اور جسم کا کچھ حصہ چمڑے سے ڈھکتا تھا اس کا سر لمبا اور چپٹا ہوتا تھا پیشانی کچھ پیچھے کو ہٹی ہوتی تھی بھوئیں ناک کے پاس آکر ملتی تھیں مژگاں بڑی موٹی تیز گھنی ہوتی تھیں، ناک بڑی اور چوڑی ہوتی تھی دانت کچھ نکلے اور ٹھوڑی اندر کو گھسی ہوتی تھی، کان معمولی طور پر نکلے ہوتے تھے ابتدائی انسان کی تصویریں ذیل میں دیگئی ہیں۔
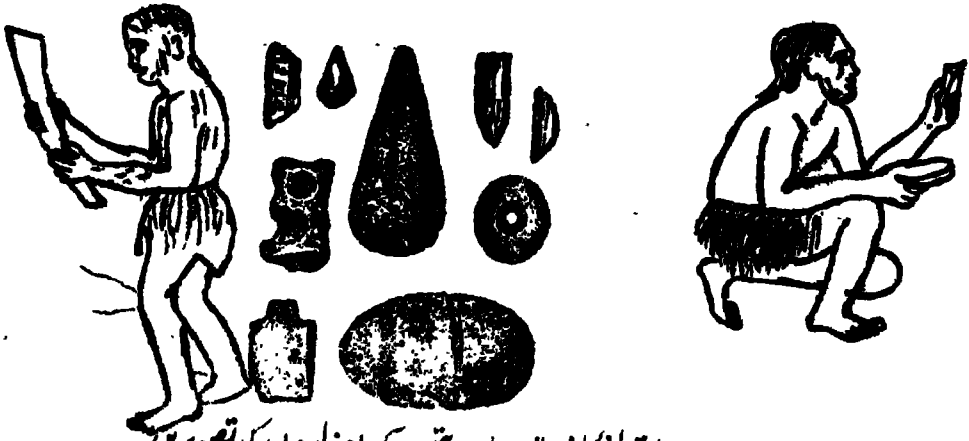
ابتدائی انسانوں اور پتھر کے اوزاروں کی تصویریں

اس زمانہ کے لوگوں کی خوراک کا مسئلہ بھی بہت ہی مشکل اور ردی حالت میں تھا وہ کسی طرح کے پھل اور ترکاری نہیں پیدا کرسکتے تھے اور نہ انکو کاشت کرنا ہی معلوم تھا۔ وہ جنگلی پھلوں کو کھا کر مطمئن رہتے تھے جو موجودہ پھلوں اور ترکاریوں کے مقابلہ میں بہت ہی ہیچ تھے انکے کوئی پالتو جانور نہ تھے، کتے تک پالنا نہیں جانتے تھے اس لئے پتھر کے زمانہ کے انسانوں کے کھانے پینے کے ذرائع بہت اچھی حالت میں نہ تھے اسے کھانا ہر وقت نہیں ملتا تھا اور صرف تھوڑے ہی دنوں تک پیٹ بھر کھانا ملتا تھا وہ زیادہ تر کچا کھانا کھاتے تھے کبھی کبھی راکھ میں کھانے کو بھونتے تھے کیونکہ کھانا پکانے اور کھانا کھانے کے برتن انکے پاس نہ تھے یہ لوگ جنگلی سیب، ناسپاتی اور جامن نرم پھول اور کونپلیں بھی کھاتے تھے وہ چڑیوں کے انڈے جنگلی شہد اور

مینڈھک وغیرہ بھی کھاتے تھے سمندر کے کنارے رہنے والے مچھلی مار کر کھاتے تھے۔ کچھ بڑی چڑیوں کو کو پتھر سے مار کر پکڑتے تھے۔ وہ کبھی کبھی مرے ہوئے یا شیروں کے ذریعہ شکار کئے ہوئے بیلوں گھوڑوں اور ہرنوں کا گوشت کھاتے تھے وہ ان جانوروں کے سر توڑ دیتے تھے اور ملائم گدی کو بڑے مزے سے کھاتے تھے خاصکر ضعیف مرد اور عورتیں جنکے دانت نہیں ہوتے تھے اس طرح کا کھانا بہت ہی پسند کرتے تھے۔

پوشاک اور سردی گرمی سے حفاظت

اس زمانہ میں لوگوں کو کپڑوں کا علم نہ تھا وہ صرف بھدے اور بے سلے ہوئے چمڑے کا استعمال کرتے تھے وہ چمڑے کو معمولی طور سے صرف دھوپ میں سکھا دیا کرتے تھے چمڑے کو پاک وصاف کرنے اور اس کی بدبو نکالنے کا کوئی دوسرا ذریعہ معلوم نہ تھا چمڑا ابھی ان لوگوں کو ضرورت کے مطابق نہ ملتا تھا کیونکہ ان کے شکار کرنے کے اوزار بدنما اور بھدے تھے۔ ان سے شکار کے ذریعہ جانوروں کا مارنا نیز چمڑا حاصل کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

جائے سکونت جائے پناہ اور جانوروں سے جنگ

پتھر کے زمانہ کے پہلے والے انسانوں کو مکان بنانے کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔ اُن کے رہنے کی جگہ جنگلی جانوروں کی جائے سکونت سے بہتر نہ تھی۔ اتنا ضرور تھا کہ وہ اپنی جائے پناہ وہیں بناتے تھے۔ جہاں پانی ملنے کی آسائش تھی۔ وہ پیڑوں کی ڈالیاں توڑ سکتے تھے۔ نیز آس پاس کی جھاڑیوں کو اکھاڑ کر پہاڑ کی کھوہوں میں جانے کا راستہ بنا لیتے تھے۔ وہ انھیں کھوہوں میں رہا کرتے تھے۔ لیکن ان کھوہوں اور گپھاؤں میں انھیں شیروں اور دوسرے جنگلی جانوروں کا خوف برابر لگا رہتا تھا۔ مندرجہ ذیل تصویر کے ذریعہ یہ صاف ہو جائیگا۔ کہ جانوروں کے حملے سے بچنے کے لئے انسان کیا تدبیر کرتا تھا۔

کھوہوں میں جب جنگلی جانوروں کا حملہ یکایک ہوتا تو انسان کو بھاگنے یا پیڑ پر چڑھنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اسلئے پیڑ کے نیچے یا پیڑ پر رہنے لگے۔ اُس زمانہ میں جانور زیادہ تر ایسے تھے جو تیرنا جانتے تھے۔ کچھ ایسے بھی جانور تھے جو پیڑ پر چڑھ سکتے تھے لہٰذا جب جانوروں سے خطرہ ہوتا تھا۔ تو انسان جھٹ پیڑ پر چڑھ کر پناہ لیتا تھا۔ یہ جانور بھوکے ہونے پر ہی انسانوں پر حملہ کرتے تھے۔ لہذا مارشل، کا کہنا بہت مفید معلوم ہوتا ہے۔ کہ "پتھر کے زمانہ کا انسان" شاید شکاری ہونیکے بجائے خود شکار تھا" مندرجہ ذیل تصویر کے ذریعہ یہ بات بخوبی صاف ہوجائے گی۔

یہ کہا جاتا ہے کہ ابتدائی زمانہ کا انسان شکاری تھا۔ اور وہ بھالو، شیر وغیرہ کا شکار کرتا تھا۔ مگر یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ اُس زمانہ میں انسان خرگوش اور چوہے سے بڑے جانوروں کا شکار نہیں کرسکتا تھا۔ بھدے پتھر کے اوزاروں کے ذریعہ بڑے جانوروں کا مارنا مشکل کام تھا۔

پیشہ اور اوزار۔ تواریخی زمانہ کے پہلے کے انسان کا خاص پیشہ شکار کرنا تھا لیکن جس طرح اوپر کہا جاچکا ہے۔ وہ کامیاب شکاری نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اس کے اوزار بھدے اور کمزور تھے۔ اور بڑے تیز بھاگنے والے جانوروں کے سامنے بیکار تھے۔ شاید اُن کو لاٹھیوں اور نکیلی چھڑیوں کا استعمال معلوم تھا۔ وہ بھدے طریقے کی کلہاڑی کا استعمال کرتے تھے۔ لیکن وہ کلہاڑی میں ہتھیا لگانا نہیں جانتے تھے۔ اُنکو دھنش اور تیر کا استعمال بالکل نہیں معلوم تھا۔ اُنکو مچھلی پکڑنے کے لئے جال وغیرہ یا بھالے کا استعمال بالکل معلوم نہ تھا۔ ممکن ہے کہ وہ ہاتھی یا شیروں کو پھنسانے کے لئے کھائی بنا سکتے تھے۔ لیکن ان جانوروں کو پھنسانے کے بعد مار ڈالتے۔ نیز قابو کرنیکی تدبیر بالکل بھدی تھی۔ وہ صرف بڑے بڑے پتھر پھینک کر ہی ان جانوروں کو مارنا جانتے تھے۔ اس طرح سلسلہ وار دھیرے دھیرے یہ لوگ قدرت کو اپنے قابو میں کرتے جاتے تھے۔ اس طرح یہ رفتہ رفتہ تجربہ کے ذریعہ اپنی زندگی کو آرام دہ بنانیکی کوشش کرتے جارہے تھے۔ اُنکو آگ کی معلومات تھی۔ اس کے ذریعہ اُنھوں نے سردی اور برف سے اپنی حفاظت کی۔ آگ میں بھون کر کھانے سے خوراک میں کچھ ذائقہ کی بھی معلومات اُنکو ہوگئی تھی۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آگ اُنھوں نے کیسے حاصل کی۔ وہ خود آگ بنا سکتے تھے یا نہیں۔ یہ مشکوک ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ کھوہوں میں

ہڈیوں اور بھدّے اوزاروں کے ساتھ ساتھ جلے ہوئے کوئلے بھی ملے ہیں۔ آگ اُنکے لئے زندگی تھی اور قدرت کو انسان کے ذریعہ قابو میں کرنے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اُن کے اوزار تیز تو نہ تھے۔ لیکن یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ یہی اوزار زمانہ حال کے تعجب خیز موجب تھے۔ انھیں اوزاروں کی مدد سے پتھر کے زمانہ کے قبل کا انسان بہت سے ایسے کام کر سکتا تھا جن کا کرنا صرف ہاتھوں کے ذریعہ ہی ممکن نہ تھا۔ یہ ترقی بڑی ترقی تھی۔

مصوّری و اظہار خیال کے طریقے ۔ (تقریر۔ لکھنا اور ڈرائنگ وغیرہ) اس زمانہ میں انسان تبادلۂ خیالات۔ آواز۔ اشارے سے۔ چلا کر اور رو کر کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار آنکھوں اور پلکوں کی حرکت۔ منہ بنا کر اور بدن کے دوسرے حصّوں کے حرکات کے ذریعہ کیا کرتے تھے۔ مرد اور عورتیں دونوں اپنی ضرورت کے لئے کافی اشاروں اور آوازوں کا استعمال کرتے تھے۔ مثال کے طور پر کسی حادثہ کے وقت وہ شیر کی گرج کی نقل کرتے تھے۔ اُن کا ذخیرہ الفاظ بہت تھوڑا تھا۔ لفظوں کی مدد سے انسان سوچتا ہے۔ اسلئے ذخیرہ الفاظ محدود ہونیکی وجہ سے پتھر زمانہ کے قبل انسان کے سوچنے کی قوت بھی محدود تھی۔ جس طرح اوزاروں کی کمی اور کمزوری کی وجہ سے وہ شکار میں ناکامیاب رہا کرتے تھے۔ اُسی طرح لفظوں کی کمی کی وجہ سے وہ کسی بات کو عمدہ طریقے سے نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اکٹھا ہو کر وہ یکجائی طریقے سے کوئی تدبیر نہیں سوچ سکتے تھے۔ اسی کمی کی وجہ سے اُن میں سماجی تنظیم نہیں ہو سکتی تھی۔

کھیل اور تفریح ۔ جوان مرد اور عورتیں اور خاص کر بچّے بڑے خوش دل رہا کرتے تھے۔ عورتیں اور مرد ہاتھ میں ہاتھ ملا کر ناچتے تھے۔ وہ کشتی بھی لڑتے تھے۔ وہ پیڑوں پر چڑھتے تھے اور ایک ڈال سے دوسری ڈال پر جھولتے تھے۔ وہ پانی میں تیرتے اور کلیلیں کیا کرتے تھے۔ پتھر اور چھری پھینکنے کا کھیل کھیلتے تھے۔

پتھر کے زمانہ کا آخری دَور

پتھر کے زمانہ کے پہلے کی تہذیب کے مطالعہ کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوا کہ اُن کی زندگی جانوروں کی بہ نسبت کچھ ہی اچھی حالت میں تھی۔ وہ بولنے کی صرف ابتدا ہی کر رہے تھے۔ اُنکی بسر اوقات قدرت پر منحصر تھی۔ ہزاروں برس انسان نے ایسی ہی زندگی گذاری۔ اس کے بعد اُن کی جگہ میں ایسے لوگ آئے جن کے آلات و اوزار پتھر زمانہ کے قبل کے انسانوں سے اچھے اور تیز تھے۔ اب بولنے کی مشق بھی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ مٹی کا برتن نیز کپڑا بنانیکی معلومات بھی اُنکو ہو گئی تھی۔ اب پتھر کے زمانہ کے آخری دَور کی تہذیب کا اظہار بھی موضوعات کی ترتیب کے مطابق دینا مناسب ہوگا۔

ماحول ۔ جس خطے میں پتھر زمانہ کے آخری دور والا انسان رہتا تھا۔ وہ مچھلی مارنے، شکار کرنے نیز کھیتی کرنے

کے لئے بہت مناسب تھا۔ اس خطے میں جھیلیں اور دریا تھے۔ جہاں مچھلیاں بہت تھیں۔ پہاڑیاں جنگلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یہ جنگلی ہرن۔ بھالو۔ چوہے۔ گلہری۔ کبوتر۔ ہنس اور چڑیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس طرح کے ماحول میں رہتے ہوئے اُنھیں روزمرہ کی زندگی کی ضروری چیزوں کے مہیا کرنے میں بڑی سہولت ہوتی تھی۔

خوراک۔ اس کی پیداوار حاصل کرنے کے طریقے۔ پتھر کے زمانہ کے قبل کی دنیا میں لوگوں کو کھیتی کا علم نہ تھا۔ وہ صرف قدرت سے حاصل کئے ہوئے جنگلی بیروں پر ہی قناعت کرتے تھے۔ لیکن پتھر کے زمانہ کے آخری دور میں انسان نے کھیتی کرنا شروع کردیا۔ اور اب اپنی خوراک کی پیداوار کے لئے قدرت کو اپنا ماتحت بنایا۔ لوگوں نے آگ سے جلاکر اور کلہاڑی سے کاٹ کر جنگلوں کو صاف کیا۔ زمین کو صاف کرنے کے بعد لکڑی اور ہڈیوں سے بنے ہوئے ہل کے ذریعہ کھیت کو جوتنا۔ اُن کے ہل کا ڈانڈا تقریباً ۲۷ انچ لمبا تھا۔ ہل کا پھل ہرن کی ہڈی کا بنا تھا۔ کھیتی کے لئے اس طرح کے ہل سے زمین تیار کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ اُن کو موجودہ ہل کی ابتدائی حالت کی بھی معلومات نہ تھی۔ اُنھیں ہل کھینچنے کے لئے گھوڑوں اور بیلوں کا بھی استعمال معلوم نہ تھا۔ بیج بونے کے بعد وہ غیرضروری گھاس کو کھیت میں کبھی جمنے نہ دیتے تھے۔ گھاس وہ اپنی انگلیوں اور لکڑیوں کی بھدی کھرپیوں کے ذریعہ صاف کرتے تھے۔ کھرپیاں کبھی کبھی کچھوے کی کھوپڑی کی بناتے تھے۔ اُن کے کھیتی کے اوزار بھدے تو تھے۔ لیکن اس پیشہ کے ذریعہ اُن کو خوراک دوسرے پیشوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی سے مل جاتی تھی۔ اُن کی کھیتی کی خاص پیداوار اناج۔ تربوز اور سیم وغیرہ تھی۔ کھیتی کے علاوہ اُن کی خوراک کے دوسرے ذریعے ابتدائی زمانہ کی طرح شکار کرنا اور مچھلی مارنا تھا۔

لباس اور سردی گرمی سے حفاظت۔ خوراک کے سلسلے میں اس زمانہ میں لوگوں نے بہت ترقی کرلی تھی۔ لیکن لباس کے بارے میں اب بھی بہت پیچھے تھے۔ سوت کے ذریعہ کپڑا بنانا اُنھیں بالکل معلوم نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ اناج کے ڈنٹھلوں سے چٹائیاں اور اوڑھنے کے کمبل بنا لیتے تھے۔ وہ پیڑوں کے باریک ریشوں سے بھی ایک قسم کا بھدا کپڑا بنا لیتے تھے۔ چمڑے کو وہ اب آگ پر سکھاکر صاف کرتے تھے۔ اس چمڑے کو وہ اپنی

پوشاک بنانے میں استعمال کرتے تھے۔ چمڑے کی پوشاک کو پتلی تانت اور ہڈی یا لکڑی کی سوئیوں کی مدد سے سیتے تھے۔ اپنی پوشاک کو وہ مختلف رنگوں سے سجاتے تھے۔ اس طرح موجودہ ڈھنگ کی پوشاک نیز اُن کے بنانے کے طریقوں کی اُس زمانہ میں ابتدا بھی نہیں ہوئی تھی۔

جائے قیام جائے پناہ اور جانوروں سے کشمکش۔ اس سلسلے میں ایک بات پر غور کرنا بہت موزوں ہوگا۔ انسان جیسے جیسے مہذب ہوتا گیا۔ قدرت پر اُس کا قابو بھی بڑھتا گیا۔ پتھر کے زمانہ کے قبل انسان نے اپنا جائے قیام وہی رکھا جو اُسے بذریعہ قدرت ملا تھا۔ جب پتھر کے زمانہ سے قبل کا انسان کچھ ترقی کر گیا۔ تب اُس نے قدرت کی دی ہوئی چیزوں میں تبدیلی کرنا شروع کر دی۔ مثال کے طور پر جانوروں کے حملے سے بچنے کے لئے اُس نے کھوہ کے منہ پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا۔ اسی طرح وہ جنگلی جانوروں کے خطرے سے بچ گیا۔ یہ انسانی تہذیب کی ترقی کی دوسری سیڑھی تھی۔ اس کے بعد تہذیب کی ترقی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس میں انسان اپنے آرام کے لئے قدرتی چیزوں کی شکل بالکل بدل دیتا ہے۔ اس کا نمونہ ہمیں موجودہ تہذیب میں روز دیکھنے کو ملتا ہے۔ پتھر کے زمانہ کے بعد کے انسان نے مکان بنانے میں اپنے بزرگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تبدیلی کی۔ اِن کے مکان بھی آجکل کی طرح بنتے تھے۔ وہ لمبے مکان بنانا پسند کرتے تھے۔ وہ لمبی دیواریں بناتے تھے۔ چوڑائی کی طرف کی دیوار لکڑی اور مٹی کی بناتے تھے۔ اس دیوار کے درمیان کے حصّہ کو اُٹھا دیتے تھے۔ اس حصّہ پر لمبی شہتیر رکھتے تھے۔ اُس شہتیر سے ملاکر لمبی دیوار پر لکڑی کی چھوٹی چھوٹی شہتیریں رکھتے تھے۔ اب اوپری چھت کو چوڑے پتلے گھاس۔ پتی اور مٹی ملاکر ڈھک دیتے تھے۔ چھت میں ایک کنارے پر ایک سوراخ دھواں نکالنے کے لئے بناتے تھے۔ وہ بلیوں اور شہتیروں کو مضبوط پتلے چھلکوں کے ذریعہ باندھتے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں کو دھات اور لوہے کی کیلوں کا علم ابھی نہ تھا۔ مکان کے اندر وہ ضرورت کے مطابق حصّے کر دیا کرتے تھے۔ گھر کے اندر دیواروں سے لگا ہوا ۲ دو فیٹ اونچا چبوترہ شہتیروں کا بناتے تھے۔ یہ اُن کے بیٹھنے کا کام دیتا تھا۔ کچھ زیادہ اونچائی پر دیواروں پر کھونٹے گاڑتے تھے۔ اور اُن پر شہتیریں بچھاکر خانے (Shelf) بناتے تھے۔ اسی پر گھر کے برتن نیز دیگر سامان

رکھتے تھے۔ ان مکانوں میں کھڑکیاں نہیں ہوتی تھیں۔ اور صرف دو دروازے ہوتے تھے۔

ان کے مکان اکثر جُدا جُدا ہوتے تھے۔ پر کبھی کبھی اپنے کئی مکان ایک ساتھ بنا دئے جاتے تھے۔ اس طرح ایک گاؤں بنتا تھا۔ جب یہ لوگ ایسے گاؤں ایک مقام پر بنا لیتے تھے۔ تو یہ گھر جب دس یا پندرہ سال تک ایسے ہی رہتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب تک ان کو غذا کی سہولت کسی مقام پر رہتی تھی۔ تب تک وہیں پڑے رہتے تے۔ ایک ہی مکان میں بہت سے لوگ رہا کرتے تھے۔ ایک ہی کمرہ میں گھر کے نیز کھیتی کے سبھی سامان رکھتے تھے۔ اس طرح اُن کے مکان بہت گندے تھے اور ان میں بڑا شور بھی ہوا کرتا تھا۔

ان کے اوزار پہلے کی بہ نسبت اعلیٰ درجہ کے تھے۔ اب انھیں جانوروں سے پہلے کی طرح خوف نہیں رہ گیا۔ محفوظ مکانوں کے بن جانے سے جانور پہلے کی طرح ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ اب وہ کُتّے بھی پالنے لگے تھے۔ ان سے گھر کی رکھوالی ہوتی تھی۔ اور شکار میں بڑی امداد ملتی تھی۔ ابھی تک انھوں نے گھوڑا پالنا نہیں سیکھا تھا۔ اس لئے جب کبھی خوفناک جانوروں کے جنگل میں پڑ جاتے تھے۔ اُس وقت اُن سے چھٹکارا پانا مشکل ہو جاتا تھا۔ پیدل دوڑ کر ان تیز دوڑنے والے جانوروں سے بچنا دُشوار تھا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اب شکار کو پھنسانے اور مارنے کی ترکیبوں میں بہت ترقی کر گئے تھے۔ اُن کے پاس تیز بھالے۔ تیر اور کمان تھے۔ یہ اوزار اِن کو شکار کرنے۔ نیز جنگلی جانوروں کے حملے سے بچنے میں بڑی امداد کرتے تھے۔

بقیہ مضمون صفحہ ۲۷۲

یا اور کسی دوسری میں دکھائے جا سکتے ہیں۔

ب۔ اعادہ و تکرار۔ ماڈل میں ایک ہی شکل نیز خطوط کا دوہرایا جانا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ ایسا کرنے میں دیکھنے والے کی آنکھیں پورے ماڈل پر مسکن رہیں گی۔ اور ماڈل کی خوبصورتی کا دلکش منظر پیش کرتی رہیں گی۔ یہ ممکنات میں سے ہے کہ دیکھنے والے کی توجہ ماڈل کی طرف مبذول ہو جائے مگر اس کی خصوصیات نیز اوصاف مخصوص نگاہیں نہ ڈال سکے۔ اس کشش کو روک رکھنے کی ماڈل میں طاقت نہیں ہے ایسا کرنے سے ماڈل میں گانے کی لے کی طرح لہریں ظہور پذیر ہو جاتی ہیں اور آنکھوں کو ایک قسم کی مدد پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں آسانی حاصل ہوتی ہے۔ باقی دارد

"تتلی"

(از جناب سیتارام نگم - بی - اے - ایل - ٹی - الہ آباد)

(مذہبی عقیدے سے)

بچو! جگنو اور چمپی کی کہانی تم پڑھ چکے ہو۔ چمپی کے کچھ دنوں بعد کا واقعہ ہے۔ ایک ندی کے کنارے ایک بہت بڑا گھاس کا میدان تھا۔ اس میدان میں خانہ بدوش چرواہوں کا ایک گروہ اپنے ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔

ان لوگوں نے اس گھاس کے میدان میں جہاں کہ گھاس کچھ کم تھی اپنے ڈیرے لگا رکھے تھے۔ ان کے ڈیرے چمڑے کے تھے۔ ہر ایک کے پاس ہزاروں چوپائے تھے۔ یہ سب چرواہے اپنے جانوروں کو اسی گھاس کے میدان میں چراتے تھے۔ یہ گھاس کا میدان بہت بڑا تھا۔ بہت دور تک میلوں ہری ہری گھاس اُگی تھی۔ ان چرواہوں کے جانور دن بھر خوب گھاس چرتے اور پیاس لگنے پر ندی کے کنارے جاکر پانی پیتے تھے۔ شام کو یہ لوگ اپنے اپنے جانوروں کو اپنے اپنے ڈیروں کے پاس لے آتے۔ لڑکیاں دودھ دینے والے جانوروں کا دودھ نکالتیں۔ عورتیں کھانا پکاتیں۔ سب لوگ کھا پی کر اپنے اپنے ڈیروں میں سو جاتے۔

اتنے اچھے گھاس کے میدان کو پاکر چرواہے بہت خوش تھے۔ اس میدان میں اتنی زیادہ گھاس تھی کہ اس کے ختم ہو جانے کا ان لوگوں کو اندیشہ نہ تھا۔ اس لئے یہ لوگ بے فکر ڈیرے ڈالے پڑے تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ جاتے تھے۔ بہت دنوں سے اسی میدان میں پڑے تھے اور اپنا وقت مزے سے گزار رہے تھے۔

انھیں چرواہوں میں ایک چرواہا تھا۔ اُس کے ایک لڑکی تھی۔ اُس لڑکی کی ماں اُسے پیار سے تتلی کہکر پکارتی تھی۔ اُس کی عمر قریب پانچ برس کے تھی۔ تتلی بہت خوبصورت تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کو بہت پیاری تھی۔ تتلی دن بھر ہنسا کرتی تھی۔ روتے تو کسی نے اُسے دیکھا ہی نہ تھا۔ اُس کی پیاری پیاری باتیں سب کو اچھی لگتی تھیں۔ تتلی کی ماں نے اُس کے لیے چمڑے کا ایک لبادہ بنا دیا تھا۔ اس لبادے کے اوپر رنگین، ملائم اور چمکیلے بال تھے۔ جب اُس کی ماں اس لبادے کو اُس کو پہنا دیتی تو وہ اور زیادہ خوبصورت دکھائی پڑنے۔ اس رنگین لبادے کو پہن کر تتلی ایک ڈیرے سے دوسرے ڈیرے میں دوڑ کر جاتی۔ جب لوگ اُسے اپنی طرف آتا دیکھتے تو وہ "تتلی آئی۔ تتلی آئی" کہکر شور مچانے لگتے۔ جو اُسے سب سے پہلے پکڑ پاتا گود میں اُٹھا لیتا اور اُسے پیار کرتا۔ لیکن تتلی زیادہ دیر تک کسی کی گود میں رہنا

پسند نہ کرتی۔ وہ فوراً نیچے اتر پڑتی۔ اور اِدھر اُدھر دوڑنے
لگتی۔ ڈیروں کی عورتیں اور بڑی لڑکیاں اپنا کام بند
کر دیتیں اور تتلی کی میٹھی میٹھی باتیں سنا کرتیں۔ لیکن
بہت دیر تک تتلی ایک ڈیرے پر بھی نہ رہتی۔ وہ کچھ دیر
وہاں رہنے کے بعد دوڑ کر کسی دوسرے ڈیرے پر پہنچ
جاتی۔ اور ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگتی۔

یہ چرواہے تتلی کو بہت پیار کرتے تھے۔ بھلا ایسی
خوبصورت اور ہنس مکھ لڑکی کس کو پیاری نہ ہوگی۔ پھر
ماں باپ کا کہنا ہی کیا۔ وہ تو اس پر جان دیتے تھے۔
تتلی صبح بہت جلدی سو کر اُٹھ جاتی تھی۔ اُس کی ماں
اُس کو رنگین بالوں والا لبادہ پہنا دیتی تھی۔ وہ کچھ کھا کر
کھیلنے نکل جاتی تھی۔

ایک دن بہت دیر ہو گئی لیکن تتلی سو کر نہ اُٹھی۔
تتلی کی ماں ڈیرے کے اندر گئی اور تتلی کو جگانا چاہا۔
اُس نے کہا "تتلی اُٹھ! بہت دیر ہو گئی" لیکن وہ نہ بولی
اب وہ تتلی کے پاس گئی۔ اُس نے جا کر دیکھا کہ تتلی کا
چہرہ لال لال خوفناک ہو گیا ہے اور اُس کی سانس
زور زور سے چل رہی ہے۔ تتلی کی ماں نے اُس کے
جسم پر اپنا ہاتھ رکھا تو اُس نے گھبرا کر جلدی سے
اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ تتلی کا بدن آگ کی طرح جل رہا تھا۔
یہ دیکھ کر وہ زور زور سے رونے لگی۔ تتلی کی ماں کا
رونا سن کر تتلی کا باپ بھی ڈیرے کے اندر آگیا
اور اُس سے رونے کا سبب پوچھا۔ تتلی کا حال
دیکھ کر اُس کے بھی ہوش اُڑ گئے لیکن اُس نے
اپنے کو سنبھال کر کہا "گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی جا کر
"بڈھے کاکا" کو بلا لاتا ہوں۔ وہ ضرور اسے اچھا
کر دیں گے۔" یہ کہہ کر تتلی کا باپ "بڈھے کاکا" کو بلانے
چلا گیا۔

ان چرواہوں میں ایک بڈھا چرواہا تھا۔
کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ اُس کی عمر کیا ہے۔ سب نے
اُسے اپنے لڑکپن سے ایسا ہی دیکھا تھا۔ اُس کے
سب بال سفید ہو گئے تھے۔ اُس کی لمبی داڑھی تھی۔
داڑھی کے بال بھی سفید ہو گئے تھے۔ اُس کی کمر
جھک گئی تھی۔ وہ لاٹھی کے سہارے چلتا تھا۔ اُسے
ہزاروں کہانیاں یاد تھیں جن کو سن کر چرواہے
خوش ہوتے تھے۔ وہ اپنے شکار کا حال ان چرواہوں کو
سناتا اور انوکھے انوکھے جانوروں کا حال بتاتا۔ سب
چرواہے اُس سے بہت خوش تھے اور اُس کی بڑی
عزت کرتے تھے اور اُسے "بوڑھے کاکا" کہتے تھے۔

تتلی کا باپ دوڑتا ہوا اُس "بوڑھے کاکا" کے پاس
گیا اور سارا حال سنایا۔ بوڑھے کاکا نے اپنی لاٹھی
اُٹھائی اور تتلی کے ڈیرے کی طرف چل دیا۔ اب تک
یہ خبر سب ڈیروں میں پہنچ گئی تھی۔ سب لوگ تتلی
کے ڈیرے پر جمع ہو گئے تھے۔ تتلی سب کو پیاری
تھی۔ اُس کی حالت کو دیکھ کر افسوس ظاہر کر رہے
تھے۔ عورتیں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ دھیرے

دھیرے دھیرے لکڑی کے سہارے چلتا ہوا
"بوڑھا کاکا" تتلی کے ڈیرے کے پاس آ گیا۔
اُس کو آتا دیکھ کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔
عورتوں نے رونا بند کر دیا۔ وہ ڈیرے کے اندر گیا
اور جا کر تتلی کو دیکھا۔ اُس نے اپنا ہاتھ تتلی کی
پیشانی پر رکھا۔ سچ مچ اُس کا ماتھا آگ کی طرح جل
رہا تھا۔ یہ دیکھ کر "بوڑھے کاکا" اپنا سر ہلایا اور کہا۔
"اچھا! میں سمجھ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج رات کو
"جنگل کی آگ" ادھر سے نکلی۔ وہ بھوکی ہو گی۔ یہاں
درخت تو ہے ہی نہیں۔ وہ کھانے کی تلاش میں
ڈیرے کے اندر گئی ہو گی۔ اُس کی نظر تتلی پر پڑی
ہو گی۔ بھلا ایسی خوبصورت لڑکی کس کو اچھی نہ لگے گی۔
اب آگ کی دیوی اُسے اپنے ساتھ لیجانا چاہتی ہے۔"
یہ سُن کر تتلی کی ماں۔ ہائے میری تتلی! ہائے میری
بیٹی!! ہائے میری تتلی!!! ہائے میری تتلی!!!!"
کہہ کر رونے لگی۔ دوسری عورتیں بھی اسی طرح
رونے لگیں۔ لڑکیاں اور لڑکے سسکیاں بھرنے
لگے۔ مردوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ دیکھ کر
"بوڑھے کاکا" نے سب کو ڈانٹا اور چلا کر کہا۔ چپ ہو جاؤ۔
گھبراؤ نہیں۔ میں بھی تتلی کو پیار کرتا ہوں۔ تتلی کو میں
بچا لوں گا لیکن بڑی محنت کرنی پڑے گی۔"
"بوڑھے کاکا" کی یہ بات سُن کر لوگوں کو کچھ
تسلی ہوئی۔ اور اُس نے تتلی کو بچانے کی ترکیب
پوچھنے لگے۔ اُس نے کہا۔" میں اپنے ڈیرے پر
جاتا ہوں۔ میں سات دن تک کچھ نہ کھاؤں گا۔
تتلی کی ماں اور باپ بھی سات دن تک کچھ نہ کھائیں
میں برابر آگ کی دیوی کی پرارتھنا کروں گا کہ وہ تتلی
کو چھوڑ دے۔ مجھے اُمید ہے آگ کی دیوی اُس کی
جان چھوڑ دیگی۔" لیکن آگ کی دیوی کی بھوک مٹانے
کے لئے اُس نے تتلی کے باپ سے کہا۔" اپنے
چوپایوں میں سے عمدہ پانچ جانوروں کو چنو۔ ورنہ تو
دور جنگل میں لے جاؤ۔ جب تم جنگل میں پہنچ جاؤ
تو کھڑے ہو کر آگ کی دیوی سے پرارتھنا کرنا" ہے
آگ کی دیوی! میں تیرے لئے کھانا لایا ہوں۔ تو انہیں
کھا کر میری تتلی کو چھوڑ دے۔" یہ کہہ کر اپنے بھرے
ان جانوروں کا سر دھڑ سے جُدا کر دینا اور واپس
لوٹ آنا۔ مگر خبردار پیچھے مُڑ کر نہ دیکھنا۔ نہیں تو آگ
کی دیوی تم کو خاک کر دے گی۔" یہ سن کر تتلی کا باپ
اپنے چوپایوں میں سے پانچ موٹے موٹے جانوروں کو
لے کر جنگل کی طرف چلا گیا اور وہاں جا کر جیسا کہ
"بوڑھے کاکا" نے کہا تھا سب کام کیا اور واپس آ گیا۔

سات دن اور سات رات تتلی کے ماں باپ
بھوکے پیاسے تتلی کے پاس بیٹھے رہے۔ "بوڑھے
کاکا" نے بھی کچھ نہ کھایا۔ یہ سب رات دن آگ کی
دیوی کی پرارتھنا کرتے تھے کہ وہ تتلی کی جان بخش دے۔
بوڑھا کاکا روز آ کر تتلی کو دیکھ جاتا تھا اور امید دلا جاتا

اور اُمید دلا جاتا تھا کہ تتلی اچھی ہو جائے گی۔ ساتویں
رات کو "بوڑھا کاکا" بھی تتلی کے پاس آگیا۔ اُس کا
کہنا تھا کہ کل صبح تک تتلی ضرور اچھی ہو جائے گی۔
وہ رات بھر جاگتا رہا اور تتلی کے پاس بیٹھا رہا۔ وہ
بار بار تتلی کے جسم پر ہاتھ رکھتا اور برابر آگ کی دیوی
کی پرارتھنا کرتا جاتا تھا۔ آدھی رات کے بعد تتلی نے
آنکھ کھول کر دیکھا اور پانی مانگا۔ بوڑھا کاکا خوش ہو گیا
اور اُس نے تھوڑا سا پانی اُس کے منہ میں ڈال دیا۔
سچ مچ آگ کی دیوی نے اُس کی دعا سُن لی۔
آہستہ آہستہ تتلی کا جسم جو کہ آگ کی طرح جل رہا تھا
ٹھنڈا ہونے لگا اور صبح ہوتے ہوتے اتنا ٹھنڈا
ہو گیا جیسا کہ تندرست آدمی کا ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر
سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ صبح ہونے پر تتلی پھر
باتیں کرنے لگی۔ مگر کمزور بہت ہو گئی تھی۔ اس وجہ
سے اُٹھ نہ سکتی تھی۔ سب ڈیرے والے جب صبح
تتلی کو دیکھنے آئے تو تتلی کو اچھا دیکھ کر بہت خوش
ہوئے اور بوڑھے کاکا کی تعریف کرنے لگے۔ بوڑھے
کاکا نے کہا۔ "ابھی مجھے بہت کام کرنا ہے۔ آگ
کی دیوی کو خوش کرنا آسان کام نہیں ہے۔ میں
اس وقت جا رہا ہوں۔ دیکھو تتلی کو کھانے کو ابھی
کچھ نہ دینا۔ نہیں تو آگ کی دیوی پھر ناخوش
ہو جائے گی۔ جب بہت بھوک چلائے تو پہلے
پانچ تھیلے دودھ کے بھر کر آگ کی دیوی کے لئے جنگل میں
رکھ آنا۔ تب پھر آکر تھوڑا سا دودھ تتلی کو پینے کو
دینا۔ شام کو میں پھر آؤں گا اور تب بتلاؤں گا کہ
اب اور کیا کرنا ہے۔" یہ کہہ کر بوڑھا کاکا اپنے
ڈیرے کو چلا گیا۔

تتلی کے باپ نے پانچ تھیلے دودھ سے
بھر کر رکھ دئے، اور سارے کام اُسی طرح کئے جیسا
کہ بوڑھا کاکا اُس سے کرنے کو کہہ گیا تھا۔ شام کو
بوڑھا کاکا پھر آیا اور تتلی کو دیکھ کر بہت خوش
ہوا اور کہا "تتلی کو کھانے کو دودھ کے علاوہ
اور کچھ نہ دینا جب تک کہ وہ خوب اچھی طرح سے
چلنے پھرنے نہ لگے۔" پانچ چھ دن میں تتلی بالکل
اچھی ہو گئی۔ ایک دن بوڑھا کاکا پھر آیا اور تتلی کو
دیکھ کر کہا۔ "اب تو تتلی بالکل اچھی ہو گئی ہے۔
آج شام کو آگ کی دیوی کو خوش کرنے کے لئے
کچھ کام کرنے ہوں گے۔ میں شام کو آؤں گا اور
تب سب لوگ جیسا کہ میں بتلاؤں کریں جس سے
آگ کی دیوی تتلی کو پھر نہ ستا دے۔"

شام کو بوڑھا کاکا پھر آیا اُس نے سب
ڈیرے والوں کو میدان میں جمع کیا۔ تتلی کی ماں نے
اُسے رنگین بالوں والا لبادا پہنا دیا تھا۔ وہ کمزور
ضرور تھی مگر اس لبادے کو پہن کر بڑی اچھی لگ
رہی تھی۔ آج سب لوگ تتلی کو اچھا دیکھ کر بہت
خوش تھے۔ "بوڑھے کاکا نے کچھ لکڑی کے کندلے

میدان میں جمع کیا اور ان کو اپنے چق مق پتھر سے آگ بنا کر جلا دیا۔ تھوڑی دیر میں اُن سے اونچی لپٹ نکلنے لگی۔ اس کے بعد اُس نے سب ڈیرے والوں کو ایک ایک چوپایہ لانے کو کہا سب لوگ ایک ایک جانور لے آئے۔ بوڑھے کاکا نے اپنی تیز کلہاڑی سے سب جانوروں کا سر دھڑ سے جُدا کر دیا اور ان سروں کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے اور بوڑھے کاکا کے کہنے کے مطابق آگ کی دیوی کی پرارتھنا کرنے لگے کہ "اے آگ کی دیوی! اُن پر دیا کر۔ تیتلی کی طرح ان کو یا ان کے بچوں کو نہ ستاوے۔" یہ پرارتھنا کرنے کے بعد سب جانوروں کی کھال نکالی گئی اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے سارا گوشت اس آگ کے پاس اُبالا گیا۔ سب نے مل کر آج کھانا یہیں کھایا۔

آج رات کو میدان میں چاندنی پھیلی تھی۔ تیتلی کے اچھا ہو جانے سے سب بہت خوش تھے۔ مارے خوشی کے وہ لوگ آگ کے چاروں طرف ناچنے لگے۔ ایک آدمی دوڑ کر اپنے ڈیرے کے اندر گیا اور شیر کی کھال پہن کر آ گیا۔ دوسرا چرواہا ہرن کی کھال پہن کر آیا۔ شیر ہرن پر جھپٹتا تھا لیکن ہرن چوکڑی بھر کر دور بھاگ جاتا تھا۔ اس طرح بہت دیر تک شیر اور ہرن کے شکار کا کھیل ہوتا رہا۔ جب یہ کھیل ختم ہوا تو ایک عورت اپنے ڈیرے سے آئی اُس نے اپنا چہرہ کالا رنگ لیا تھا اور سر کے بالوں میں دو سینگ کھونس لئے تھے۔ ایک دوسرا آدمی آیا جو کہ باگھ کی کھال پہنے تھا اور گلے میں مرے ہوئے جانوروں کی کھوپڑیوں کی مالا بنا کر پہنے تھا۔ یہ دونوں بہت دیر تک آگ کے پاس ناچتے رہے۔ اس طرح سے ان لوگوں نے بہت سے کھیل کئے — ساری رات اسی طرح بیت گئی

موجودہ جنگ اور تعلیم

یہ مضمون ایک معمولی معلّم کے نقطۂ نظر سے لکھا جا رہا ہے۔ موجودہ جنگ کے بارے میں معلّم کو کن کن باتوں کی واقفیت اپنے طلبار کو کرانی چاہیے۔ اُسی کی جانب اس مضمون میں صرف ایک اشارہ کیا گیا ہے۔

اُمید ہے کہ مدرسین اپنے طلبار کو جنگ سے متعلق زیادہ سے زیادہ باتوں کی واقفیت کرا کر اُن کی واقفیت عامّہ میں اضافہ کریں گے۔

تعلیم کو اصل بنانے کے لئے ہی بنیک تعلیم کی

اسکیم میں ربط کے طریقے کو شامل کیا گیا ہے۔ بچوں کی تعلیم کا تعلق اُن کے کئے ہوئے ایک یا زیادہ خود کردہ کاموں سے یا اُن کے قدرتی اور سماجی ماحول سے ہو۔ ممالک متحدہ کی تعلیمی کمیٹی نے جس کا انتخاب از سرنو ہوا ہے اپنی رپورٹ میں بیسک تعلیم کی اصلاح مندرجہ بالا طریقہ سے کی ہے۔ اور چونکہ موجودہ جنگ کا ہمارے ملک کی زندگی سے گہرا تعلق ہے نیز موجودہ زمانے کا یہ ایک ایسا اہم واقعہ ہے جس کا اثر تمام دنیا پر پڑ رہا ہے۔ اور زندگی کا کوئی بھی پہلو اس سے بے داغ نہیں بچا ہے اس لئے اس واقعہ کا ہمارے بچوں کی تعلیم میں ایک خاص مقام ہونا چاہیئے بلکہ دیگر ذرائع کے ساتھ اس واقعہ کو بھی ان کی تعلیم کا ایک ذریعہ بنانا چاہیئے۔

آجکل ہمارے ملک کے ہر ایک بچے کو جو ابتدائی تعلیم (Primary) کی اونچی جماعت میں پڑھتا ہے نئی سائنس کی ایجادات کے نام اور کام سے واقف ہونا چاہیئے۔ اس موجودہ جنگ کے بارے میں بہت سی ایجادات ہوئی ہیں۔ لہذا بچوں کو ان ایجادات کے بارے میں واقف کرانے کے لئے موجودہ زمانے سے مناسب اور کوئی زمانہ نہیں ہوسکتا۔ معلّم کو چاہیئے کہ وہ جنگ میں کام آنے والی مختلف ایجادات مثلاً ہوائی جہاز۔ بن ڈبی۔ پانی کی سرنگ۔ پیراشوٹ ٹینک اور بم وغیرہ کی تصاویر اسکول میں لگائیں۔

معلّم کو خود مندرجہ بالا ایجادات کی تصاویر اخبارات میں نکلی ہوئی تصاویر کی مدد سے اسکول میں آویزاں کرنے کے قابل تیار کرے نیز اُن تصاویر کے نیچے اُن کے بارے میں واقفیت کے لئے کچھ بھی لکھدے۔ اگر معلّم بذات خود تصویر نہیں بنا سکتا ہے تو اُسے جنگ سے متعلق اخبارات نیز دیگر رسائل سے تصویر کاٹ لینا چاہیئے۔ اور پھر انھیں کسی بڑے کاغذ یا دفتی پر چپکا کر انھیں اسکول میں لگانا چاہیئے۔ اس طرح چپکی ہوئی تصاویر کے نیچے بھی معلّم کو اُن کے نام وغیرہ لکھ دینا چاہیئے۔ اسکول میں اس طرح کی تصاویر ہونے سے بچوں کی واقفیت میں اضافہ ہوگا اور انھیں پڑھنے کی مشق بھی ہوگی۔ اچھا ہو کہ مدرس مندرجہ بالا ایجادات کے دفتی یا مٹی کے بنے ہوئے ماڈل بھی تیار کرے اور انھیں اپنے اسکول میں سجائے۔

کبھی کبھی معلّم کو کسی خاص ایجاد کے بارے میں بچوں کو واقفیت کرانے کے لئے اُسکے بارے میں سبق بھی پڑھانا چاہیئے۔ نیز اُس کی تصویر بچوں کے سامنے رکھنا چاہیئے۔ اور وقتاً فوقتاً اخبار اور رسالے میں مندرجہ بالا مضامین پر شائع شدہ مضامین اپنے طلبار کو پڑھ کر سنانا چاہیئے۔

ہر ایک پرائمری اسکول میں خاص طور سے بیسک اسکول میں جو ایک نئی زندگی کے مخرج ہیں بچوں کی انجمن کا ہونا لازمی ہے۔ بچوں کی انجمن۔ دلچسپی پیدا کرنے

کے ساتھ ساتھ اُن کی تعلیم کا بھی ذریعہ ہونا چاہیئے۔
بچوں کی انجمن کے جلسے کے موقع پر دیگر پروگرام کے
ساتھ ساتھ کسی بچے کی تقریر کسی نئی ایجاد پر جس کا تعلق
سائنس سے ہو نی چاہیئے۔ اُسے اپنی اس
تقریر سے متعلق ایجاد کی تصویر بھی اپنے ساتھیوں
نیز دیگر سامعین کے روبرو تختہ سیاہ پر کھینچنا چاہیئے۔
میں یہ بات اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر لکھ رہا ہوں اور
میں بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ بچے کے ذریعہ اس قسم
کی تقریریں نہایت ہی موزوں ہیں۔ ہمارے بیسک ماڈل اسکول
کے بچوں نے وقتاً فوقتاً جس سرنگ۔ ٹینک۔ پیراشوٹ نیز ہوائی جہاز
وغیرہ پر لکچر دیئے ہیں اور لکچر دیتے وقت ان کی تصاویر بھی تختہ سیاہ
پر بنائی ہیں۔

علاوہ ازیں ہمارے اسکولوں میں اُن سب بڑے آدمیوں کی تصاویر
ہونا چاہیے جو اس جنگ سے متعلق ہوں۔ ان تصاویر میں خاص خاص
اشخاص کی تصاویر اسکول کی دیوار پر آویزاں ہوں باقی سب کسی
البم میں رکھے ہوں۔ ہر شخص کی تصویر کے ذیل میں اسکا تعارف
اور موجودہ جنگ کے بارے میں اسکا بیان درج ہو۔ تعارف
اور بیان ایسا ہونا چاہیے جس سے بچوں میں اتحادیوں کے مدبروں
کے زیر سایہ اعتماد پیدا ہو اور مرکزیوں سے متعلق لوگوں نیز اُنکے
اصولوں کے لئے نفرت پیدا ہو۔

اس ملک کے بچوں کو اس بات کا فخر ہونا چاہیے کہ اُنکا ملک
اس جنگ میں قابل فخر حصہ لے رہا ہے۔ ہندوستان کے لوگ
کافی تعداد میں سپاہی بنکر میدان جنگ میں اپنی بہادری کا ثبوت
دے رہے ہیں۔ اُنکی بہادری کی تعریف چاروں طرف ہو رہی ہے۔
اسلئے اس ملک کے بچوں کو ہندوستانی بہادروں کی واقفیت ہونا
ضروری ہے۔ اُنھیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ انکے
ملک کے کن کن بہادروں کو "وکٹوریا کراس" ملا ہے۔ ان
سب کی تصویریں اسکول میں ہونا لازمی ہے۔

نگراں اصحاب کو بھی اب صرف کتابی واقفیت اور دیگر
پرانی باتوں کو جانچ کر ہی اپنا کام ختم نہ کر دینا چاہیے۔ انھیں
تو بچوں کی واقفیت عامہ کو جانچ کر اس بات کا پتہ لگانا چاہیئے
کہ اسکول کا کام زمانہ کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں۔ ایسا تو نہیں ہے
کہ زندگی کے خاص خاص واقعات اور انقلابات سے اسکول
بالکل بے خبر ہے اور معلم تعلیمی کام صرف لکیر ہی پیٹ کر کر رہا ہے۔
نگراں کو یہ بات ہمیشہ خیال میں رکھنا چاہیئے کہ وہ ایک
نکتہ چیں کی بہ نسبت ایک سچا مددگار نیز مشورہ کار بنکر اپنے
کام میں زیادہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس ملک کے معلموں کی
قابلیت نیز نقطہ نظر بہت ہی محدود ہونے کی وجہ سے نگراں کی
ذمہ داری اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اسلئے اسے کبھی نہ بھولنا
چاہیئے کہ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ ایسا لٹریچر نیز اخبار وغیرہ رکھنا
چاہیئے جس سے اس کے مدرسین فائدہ اُٹھا سکیں وہ
خود اپنے زیر نگرانی مدارس میں نئی باتوں کے پھیلانے
کا ذمہ دار ہے۔

نوٹ۔ مدرسین کو ملکی نیز صوبجاتی سرکاروں
کے ذریعہ شایع کردہ جنگی اخبارات اور لٹریچر کا برابر مطالعہ
کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اسی مطالعہ کی بنا پر ہی وہ مندرجہ بالا
باتوں کی تعلیم اپنے طلبا کو دے سکتے ہیں۔

پرنٹر و پبلشر رائے صاحب رام دیال گرووالا کرہ

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب، مولوی، فاضل — ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربی، فارسی، اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس — قیمت ۲ آنہ —

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولس کے لیے مرتب کیا ہے — انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے — اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلیٰ درجے کا انتخاب ہے —

سونے کا نوالہ — مترجمہ مولوی عابد حسین صاحب زیدی، ایم اے — ال ٹی — ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور —

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ و پر اثر قصہ ہے — زبان نہایت صاف اور شستہ ہے — قیمت ۲ آنہ —

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفہ رام نرنجن پرشاد — لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۶۰ — قیمت ۴ آنہ —

الہ دین اور اس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں —

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفہ منسکھ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی —

لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۴۴ — قیمت ۴ آنہ —

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں —

گلدستۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسین صاحب، ماضی ٹیچر پارڈ ہائی اسکول مرادآباد —

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق — — یہ اسم بامسمیٰ ہے — اس میں مختلف قسم کے ۴۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین محققین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں — مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستۂ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے — اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۴۷۰ ہیں — باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۱ آنہ —

ڈھنگ امثال — مولفہ سید مسعود حسن صاحب رضوی — ایم اے — لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی — لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم، جیبی سائز، صفحات ۲۳۷ — قیمت ۱۰ آنہ —

یہ اردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے، عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں — ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے ان کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے — ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے — طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے —

خطوط نویسی — مرتبہ مولوی محمد رحیم بجنوری، فاضل دیوبند — قیمت ۲ آنہ —

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں — عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے — بچوں کے لیے بہت مفید ہے —

رائے صاحب رام دیال اگروالا، پرنٹر و پبلشر الہ آباد

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad

Registered No. 167-A

اپریل سنه ۱۹۴۳ع

ایڈیٹر
ڈاکٹر عباد الرحمن خاں
پی ایچ - ڈی - (لنڈن)

سررشتۂ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ رائے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر، الہ آباد، سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم، مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں، ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم، اشارات، سائینس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں، قدرتی و طبعی مناظر، تعلیم نسواں، نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے معوض مضمون‌نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت براے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ راے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد، سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جاے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۲۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے، یہ یاد رکھیے -

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک راے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد، سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

پبلشر- راے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد

جلد ۴۳	اپریل سنہ ۱۹۴۳ء	نمبر ۱۳

لڑکوں کے ورناکیولر مڈل اسکولوں کے درجہ ۶ کا کریکیولم

من ابتدائے جولائی سنہ ۱۹۴۳ء

(نصاب کے مضامین وہی ہونگے جو درجہ ۵ میں ہیں)

نوٹ نمبر۱:-

سنہ ۴۴-۱۹۴۳ء میں درجہ ہفتم میں حسب ذیل کریکیولم کی پابندی نہ ہوگی۔

نوٹ نمبر۲:-

زراعت یا مینول ٹریننگ یا دیہی علم یا آرٹ اور کرافٹ

۱- کوئی ورناکیولر مڈل اسکول ورناکیولر فائنل امتحان میں اپنے لڑکوں کو صرف زراعت یا مینول ٹریننگ یا دیہی علم یا آرٹ اور کرافٹ میں بھیج سکتا ہے بشرطیکہ اس اسکول کو انسپکٹر صاحب سرکل نے اس مضمون کے لئے اجازت دی ہو- ان اسکولوں میں جہاں کہ درجات ۵ میں صرف ایک فریق ہو وہاں طلبا تیسرے سال اور اسکے بعد سے ہر سال میں جس وقت سے کہ انھیں زراعت یا مینول ٹریننگ یا دیہی علم یا آرٹ اور کرافٹ میں شامل ہونے کی اجازت دی ہو- امتحان ورناکیولر فائنل میں زراعت یا مینول ٹریننگ یا دیہی علم یا آرٹ اور کرافٹ میں شریک ہونگے اور جن ورناکیولر مڈل اسکولوں کے درجات ۵، ۶، ۷ میں ایک سے زائد فریق ہوں ان اسکولوں کے ہر درجہ کے

صرف ایک ہی فریق والے طلبہ ان مضامین کو پڑھینگے
اور وہی ورناکیولر فائنل امتحان میں ان مضامین میں
شریک امتحان ہونگے۔

۲۔ جن ورناکیولر مڈل اسکولوں کو زراعت یا
مینول ٹریننگ یا دیہی علم کی تعلیم دینے کی اجازت
یکم جولائی ۱۹۲۸ء میں مل گئی ہے یا اسکے بعد سے مل جائیگی
اور ان کے درجات ۵، ۶، ۷ میں صرف ایک ایک ہی
سیکشن ہونگے تو ان اسکولوں میں بجز زراعت یا مینول
ٹریننگ یا دیہی علم کے اور کوئی اختیاری مضمون جو انکا
بدل ہو منظوری کے بعد پہلے سال درجہ ۵ میں، دوسرے
سال درجہ ۶ میں، تیسرے سال درجہ ۷ میں نہ پڑھایا
جائے گا۔

نوٹ نمبر ۳:۔

ابتدائی تجارتی طریقے

ابتدائی تجارتی طریقوں کا مضمون جیومیٹری سے تبدیل
کیا جا سکتا ہے۔ کوئی اسکول اپنے لڑکوں کو اس مضمون
میں ورناکیولر فائنل امتحان میں شریک نہیں کر سکتا
جب تک کہ اسکی تعلیم کی منظوری جناب ڈائرکٹر صاحب
سررشتہ تعلیم سے باقاعدہ حاصل نہ کر چکا ہو۔ اس مضمون
کے پڑھانے کے لئے جماعتیں صرف ایسے مقامات پر
کھولی جائیں جہاں تجارت کے مرکز ہوں اور جہاں
اسکی تعلیم کی ضرورت خاص طور پر محسوس کی جائے۔

نوٹ نمبر ۴
کمایوں کے اسکولوں میں جہاں انگریزی یا زبان
دوم کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے لیکن زراعت یا
مینول ٹریننگ یا دیہی علم پڑھانے کا بندوبست ہے
وہاں بجائے انگریزی یا زبان دوم کے آرٹ اور
کرافٹ کی تعلیم دی جائے۔

درجہ ۷

ا۔ زبان

الف۔ ادبی کورس معہ قواعد۔

ب۔ کورس کے باہر کی کتابوں سے بامحاورہ عبارت
میں ترجمہ کرنا۔

ج۔ مروجہ بامحاورہ زبان میں مناسب القاب و
آداب کے ساتھ خطوط لکھنا۔

درسی کتابیں

۱۹۳۳ء اردو۔ (۱) ادب اردو حصہ چہارم مصنفہ خان بہادر
مولوی ادریس احمد بی۔ اے۔ ایس۔ سی مطبوعہ ہندوستانی
بک ڈپو قیمت ۱۳ ار

یا

۱۹۳۳ء (۲) نیرنگ ادب حصہ سوم مصنفہ حامد اللہ افسر
بی۔ اے مطبوعہ نرائن پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (قیمت ۱۲ آنہ)

۱۹۳۳ء یا

۱۹۳۳ء اردو مڈل ریڈر حصہ سوم مصنفہ مقبول حسین
خاں مطبوعہ اگروال پریس الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

یا

۱۹۳۳ء عروس ادب حصہ چہارم مصنفہ محمود رفیع و
محمد رفیع شائع کردہ رائصاحب رام دیال اگروال

الہ آباد قیمت ۱۱ آنے ۹ پائی۔

یا

سنہ ۱۹۳۳ء حدیقہ اردو حصہ سوم مصنفہ ڈاکٹر زبید احمد شائع کردہ رام نرائن لال الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

ہندی :۔

سنہ ۱۹۳۴ء ہندی کسما نجلی حصہ سوم مصنفہ رائے بہادر پنڈت شیام بہاری مصرا اور پنڈت سکھدیو بہاری مصرا مطبوعہ اونکار پریس الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۳ء ساہتیہ بالکا حصہ دوم مصنفہ ادھیاپک رام رتن اور رچند رہنس شرما وشارد۔ مطبوعہ رتن آشرم آگرہ۔ (قیمت ۲ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۴ء ساہتیہ سریتا حصہ سوم مصنفہ موتی لال جین ایم۔ اے شائع کردہ یونیورسٹی بک ڈپو آگرہ۔ (قیمت ۱۲ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۴ء ہندی سار سنگرہ حصہ چہارم مصنفہ کالیداس کپور ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی مطبوعہ اگروال پریس الہ آباد قیمت ۱۲ آنے

یا

سنہ ۱۹۳۴ء ساہتیہ پردیپ حصہ سوم مصنفہ رائے صاحب شیام سندر داس بی۔ اے مطبوعہ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۴ء ہندی ساہتیہ سشما حصہ سوم مصنفہ چندر مولی شکل ایم۔ اے ایل ٹی۔ ایس وی ما بی۔ اے مطبوعہ

کرشنا پریس الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

حسب ذیل لغات لڑکوں کیلئے تجویز کی جاتی ہیں:۔

شب دارتھ پاریات کوش شائع کردہ رام نرائن لال الہ آباد (قیمت ۳ روپیہ)

گنگا ہندی کوش شائع کردہ رام نرائن لال الہ آباد (قیمت ایک روپیہ ۸ آنہ)

ہندی شبد کلپدرم شائع کردہ رائصاحب رام دیال اگروال الہ آباد (قیمت ۳ روپیہ)

قواعد

اردو :۔

سنہ ۱۹۳۶ء جدید اردو قواعد و انشا پردازی حصص ۱، ۲، ۳ مصنفہ ایم یونس حسین عثمانی شائع کردہ نرائن پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (قیمت ہر حصہ ۴ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء قواعد اردو و انشا پردازی حصہ چہارم مصنفہ تجمل حسین شائع کردہ نولکشور پریس لکھنؤ۔ (قیمت ہر حصہ ۴ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء مجموعہ قواعد و انشائے اردو حصہ سوم مصنفہ مقبول حسین خاں شائع کردہ اگروال پریس الہ آباد (قیمت ہر حصہ ۸ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۶ء جدید قواعد اردو اور انشا حصہ چہارم مصنفہ محمد اظہر علی فاروقی شائع کردہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس بنارس (قیمت ۴ آنے) یا

۱۹۳۶ء علی قواعد وانشائے اردو حصہ سوم مصنفہ ڈاکٹر زبیداحمد۔ شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس الہ آباد (قیمت ۳ آنے ۲ پائی)

یا

۱۹۳۶ء معین القواعد حصہ چہارم مصنفہ صدیق احمد صدیقی شائع کردہ نیشنل پریس الہ آباد (قیمت ۴ آنے)

ہندی:-

۱۹۳۶ء ویاکرن اور رچنا حصہ سوم مصنفہ گنگا نرائن دویدی۔ شائع کردہ لکشمی نرائن اگروال۔ ہاسپٹل روڈ آگرہ (قیمت ۴ آنے)

یا

۱۹۳۶ء ویاکرن چندرودیہ۔ حصہ چہار مصنفہ گنگا پرشاد۔ شائع کردہ رائے صاحب لالہ رام دیال اگروال۔ کٹرہ۔ الہ آباد (قیمت ۴ آنے) یا

۱۹۳۶ء نوین ویاکرن اور رچنا حصہ سوم مصنفہ نتھی مل شرما شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس الہ آباد (قیمت ۳ آنے ۶ پائی)

یا

۱۹۳۶ء سرل ویاکرن اور رچنا حصہ چہارم مصنفہ رائے بہادر راجہ شیام بہاری مسرا۔ رائے بہادر سکھدیو بہاری مسرا اور رائے صاحب پنڈت سکھدیو تیواری۔ شائع کردہ اونکار پریس الہ آباد (قیمت ۴ آنے)

یا

۱۹۳۶ء نوین ویاکرن اور رچنا۔ حصہ سوم مصنفہ ودیا بھوشن مسرا شائع کردہ سرسوتی پبلشنگ ہاوس الہ آباد (قیمت ۴ آنے)

یا

۱۹۳۶ء نوین ہندی ویاکرن اور رچنا حصہ سوم رائے صاحب ٹھاکر شیو کمار سنگھ شائع کردہ ہندی پریس الہ آباد (قیمت ۴ آنے)

وطنی نظمیں

وطنی نظموں کی حسب ذیل کتابیں اسکولوں میں درجات کے استعمال کیواسطے منظور کی گئی ہیں۔

۱۹۳۱ء ہندی (۱) بھارت گان حصہ ۳ (رنگین سرورق بلا تصویر) برائے درجات ۶ اور ۷ ورناکیولر مدارس شائع کردہ اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد (قیمت ۹ پائی)

۱۹۳۱ء (۲) سودیش سنگیت حصہ ۳۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورناکیولر مدارس شائع کردہ انڈین پریس لمیٹیڈ الہ آباد (سرورق آرٹ پیپر بمع نوٹس اور تصاویر (قیمت ۱ آنہ ۶ پائی)

۱۹۳۱ء (۳) سودیش سنگیت حصہ سوم برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورناکیولر مدارس شائع کردہ انڈین پریس لمیٹیڈ الہ آباد (سرورق ۶۰ پونڈ والے کاغذ کا اور بلا تصویر اور نوٹس (قیمت ۹ پائی)

۱۹۳۱ء (۴) سودیش گان حصہ ۳ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورناکیولر مدارس شائع کردہ سرسوتی پبلشنگ ہاوس الہ آباد (قیمت ۱ آنہ)

۱۹۳۱ء (۵) سودیش گیتاولی۔ حصہ ۲۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ نولکشور پریس لکھنؤ (قیمت ۱۲ آنہ)

۱۹۳۱ء (۶) وطنی نظمیں ہندی میں حصہ ۲۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ پی۔سی۔ دوادیش شیرینی اینڈ کو علیگڑھ (قیمت ۴ پائی)

۱۹۳۲ء (۷۔۸) راشٹری گان حصہ ۲۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ گوتم برادرس اینڈ کو کانپور (قیمت سستی ایڈیشن ۹ پائی۔ قیمت باتصویر ایڈیشن ۱۔ آنہ ۳ پائی)

۱۹۳۶ء (۹) بھارت گان حصہ سوم (سفید کاغذ) برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ بھارگو بک ایجنسی الہ آباد (قیمت ۶ پائی)

۱۹۲۶ء (۱۰) دیش بھگتی کے گان حصہ سوم برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس لاہور و الہ آباد (قیمت ۹ پائی)

۱۹۳۱ء۔ اردو۔ (۱) وطن کی یاد حصہ ۲۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ نولکشور پریس لکھنؤ (قیمت ۱ آنہ)

۱۹۳۱ء۔ (۲) وطنی نظمیں حصہ ۳۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ لالہ رام نرائن لال الہ آباد (قیمت ۱ آنہ)

۱۹۳۱ء (۳) وطن کے راگ حصہ ۲۔ (باتصویر) برائے برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ انڈین پریس الہ آباد (قیمت ۱ آنہ ۶ پائی)

۱۹۳۱ء (۴) وطن کے گیت حصہ ۳۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ سرسوتی پریس پبلشنگ ہاؤس الہ آباد (قیمت ۱ آنہ)

۱۹۳۱ء۔ (۵) وطنی نظمیں حصہ ۳۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ پی۔سی۔ دوادیش شیرینی اینڈ کو علیگڈھ (قیمت ۹ پائی)

۱۹۳۱ء (۶) حب وطن حصہ ۳۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ رائے صاحب لالہ رام دیال اگروالا الہ آباد (قیمت ۹ پائی)

۱۹۳۱ء (۷۔۸) سرود وطن حصہ ۳۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ گوتم برادرس اینڈ کو کانپور (قیمت باتصویر ایڈیشن ۱ آنہ ۳ پائی۔ اور سستی ایڈیشن ۹ پائی)

۱۹۳۲ء (۹) وطن کا ترانہ حصہ ۳۔ برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ بھارگو بک ایجنسی الہ آباد (قیمت ۱ آنہ)

۱۹۳۶ء (۱۰) وطن کے راگ حصہ سوم برائے درجات ۵، ۶، ۷ ورنیکولر مدارس شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ کو لاہور و الہ آباد (قیمت ۹ پائی)

نمبر۲- انگریزی یا زبان دوم

(ا) انگریزی

گفتگو- پڑھنا- نظم خوانی- انگریزی میں سادہ طور پر بات چیت کر لینا- کتاب سے صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ لینا- کتاب کے الفاظ کو سادہ جملوں میں استعمال کر لینا- انگریزی میں کتاب کے موضوع کے متعلق سوالات کا جواب دینا- کتاب سے انتخاب کئے ہوئے ٹکڑوں کو حافظہ کی مدد سے سنانا-

املا اور خوشخطی سطر کھچی ہوئی کاپی پر کتاب سے منتخبہ ٹکڑوں کو لکھنا- خوشخطی کی کاپیوں پر یا کتاب سے نقل کر کے لکھنا-

قواعد اور انشاپردازی- قواعد میں پچھلے کام کا اعادہ- ناؤنس اِن اپوزیشن- اسموں کی تقسیم اضمار صفتیں- متعلقات فعل (Adverbs) اسما اور اضمار کی حالتیں (cases) مفعول ڈائرکٹ اور اِن ڈائرکٹ- افعال- واحد- جمع- متکلم- حاضر- غائب- لازم و متعدی- پارٹی سپلیس- زمانے (Tenses) ترکیب صرفی مذکورہ بالا کے متعلق زبانی اور تحریری مشقیں-

تحریری انشاپردازی- مثلاً آسان جملوں میں کتاب کے الفاظ و محاورات کا استعمال- آسان کہانیوں کو سن کر یا پڑھ کر سنانا- کتاب کے موضوع پر آسان سوالات کے جواب دینے کی مشق- تصاویر اور اشیاء کو بیان کرنا- اوقاف

ورناکیولر سے بامحاورہ انگریزی زبان میں جملوں اور مسلسل عبارتوں کا ترجمہ کرنا-

انگریزی کی درسی کتابیں وغیرہ جو استعمال کی جائیں گی حسب ذیل ہیں-

درجہ	لانگ منس گرین اینڈ کو	بلیکی اینڈ سنس لمیٹڈ
۷	دی نیو میتھڈ ریڈر جلد سوم از مائیکل ویسٹ (نئی سیریز) یا نیو انگلش کورس فار انڈین اسکول تھرڈ ایر ریڈنگ بک	نیو انڈین ایمپائر ریڈر حصہ سوم (قیمت ۸ آنے)

مزید مطالعہ کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں تجویز کی گئی ہیں-

برائے درجہ ۔

(۱) "A.L" برائٹ اسٹوری ریڈرس گریڈ I (ای۔ جے۔ ارنلڈ اینڈ سنس لمیٹڈ)

(۲) ینگ انڈیا ریڈرس گریڈ I اور II (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس)

یا

(۳) دی نیو میتھڈ ریڈر (نیو سیریز) سپلیمنٹری ریڈر I مائیکل ویسٹ (لانگ مینس گرین اینڈ کو)

یا

(۴) ٹیلس فرام ایساپ از ڈورتھی کنگ۔ (بلیکی اینڈ سنس)

یا

(۵) انڈین پریس اسٹوری ریڈرس گریڈ II ٹیلس آف وزڈم (انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد)

یا

(۶) دی سکنڈ بک آف فیبلس (گریڈ II) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس (قیمت ۱۴ آنے)

مندرجہ ذیل انگریزی کی خوشخطی کی کاپیاں استعمال کی جائیں۔

سیریز			
لانگ مینس گرین اینڈ کو		گلاب سنگھ اینڈ سنس	بلیکی اینڈ سنس (ویر فاسٹرس)
اپ رائٹ	سیمی اپ رائٹ		
۶، ۷، ۸ (ایک روپیہ ۲ آنہ فی درجن)	۷ (ایک روپیہ ۲ آنہ فی درجن)	۷، ۹، ۱۰ (فی کاپی ڈیڑھ آنہ)	۵، ۶ (ڈیڑھ آنہ فی کاپی)

ترجمے کی مشقوں کے لئے مجوزہ کتابیں۔

(۱) ٹرانسلیشن پریکس دو حصوں میں اور مسٹڈل سکشن کے لئے۔ از پی۔ ڈی۔ گارڈن

(۲) اکسر سائز ان ٹرانسلیشن فرام اردو ٹو انگلش۔ از جے۔ آر۔ کازنا شائع کردہ گلاب سنگھ اینڈ سنس لاہور (قیمت ۶ آنہ)

انگریزی قواعد اور انشاپردازی کے متعلق حسب ذیل کتابیں تجویز کی گئی ہیں۔

(۱) پرائمر آف انگلش گرامر شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی فار انڈیا۔ مدراس (قیمت ۸ آنے)

(۲) دی مڈل اسکول انگلش گرامر حصہ اول

(اسٹنڈرڈ ۵) از ایل۔ ڈیٹنگ میکملن اینڈ کو (قیمت ۶ آنہ)
(۳) لیسنس ان انگلش کمپوزیشن بک I از جے۔
سی۔ نسفیلڈ۔ میکملن اینڈ کو (۷ پنس)
(۴) پکچر کمپوزیشن۔ پیوپلس بک از جے۔ این۔ فریزر
دسے۔ اینڈ بے کو۔ بمبئی) (قیمت ۱۰ آنہ)

درسی ریڈریں

کامن لینگویج ریڈریں

۱۹۳۷ء۔ اُردو۔ (۱) شہنشاہ ریڈر حصہ ۴۔ مصنفہ سید
تجمل حسین اور مدن موہن دکشت۔ شائع کردہ پرائمر پبلشنگ
ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ (قیمت ۷ آنے)

یا

۱۹۳۷ء (۲) ہندوستانی بول چال حصہ ۴۔ مصنفہ آر۔ پی
بھٹناگر۔ سید علی عباس حسینی۔ سید قائم رضا نسیم۔ عبدالمجید
قریشی۔ ال۔ پی بھارگو اور سید تاج الدین حیدر۔
شائع کردہ یونائیٹڈ پبلشرز (امین آباد پارک لکھنؤ قیمت ۷ آنے)

یا

۱۹۳۷ء (۳) چوتھی کتاب مصنفہ ادھیاپک رام رتن (تصحیح
کردہ سید منظور علی) شائع کردہ ہندوستانی بک ڈپو لکھنؤ
(قیمت ۸ آنے)

یا

۱۹۳۷ء (۴) کوہ نور ریڈر۔ حصہ ۴۔ مصنفہ سید قائم رضا نسیم
اور مدن گوپال تیواری۔ شائع کردہ ایجوکیشنل پبلشنگ
ہاؤس بنارس (قیمت ۶ آنے ۶ پائی) یا

۱۹۳۷ء (۵) اردو پھول مالا۔ حصہ ۴۔ مصنفہ پی این جھا
اور کرشن پیارے لال شائع کردہ انڈین پریس الہ آباد
(قیمت ۶ آنے ۹ پائی) یا

۱۹۳۷ء (۶) ہماری بولی حصہ ۴۔ مصنفہ ڈاکٹر ایشوری پرشاد
تیلادھر گپتا اور حبیب اللہ۔ شائع کردہ رائے صاحب
لالہ رام دیال اگروالا کٹرہ الہ آباد (قیمت ۷ آنے ۶ پائی)

یا

۱۹۳۷ء (۷) ہندوستانی ریڈر حصہ ۴ مصنفہ گوپی لال ٹھکر
شائع کردہ پی۔ سی۔ دوادیش شیرنی اینڈ کو علی گڑھ
(قیمت ۶ آنہ) یا

۱۹۳۷ء (۸) ہندوستانی کی چوتھی کتاب یا ریڈر حصہ ۴
مصنفہ سید ابن حسین اور ناظر الدین قریشی شائع کردہ
منیجر کتاب گھر ناظر اینڈ سنس علیگڑھ (قیمت ۶ آنے)

یا

۱۹۳۷ء (۹) پرنس ریڈر حصہ ۴ مصنفہ قاضی سید
نصیر الدین احمد اور من بودھن لال سریواستوا۔
شائع کردہ نولکشور پریس لکھنؤ (قیمت ۷ آنے۔ ۶ پائی)

یا

۱۹۳۷ء (۱۰) دیشی زبان کی چوتھی کتاب مصنفہ
جلال الدین جعفری اور سریش چندر ترپاٹھی شائع
کردہ مسز جعفری برادرس ۲۸۷ شاہ گنج الہ آباد
(قیمت ۷ آنے۔ ۶ پائی)

ادبی زبان کی ریڈریں

۱۹۳۶ء اردو (۱) ادبی ریڈر مصنفہ تجمل حسین شائع کردہ

نول کشور پریس لکھنؤ (قیمت ۷ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۴ء (۲) آئینہ ادب (مصنفہ مقبول حسین خاں
مطبوعہ) اگروال پریس الہ آباد (قیمت ۶ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۴ء (۳) نگار اردو (دوسری مرتبہ کا نیا ترمیم شدہ
ایڈیشن) سنہ ۱۹۲۳ء مصنفہ ایس۔ ایم محمود اکبر آبادی
بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مطبوعہ یونیورسٹی بک ڈپو آگرہ
(قیمت ۶ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۴) آفتاب اردو (ترمیم شدہ) مصنفہ خوشتر
شائع کردہ عطر چند کپور اینڈ سنس لاہور (قیمت
۶ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۵ء (۵) دبستان اردو۔ مصنفہ ناصر علی تعشق
شائع کردہ سرسوتی پبلشنگ ہاؤس جارج ٹاؤن الہ آباد
(قیمت ۶ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۵ء (۶) گنجینہ ادب اردو حصہ اول مصنفہ
قاضی محمد بشیر الدین شائع کردہ مجتبائی پریس میرٹھ
(قیمت ۶ آنے)

کامن لینگویج ریڈریں

سنہ ۱۹۳۷ء ہندی (۱) شہنشاہ ریڈر حصہ ۴۔ مصنفہ سید
تجمل حسین اور مدن موہن دکشت شائع کردہ پرائمر
پبلشنگ ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ۔ (قیمت ۷ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۲) ہندوستانی بول چال حصہ ۴۔ مصنفہ
آر۔ پی۔ بھٹناگر۔ سید علی عباس حسینی۔ سید قائم رضا نسیم
عبد المجید قریشی۔ ایل۔ پی بھارگو اور سید تاج الدین
حیدر شائع کردہ یونائیٹڈ پبلشرس امین آباد پارک لکھنؤ
(قیمت ۷ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۵ء (۳) چوتھی پوتھی۔ مصنفہ ادھیاپک رام رتن
شائع کردہ ہندوستانی بک ڈپو لکھنؤ (قیمت ۸ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۴) کوہ نور ریڈر۔ حصہ ۴ مصنفہ سید قائم رضا نسیم
اور مدن گوپال تیواری۔ شایع کردہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
بنارس (قیمت ۷ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۷ء (۵) ہماری بولی۔ حصہ ۴۔ مصنفہ ڈاکٹر ایشوری پرشاد
لیلا دھر گپتا اور حبیب اللہ۔ شائع کردہ رائے صاحب
لالہ رام دیال اگروالا کٹرہ الہ آباد۔ (قیمت ۷ آنے
۶ پائی) یا

سنہ ۱۹۳۷ء (۶) ہندی پھول مالا۔ حصہ ۴۔ مصنفہ بی۔
این۔ جھا اور کرشن پیارے لال۔ شائع کردہ انڈین پریس
الہ آباد (قیمت ۶ آنے ۹ پائی)

یا

سنہ ۱۹۳۷ء (۷) ہندوستانی ریڈر حصہ ۴ مصنفہ گوپی لال
ماتھر۔ شائع کردہ بی۔ سی۔ دوا دیش۔ شیرنی اینڈ کو
علیگڑھ (قیمت ۶ آنے) یا

۱۹۳۷ء (۸) ہندوستانی کی چوتھی کتاب یا ریڈر حصہ ۴ مصنفہ سید ابن حسن اور ناظر الدین قریشی چندر تیواری شائع کردہ منیجر کتاب گھر ناظر اینڈ سنس علیگڑھ (قیمت ۶ آنے)

یا

۱۹۳۷ء (۹) پرنس ریڈر حصہ ۴ مصنفہ قاضی سید نصیر الدین احمد اور من بودھن لال سر یواستو۔ شائع کردہ نولکشور پریس لکھنؤ (قیمت ۶ آنے) یا

۱۹۳۷ء (۱۰) دیشی بھاشا کی چوتھی کتاب مصنفہ جلال الدین جعفری اور ستیش چندر تیواری شائع کردہ میسرس جعفری برادرس ۷۸ شاہ گنج الہ آباد (قیمت ۷ آنے ۶ پائی)

ادبی زبان کی ریڈریں

۱۹۳۶ء ہندی (۱) پربھاوتی مصنفہ اجودھیا ناتھ شرما شائع کردہ گوتم برادرس اینڈ کو کانپور (قیمت ۶ آنے)

یا

۱۹۳۵ء (۲) دیپ مالا۔ مصنفہ دینا ناتھ چترویدی شائع کردہ انڈین پریس لیٹیڈ الہ آباد (قیمت ۶ آنے)

یا

۱۹۳۶ء (۳) نوکا ایکا مصنفہ اُما شنکر مسر شائع کردہ ہندوستانی بک ڈپو لکھنؤ۔ قیمت ۶ آنے

یا

۱۹۳۶ء (۴) سرل ساہتیہ۔ مصنفہ کرشن پیارے لال اور رامیشور پرشاد۔ شائع کردہ انڈین پریس لمیٹیڈ الہ آباد (قیمت ۶ آنے) یا

۱۹۳۶ء (۵) ہندی سوربھ۔ مصنفہ سالگرام ورما شائع کردہ سرسوتی پبلشنگ ہاؤس الہ آباد (قیمت ۶ آنے)

یا

۱۹۳۶ء (۶) ہندوستانی ساہتیہ ریڈر مصنفہ بی۔ این اگروالا۔ شائع کردہ اگروال پریس الہ آباد (قیمت ۶ آنے)

۳۔ حساب اور جیومیٹری یا ابتدائی تجارتی طریقے

۳۔ ریاضی (الف) حساب۔ اعادہ۔ مناسب تقسیم اور رابعہ اور ستہ کے متعلق کچھ زیادہ مشکل سوالات۔ نفع اور نقصان۔ ان قاعدوں کے متعلق زبانی اور تحریری سوالات کی مشق کرائی جائے۔

نوٹ۔ طلبار کو ایک مجہول کی آسان مساوات حل کرنا سکھانا چاہئے۔ اور ان سے سوالات کو حل کرنے میں علامات کو باقاعدہ استعمال کرنے کو کہا جائے۔

ب (۱) جیومیٹری

(الف) عملی (عملی مسئلے)

۱۔ زاویوں اور خطوط مستقیم کی تنصیف کرنا۔
۲۔ خط مستقیم پر عمود ڈالنا۔
۳۔ دیئے ہوئے زاویے کے برابر زاویہ بنانا
۴۔ دیئے ہوئے خط مستقیم کے متوازی خط مستقیم کھینچنا
۵۔ مثلث اور ذوار بعۃ الاضلاع دیے ہوئے شرائط

پر بنانا (آسان شکلیں)

۶۔ خط مستقیم کو کئی برابر حصوں میں تقسیم کرنا۔

۷۔ دی ہوئی کثیر الاضلاع شکل کے برابر مثلث یا مستطیل بنانا۔

(ب) اثباتی مسئلے

۱۔ مثلث کے دو ضلعوں کا مجموعہ تیسرے ضلع سے بڑا ہوتا ہے۔

۲۔ اگر دو مثلثوں میں ایک مثلث کے دو ضلعے دوسرے مثلث کے دو ضلعوں کے الگ الگ برابر ہوں لیکن اُن ضلعوں میں بنے ہوئے زاویے نابرابر ہوں تو اس مثلث کا قاعدہ بڑا ہوگا جس کا زاویہ بڑا ہے۔ اور اس کے برعکس۔

۳۔ کسی دئے ہوئے نقطہ سے دئے ہوئے خط مستقیم پر جتنے خطوط ڈالے جائیں گے ان میں عمود سب سے چھوٹا ہوگا۔

متوازی الاضلاع اور ذوزنقہ

متوازی الاضلاع کے آمنے سامنے کے ضلعے اور زاویے برابر ہوتے ہیں اور وتر اس کے دو برابر حصے کرتا ہے۔ اور ہر وتر نقطہ تقاطع پر دو برابر حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

(ص) تجربات۔ معینین اور رقبے

۱۔ نقاط کا قائم کرنا۔ خطوط مستقیم اور مستقیم الاضلاع اشکال کا بنانا۔

۲۔ مربعوں کو شمار کرکے حسب ذیل اشکال کے رقبے معلوم کرنا مربع۔ مستطیل۔ مثلث قائم الزاویہ متوازی الاضلاع مثلث۔ متوازی الاضلاع کے وتر کے متمم اور ذوار بعتہ الاضلاع وکثیر الاضلاع۔

۳۔ ذیل کے اثباتی مسئلوں کی تصدیق:۔

۱۔ ایک ہی قاعدہ پر اور ایک ہی متوازی خطوط کے درمیان مثلث کا رقبہ مستطیل کے رقبے سے نصف ہوتا ہے۔

ان مسئلوں کے ثبوت پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے

(د) غیر منظم مستقیم الاضلاع اشکال کے رقبے عملی طور پر معلوم کرنا۔

فیلڈ ورک

(نوٹ) (۱) اسکولوں کے پاس کے کھیتوں کے رقبے پیمائش کرا کے نکالنا سکھایا جائے۔ اور اُن کے لئے جریب۔ لٹھے۔ زاویہ قائمہ کے آلات کا ضلع کے رواج کے مطابق استعمال بتایا جائے۔ بورڈوں کو چاہئے کہ ہر ایک مڈل اسکول کو یہ آلات بہم پہونچائیں)۔

۲۔ مذکورہ بالا کورس اگرچہ مقررہ کتب کے مطابق ہے لیکن مدرس کو چاہئے کہ وہ اس مضمون کو اسطرح پڑھائے کہ تجربات۔ اثباتی اور عملی مسئلے باہم ربط رہیں۔

ابتدائی تجارتی طریقے

درجہ ۷۔

۱۔ (۱) ورناکیولر میں بہی کھاتوں کا لکھنا۔

(۲) خطوط ۔ بیچک اور ہنڈیوں کا اردو یا ناگری میں لکھنا ۔

۲ - (۱) سود مرکب ۔ قیمت نقد اور سستی کا سٹے کا مہاجنی طریقوں سے پھیلانا ۔

(۲) راس المال اور کمپنی کے حصوں کا حساب لگانا اور سود کا حصّہ رسد تقسیم کرنا ۔

(۳) چیزوں کی قیمت فروخت معلوم کرنا اور مقرر کرنا ۔

۳ - بہی اور کھاتوں کا اردو یا ناگری میں پڑھنا لکھنا

(۱) بنکوں میں لین دین کا حساب ۔ روزنامچہ ۔ کچی اور پکی روکڑ یا خسرہ میں درج کرنا ۔

(۲) اندرونی یا بیرونی مال کا حساب ۔ انکروا یعنی حساب کی جانچ پڑتال ۔ کھاتوں کا بند کرنا یعنی باقی توڑنا ایسے قرض کا حساب درج کرنا جو قسطوں سے ادا کیا جاتا ہے ۔

(۳) فہرست بہی یا کتاب راس المال ۔ اکہری نقد اور دوہری نقد ۔ جمع اور نام بہی ۔ جاکڑ جنتری یا روزنامچہ وغیرہ کا روکڑ بہی اور کھاتوں سے بھرنا ۔

(۴) (ا) پٹواری کے کاغذات (خسرہ ۔ کھتونی ۔ کھیوٹ ۔ لعرسیا ہہ اور کتاب رسید) کا پڑھنا لکھنا

(ب) زمینداری کے حساب کتاب (کھاتہ کھتونی ۔ سیاہہ اور کتاب رسید کا پڑھنا اور لکھنا ۔

(۵) حصہ داروں کا کھاتہ ۔

۴ - عام معلومات ۔ (نوٹ) امور ذیل کی بابت بہت ہی موٹی موٹی باتیں سکھائی جائیں ۔

(۱) دفتر کا روزمرّہ کا کام ۔ بنکوں کا لین دین غیر ممالک سے تجارت کرنا ۔ ہنڈی ۔ تبادلہ انجمنیاں اور سوسائٹی باہمی امداد ۔

(۲) اسٹامپ کی شرح اور انکم ٹیکس ۔

حساب

اُردو ۔

(۱) ماڈل ارتھمیٹک ۔ از بی ۔ این پرشاد ۔ اور ایم ۔ ایل مسرا ۔ شائع کردہ رام نرائن لال بنک روڈ الہ آباد ۔ (قیمت ۱۴ آنے)

یا

۱۹۲۷ء (۲) فنڈامنٹل ارتھمیٹک ۔ مصنفہ ڈاکٹر پی ۔ ایل سرنواستو ۔ شائع کردہ نیشنل پریس الہ آباد (قیمت ۱۴ آنے) یا

۱۹۳۲ء (۳) جدید علم الحساب ۔ مصنفہ ایم ۔ اے ۔ بٹ ۔ شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس الہ آباد (قیمت ۱۴ آنے)

یا

۱۹۳۳ء (۴) جدید فائنل ارتھمیٹک مصنفہ چندر مولی تنکل ۔ مطبوعہ نرائن پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (قیمت ۱۱ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۳ء (۵) انڈین پریس ورنا کیولر فائنل ارتھمیٹک۔
مصنفہ ڈاکٹر گورکھ پرشاد شائع کردہ انڈین پریس لیمیٹڈ
الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

ہندی۔ (۱) ماڈل ارتھمیٹک۔ مصنفہ بی۔ این پرشاد
اور ام۔ ایل مسرا۔ شائع کردہ رام نرائن لال بینک روڈ
الہ آباد (قیمت ۱۴ آنہ) یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۲) فنڈامنٹل ارتھمیٹک مصنفہ ڈاکٹر بی۔ ایل
سری واستو۔ شائع کردہ نیشنل پریس الہ آباد (قیمت ۱۴ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۷ء (۳) نوین انک گنت۔ مصنفہ ایم۔ اے۔ بٹ
شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس
(قیمت ۱۴ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۳ء (۴) نوین فائنل ارتھمیٹک مصنفہ چندر بولی سکل
شائع کردہ نرائن پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (قیمت ۱۰ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۴ء (۵) انڈین پریس ورنا کیولر فائنل ارتھمیٹک
مصنفہ ڈاکٹر گورکھ پرشاد۔ شائع کردہ انڈین پریس لیمیٹڈ
الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

جیومیٹری

سنہ ۱۹۳۷ء اردو (۱) جدید مڈل جیومیٹری (ترمیم شدہ ایڈیشن)
حصہ سوم۔ مصنفہ ڈاکٹر بی۔ ایل سری واستو۔ شائع کردہ
سرسوتی پبلشنگ ہاؤس الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۲) ماڈل جیومیٹری حصہ دوم مصنفہ عبداللہ
بٹ اور رام چرن گپتا۔ شائع کردہ گوتم برادرس کانپور
(قیمت ایک روپیہ ۲ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۳) آفتاب جیومیٹری حصہ سوم مصنفہ
قاضی خورشید احمد۔ شائع کردہ نیشنل پریس الہ آباد (قیمت
ایک روپیہ) یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۴) ورنا کیولر فائنل جیومیٹری حصہ سوم مصنفہ
ڈاکٹر گورکھ پرشاد۔ شائع کردہ انڈین پریس لیمیٹڈ الہ آباد
(قیمت ۱۰ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۵) مبادیات علم ہندسہ حصہ دوم (ترمیم شدہ
ایڈیشن) مصنفہ اے۔ ای۔ پیرلوانٹ۔ شائع کردہ
انڈین پریس لیمیٹڈ الہ آباد (قیمت ۱۴ آنے)

سنہ ۱۹۳۷ء ہندی (۱) نوین مڈل جیومیٹری (ترمیم شدہ)
حصہ سوم۔ مصنفہ ڈاکٹر بی۔ ایل سری واستو۔ شائع کردہ
پبلشنگ ہاؤس الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۲) ماڈل جیومیٹری حصہ دوم مصنفہ عبداللہ بٹ
اور رام چرن گپتا۔ شائع کردہ گوتم برادرس کانپور
(قیمت ایک روپیہ ۲ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۳) جیومیٹری بھاسکر حصہ سوم مصنفہ قاضی
خورشید احمد۔ شائع کردہ نیشنل پریس الہ آباد
(قیمت ایک روپیہ) یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۴) ورنا کیولر فائنل جیومیٹری حصہ سوم

مصنفہ ڈاکٹر گورکھ پرشاد۔ شائع کردہ انڈین پریس لمیٹڈ
الہ آباد (قیمت ۱۰ آنے) یا
۱۹۳۶ء (۵) بھوشی کا مول تلو۔ حصہ دوم (ترمیم شدہ)
مصنفہ اے۔ ای۔ پیریوانٹ شائع کردہ انڈین پریس
لمیٹڈ الہ آباد (قیمت ۱۴ آنے)

۴۔ تاریخ اور جغرافیہ

(۱) تاریخ

ہندوستان زیر حکومت تاج برطانیہ۔

(۱) بیرونی ممالک سے تعلقات۔ افغانستان اور
برما۔ بیرونی حکمت عملی۔

(ب) اندرونی ترقیات۔

(۱) اصلاحات ملکی:۔

ریگولیٹنگ ایکٹ سے لیکن ۱۹۰۹ء کی اصلاحات
تک ملکی نظم ونسق میں جو تبدیلیاں ہوئیں انکا خاکہ
ملکہ معظمہ کے اعلان کا خاص ذکر ۱۸۶۱ء کا کونسل
ایکٹ لوکل سیلف گورنمنٹ (حکومت خود اختیاری)
لارڈ رپن عہد حکومت میں۔ مارلے منٹو اسکیم کی
تبدیلیاں۔ مانٹگو چیمس فورڈ اصلاحات اور
ڈسٹرکٹ بورڈوں، میونسپلٹی اور کونسل کے موجودہ
حالات کا مختصر خلاصہ مع شرائط متعلق انتخاب
کنندگان وطریقہ انتخاب۔

(۲) انتظام حکومت

قانون امن عامہ۔
تعلیم
آبپاشی وزراعت
قحط کے امدادی کام
صحت عامہ
ذرائع آمدورفت
ٹیکس
صنعت وحرفت

اس میں انتظامی عملوں، مختلف محکموں کی ملازمتوں
اور مجالس قانون ساز کے مختصر حالات بھی شامل
ہونے چاہئیں۔

تاریخ (درسی کتابیں)

۱۹۳۳ء۔ اتہاس پری چے (بھارت ورش کا سنکشپت
اتہاس) حصہ سوم مصنفہ سری نرائن چترویدی مطبوعہ
سرسوتی پبلشنگ ہاؤس الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)
۱۹۳۳ء۔ تاریخ تعارف (ہندوستان کی مختصر تاریخ)
حصہ سوم مصنفہ سری نرائن چترویدی مطبوعہ سرسوتی
پبلشنگ ہاؤس الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے)

یا

۱۹۳۳ء بھارت ورش کا اتہاس حصہ سوم مصنفہ
ڈاکٹر ایشوری پرشاد مطبوعہ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد
قیمت ۱۲ آنے)
۱۹۳۳ء تاریخ ہند حصہ سوم مصنفہ ڈاکٹر ایشوری پرشاد
مطبوعہ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۶ء ہندوستان کا اتہاس حصہ سوم مصنفہ ڈاکٹر تاراچند۔ شایع کردہ میکملن اینڈ کمپنی کلکتہ (قیمت ۱۲ آنے)

سنہ ۱۹۳۶ء اردو۔ تاریخ اہل ہند۔ حصہ سوم مصنفہ ڈاکٹر تاراچند شایع کردہ میکملن اینڈ کمپنی کلکتہ (قیمت ۱۲ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۶ء۔ بھارت ورش کا پرارمبھک اتہاس حصہ سوم مصنفہ کالی داس کپور۔ شایع کردہ نول کشور پریس لکھنؤ (قیمت ۱۲ آنے)

سنہ ۱۹۳۶ء اردو۔ ہندوستان کی ابتدائی تاریخ حصہ سوم مصنفہ کالی داس کپور۔ شایع کردہ نول کشور پریس لکھنؤ (قیمت ۱۲ آنے)

جغرافیہ (درسی کتابیں)

سنہ ۱۹۳۷ء اردو۔ (۱) جدید ہندوستانی جغرافیہ حصہ سوم (ترمیم شدہ اور اضافہ شدہ ایڈیشن) مصنفہ رگھوبیر پرشاد سری واستو و ترمیم کردہ سید منظور علی رضوی۔ شایع کردہ ہندوستانی بک ڈپو لکھنؤ (قیمت ایک روپیہ)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۲) جدید جغرافیہ حصہ چہارم مصنفہ جی۔ سی گکر شایع کردہ نیشنل پریس الہ آباد (قیمت ایک روپیہ)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۳) جوہر جغرافیہ حصہ سوم مصنفہ آر۔ سی ودیارتھی۔ شایع کردہ گوتم برادرس اینڈ کمپنی کانپور (قیمت ایک روپیہ) یا

سنہ ۱۹۳۷ء (۴) یورپ۔ امریکہ۔ اسٹریلیا اور افریقہ کا ابتدائی جغرافیہ حصہ چہارم مصنفہ بی۔ این سریواستو اور بٹولال۔ شایع کردہ انڈین پریس لیمٹڈ الہ آباد (قیمت ایک روپیہ) یا

سنہ ۱۹۳۵ء (۵) ڈیجٹل جغرافیہ حصہ چہارم مصنفہ بابو رام بھٹناگر اور شیام لال مہرا۔ مطبوعہ اونکار پریس الہ آباد (قیمت ۱۲ آنے) یا

سنہ ۱۹۳۷ء ہندی۔ (۱) نوین ہندوستان بھوگول حصہ سوم (ترمیم شدہ اور اضافہ شدہ) مصنفہ رگھوبیر پرشاد سری واستو۔ شایع کردہ ہندوستانی بک ڈپو لکھنؤ (قیمت ایک روپیہ) یا

سنہ ۱۹۳۷ء (۲) نوین بھوگول حصہ چہارم مصنفہ جی۔ سی گکر شایع کردہ نیشنل پریس الہ آباد (قیمت ایک روپیہ)

یا

سنہ ۱۹۳۶ء (۳) بھوگول بھوشن حصہ سوم مصنفہ آر۔ سی ودیارتھی شایع کردہ گوتم برادرس اینڈ کمپنی کانپور (قیمت ایک روپیہ) یا

سنہ ۱۹۳۷ء (۴) یورپ۔ امریکہ۔ اسٹریلیا اور افریقہ کا پرارمبھک بھوگول حصہ چہارم مصنفہ بی۔ این سریواستو اور بٹولال شایع کردہ انڈین پریس لیمٹڈ الہ آباد (قیمت ایک روپیہ) یا

سنہ ۱۹۳۵ء (۵) ڈیجٹل جغرافیہ۔ چہارم مصنفہ بابو رام

پرشنا گراور خیام لال مہرا مطبوعہ اذکار پریس الہ آباد
قیمت ۱۴ آنے)

(مدارس میں استعمال کے واسطے)

ماڈرن اسکول اٹیلس (اردو۔ ہندی) شایع کردہ
اسکول بک اور ابرٹش ڈپو لکھنؤ (قیمت ہر ایک ایک روپیہ)
لانگ مینس انڈین اٹیلس (اردو ہندی) شایع کردہ
لانگ مینس گرین اینڈ کمپنی لمیٹڈ ۶۔ اولڈ کورٹ ہاؤس
اسٹریٹ کلکتہ (قیمت ہر ایک ۱۲ آنے)

بھوگول اٹیلس مرتبہ رام نرائن مسرا شائع کردہ بھوگول
کاریالیہ الہ آباد (قیمت ایک روپیہ ۴ آنے)

بھوچتراولی ہندی میں یا نقشۂ عالم اردو میں مرتبہ
عباد الرحمن خاں شائع کردہ آرٹ پبلشرس ۱۴ پارک روڈ
الہ آباد (قیمت ہر ایک ایک روپیہ)

بھوگول اٹلس (اردو) مرتبہ پنڈت رام نرائن مسرا
شایع کردہ بھوگول کاریالہ الہ آباد (قیمت ایک روپیہ ۴ آنے)

ہندوستان کا نقشہ (قدرتی ہندی اور اردو میں مشترکہ)
مرتبہ ڈاکٹر عباد الرحمن خاں شائع کردہ رائے صاحب
منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس الہ آباد (قیمت ۳ روپیہ)

افریقہ کا نقشہ۔ (قدرتی۔ ہندی اور اردو میں مشترکہ)
مرتبہ ڈاکٹر عباد الرحمن خاں۔ شائع کردہ رائے صاحب
منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس الہ آباد (قیمت ۲ روپیہ)

اسٹریلیا کا نقشہ (قدرتی۔ ہندی اور اردو میں مشترکہ)
مرتبہ ڈاکٹر عباد الرحمن خاں شائع کردہ رائے صاحب
منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس الہ آباد۔ (قیمت ۳ روپیہ)

اضافہ شدہ اڈیشن (اردو اور ہندی
میں مشترکہ) مرتبہ ڈاکٹر عباد الرحمن خاں۔ شائع کردہ رائے صاحب
منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس الہ آباد (قیمت ۳ روپیہ)

۵۔ (آرٹ اور کرافٹ یا زراعت یا دیہی علم یا مینول ٹریننگ)

آرٹ اور کرافٹ

آرٹ اور کرافٹ کے طریقۂ تعلیم کے متعلق چند ہدایات:۔
آرٹ اور کرافٹ انفنٹ درجوں میں ایک ہی مضمون کی طرح سمجھا نا چاہیے۔ ڈیزائن آرٹ اور کرافٹ کی ایک مشترک بنیاد ہوگی۔ اس پر سب سے زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔ جہاں کہیں موقع ملے ڈیزائن کے اسباق کو کرافٹ کے ساتھ ربط دینا چاہیے۔ پھر آرٹ اور کرافٹ کو اسکول کے نصاب کے دوسرے مضامین اور بچوں کے ماحول سے ربط دینا چاہیے۔ اور اسکو انکی تحریر اور تقریر کا معاون بنانا چاہیے۔ طبعزاد مصوری سے بچوں کے تخیل کو وسعت دینا چاہیے۔ سب سے زیادہ انکو موضوع کے انتخاب میں ہدایت دینے کی ضرورت پڑے گی۔ نہ کہ صرف کام کی تفصیل میں۔ بغیر معقول تحریک کے (یعنی بچوں میں خواہش پیدا کئے بغیر) انکو ہرگز ہرگز کسی کام کا حکم دینا نہ چاہیئے۔ ہشیاری کے ساتھ تنقید اور نگرانی کرکے سامان کے بیجا استعمال کو بڑی حد تک روکا جا سکتا ہے۔ فری ہینڈ ڈرائنگ پر طبیعت موضوع

تک نہ زور دینا چاہیئے۔ اور جہاں ضرورت ہو میکانکی
امداد (یعنی اوزار وغیرہ کا استعمال) حاصل کرنے دینا چاہیئے۔
خاص طور سے ڈزائن اور کرافٹ میں انکے استعمال سے
بچنا ممکن نہیں۔ انفرادی چیزوں اور شکلیوں کی میکانکی
نقلوں کے بجائے ترکیب و ترتیب کے وسیع تصویر کو
پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ نقل کرنے کی بالکل ممانعت
ہونا چاہیئے۔ بشرطیکہ کسی خاص مسئلہ کا حل مدنظر نہ ہو۔
کسی چیز کا ہو بہو نقشہ اتارنے کا کام حافظہ کی مدد سے
ہوگا۔ کیونکہ بچے اس منزل میں کسی شئے کی ذہنی تصویر
میں بہ نسبت اسکی اصلی شکل کے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

اساتذہ کو یہ امر ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ابتدائی
منزلوں میں چمکدار رنگ بچوں کے لئے بڑی کشش رکھتے
ہیں نیز یہ کہ انکو چھوٹے چھوٹے عضلات یعنی پٹھوں پر
قابو نہیں ہوتا۔ اس لئے انکو کسی نہ کسی طرح پرائمری
رنگ چاہیئے۔ وہ کسی شکل میں ہوں ضرور استعمال
کرانا چاہیئے۔ ان رنگوں کو وہ بھرپور اور بے خوف
استعمال کریں۔

استاد صرف انداز نشست اور ہاتھ کھول کر کام
کرنے پر زور دے۔ آرٹ اور کرافٹ کے کام کے
سلسلے میں بچوں کو مختلف قسم کا سامان استعمال کرنے
دینا چاہیئے۔ اس میں انکو اپنے حواس کی ترتیب دینے اور
مختلف وسائل کے امکانات کا موقع ملے گا۔ ایک طرف
تو گندے اور جلد بازی کے کام کی روک تھام ہونی
چاہیئے اور دوسری طرف بہت زیادہ مشقت اور
باریکی کے کام سے بچوں کو الگ رکھنا چاہیئے۔ تعلیم بجائے
اس کے کہ بالغ لوگوں کے حسن و قبح کے معیار کی پابند
ہو۔ بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشو ونما کی پابند ہونی چاہیئے۔
موضوع کے انتخاب اور سامان کے استعمال میں زیادہ
آزادی ملنی چاہیئے تاکہ بچوں کی تخلیقی اور استعمالی
خواہش آسودہ ہو سکے۔ کچھ امدادی کوشش یہاں
وہاں اصول فن کے نکات کے حاصل کرنے میں کی
جانی چاہیئے۔ اساتذہ کو چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو
قیمت کو کم کرنے کے لئے مقامی سامان مہیا کریں۔
سامان کی تیاری۔ کمروں کی ترتیب و آرائش میں
بچوں سے مدد لینی چاہیئے۔ اس سے بچوں کی قوت
اختراع اور جمالیاتی ذوق کو ترقی پانے کا موقع ملے گا۔
درجہ کے اسباق میں مل کر کام کرنے کا بھی موقع
ہونا چاہیئے۔ اور اس کام کے لئے خاص موقع اور
تیوہار بہت موزوں ہوا کرتے ہیں۔

درجہ ۷۔

(ل) آرٹ اور کرافٹ

استعمالی سامان۔ کوئلہ۔ چینی روشنائی۔ سطر کھینچنے
کے لئے پنسل۔ اور اخیر میں استعمال کے جانے کیلئے
آبی رنگ۔ پوسٹر کا رنگ اور پیسٹل۔ کاغذ کاٹنے
اور پوسٹر و ڈزائن کے کام کے لئے رنگین کاغذ۔

ا۔ توضیح۔ (ل) زبان۔ تاریخ۔ جغرافیہ اور

ذاتی تجربے سے متعلق آزادانہ اظہار اور توضیح۔

(ب) پوسٹر کا کام۔ کٹے ہوئے کاغذ سے حرف نگاری۔ برش کا کام۔ سفید و سیاہ اور پوسٹر کے رنگوں میں۔

۲۔ ہوبہو تصویر کشی۔ (ا) پتیوں۔ پھولوں اور پودوں کی شکلیں حافظہ کی مدد سے اور مشاہدہ کر کے کھینچنا۔ ہر کام اصل سے ہو نہ کہ نقل سے سادی منظر کشی۔ (ب) عام ترکاریوں مثلاً لوکی۔ کھیرا یا آم یا کوئی اور پھل جو مل سکتا ہو۔ نیز کچھ روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کی تصویریں کھینچیں۔ یہ تصویریں الگ الگ ہوں یا تناسب اور اسطوانی اور مستطیلی تناظر کے لحاظ سے دو دو کی ساتھ ہوں شکل اور رنگ میں زیادہ سے زیادہ اصل سے مطابقت کی کوشش کی جائے۔

نوٹ:۔ توضیح اور ہوبہو تصویر کشی میں پنسل اور پیسٹل کے استعمال کے علاوہ آبی رنگ اور سفید و سیاہ کی دو یا تین قدروں میں برش کا کام تجویز کیا جاتا ہے۔

۳۔ رنگ اور ڈزائن۔ آٹھ معیاری رنگوں کا مطالعہ۔ اور متضاد۔ مشابہ۔ اور یک رنگ ترتیب نمود اور پنسل کے ڈزائنوں میں۔ ترقی یافتہ ترتیبوں اور روایاتی ڈزائنوں کی شروعات۔ مذکورہ بالا کو سرورق اور کپڑوں میں استعمال کر سکتے ہیں۔ برش کے کام کے علاوہ چھینٹ اور ٹھپوں کا کام۔ اسٹینسل کا کام اور ربڑ کاگ یا لکڑی کے بنے ہوئے ٹھپوں کے کام کو بھی ڈزائن کے کام میں تنوع پیدا کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔

الپونا (فرش کی آرائش) گیرو، کھریا۔ چونا اور پیلی مٹی اور مختلف رنگ کی دالوں سے۔

۴۔ برتن سازی۔ انگلیوں اور انگوٹھوں سے ماڈل بنانا۔ کنڈلی اور انگوٹھے کا کام۔ ابھری ہوئی ڈزائنوں سے سجائے ہوئے برتنوں کو پکانا اور رنگنا۔

۵۔ کرافٹ (ا) لازمی کرافٹ

(ا) فن کتب سازی۔ تختوں کو موڑ کر اوراق بنانے کا طریقہ۔ فولیو (دوہرا)۔ کوارٹو (چوہرا)۔ آکٹیو (اٹھوہرا) اور سکسٹو ڈیسیمو (سولہ موڑ) کے معنے سمجھانا۔

(۲) تہواری کارڈ۔ کلینڈر۔ بڑے لفافے مع جیبوں کے (چوکھوٹی اور تکونی)۔ پیڈ اور جاذب کا کیس۔ البم نرم جلد کا میگزین رکھنے کے لئے نرم جلد کا کیس۔ ایک جزوی کتاب سخت جلد کی (کونے لگی ہوئی) ایک کتاب کو جسکی سلائی باقی ہو جلد باندھ کر محفوظ کرنا۔ کئی جزوی کتاب کی جلد بندی (صرف ۱۰ اجزو استعمال کئے جائیں)

آسان جلد سازی اور اسے مکمل کرنا۔

جس میں کہ حسب ذیل خاص خاص عمل شامل ہیں۔

(ا) مڑے ہوئے سرورق کی تیاری۔ (۲) فیتوں پر سلائی۔ (۳) سریش لگانا۔ اوپر نیچے اور سامنے کاٹنا۔

(۴) کناروں کو رنگنا۔ (۵) جلد کی تیاری (کونہ داریا بغیر کونے گی) (۶) سرورق کے ایک حصہ کو جلد کی دفتی پر چپکانا۔ کسی پرانی کتاب کی جلد بندی جس میں تقریباً بارہ جز ہوں۔ دو طرح پر اکہرے اور دوہرے تختوں کی جلد بندی۔ فیتے پر سلی ہوئی ربع اور نصف جلد بندی جس میں پشت پر کپڑا ہو اور باقی حصہ پر کاغذ۔

۳۔ آرائش اور حروف نگاری۔

رنگوں کی ترکیب۔ حروف نگاری۔ اختیاری اور غیر اختیاری ابری بنانا۔ سٹینسل سے رنگنا اور ٹھپوں سے چھاپنا۔

۴۔ کاغذ سازی۔

(ج) اختیاری کرافٹ۔ آسان بنائی۔ رفیا کا کام۔ ٹوکری بنانا۔ قالین بنانا اور چمڑے کا کام۔ ان میں سے ایک یا ایک سے زیادہ لڑکوں کے کام کو عملی اور مفید بنانے کے لئے اختیار کئے جائیں۔ جہاں مٹی کے کام کے لئے سہولت نہ ہو برتن سازی کی جگہ پر اختیاری کرافٹ میں سے کوئی ایک لے لیا جائے۔

(ب) زراعت

نوٹ ۱:۔ لڑکے اپنے مشاہدہ اور عملی کام کی ڈائریاں پابندی صحت اور صفائی کے ساتھ رکھیں گے۔

نوٹ ۲:۔ کاشت کا صحیح اور مناسب حساب کتاب رکھنا ضروری ہے۔ تمام طلباء اس کو سیکھیں۔ زراعت کا استاد اسکولوں کے فارم کا حساب کتاب رکھے گا۔ وہ حسب ذیل رجسٹروں کو رکھے گا جنکی تفصیل آخیر میں دی ہوئی ہے۔

(۱) آراضی اور عمارات کا رجسٹر۔

(۲) مویشیوں کا رجسٹر۔

(۳) ضائع شدہ سامان اور اوزاروں کا رجسٹر

(۴) پیداوار کا رجسٹر۔

(۵) رجسٹر نقدی۔

(۶) بہی کھاتہ۔

(۷) نفع اور نقصان کا حساب کتاب۔

(۸) واصل باقی۔

نوٹ ۳۔ ارتھمیٹک اور جیومیٹری کی تعلیم میں قبول کی پیمائش کے اصولوں پر اور فیلڈ بک پر خاص توجہ کی جائیگی۔

نوٹ ۴:۔ جغرافیہ کی تعلیم میں غیر ممالک کی کاشت کے طریقوں پر خاص توجہ کی جائیگی۔

(۱) فصلوں کا دوران۔ کیوں ضروری ہے مختلف حالات میں فصلوں کے دوران کے مختلف طریقے۔

(۲) دالوں کی فصل ان کی اہمیت اور فصلوں کا دوران۔

(۳) ہلانا یا پڑتی چھوڑنا اور اسکے فائدے۔

(۴) کھادیں کیوں دی جاتی ہیں۔ کھیت کی

کھادیں۔ زراعت میں اس کا فائدہ۔ دوسری کھادیں جو استعمال کی جاتی ہیں۔

(۵) کھیتوں کی کھاد کو جمع کرنے مہیا کرنے کے طریقے گڑھوں میں جمع کرنا بہ نسبت ڈھیر کرنے کے کیوں بہتر ہے۔

(۶) پانی کھینچنے کے طریقوں کا مطالعہ۔ فصلوں کے لئے پانی کی اہمیت۔ مٹی کے پانی کا ضائع ہونا اور اسکو کیسے روکا جائے۔

(۷) بارانی کاشت کے اصول اور رطوبت کو جمع رکھنے کے طریقے

(۸) نقصان پہونچانے والے خاص کیڑوں کا مطالعہ انکی روک تھام اور تلافی کرنے کے طریقے۔

(۹) جمع شدہ غلے کو نقصان پہونچانے والے کیڑے۔ انکی روک تھام کے طریقے۔

(۱۰) فصلوں کا اندازہ لگانا۔ کھیتوں کی پیمائش کی مشق۔

(۱۱) مختلف قسم کے گیہوں روئی۔ گنّے اور چاول کا مطالعہ۔

(۱۲) مویشیوں کا رکھنا اور کھلانا پلانا۔ صفائی کی اہمیت۔

(۱۳) فارم کا حساب کتاب۔

نوٹ ۱۔ ترکاریوں کا بونا درجہ ۵ سے شروع کیا جائے اور اخیر تک جاری رکھا جائے۔

نوٹ ۲۔ ہر درجہ میں اسباق زراعتی جنتری کے مطابق دئے جائیں۔

نوٹ ۳۔ فصلیں خطہ کی معیاری دوران کے مطابق اگائی جائیں۔

درسی کتابیں

ہندی۔

۱۹۳۷ء زراعتی ریڈریں۔ حصہ دوم (تصحیح شدہ) از دیودت شرما۔ شائع کردہ منورما بک ہاؤس کرنیل گنج الہ آباد (قیمت ۴؍) یا

۱۹۳۷ء کرشی چندرکا حصہ سوم (تصحیح شدہ) از چندر لال ویش۔ شائع کردہ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد (قیمت ۸ آنے) یا

۱۹۳۶ء کرشی شاستر (تصحیح شدہ) از رائے صاحب تیج شنکر کوچک۔ سندوہن چوبٹیاں لکھنؤ (قیمت ایک روپیہ)

مع

۱۹۳۷ء کرشی لیکھا پستک۔ از رائے صاحب تیج شنکر کوچک۔ سندوہن چوبٹیاں لکھنؤ (قیمت ۴ آنے)

اردو۔

۱۹۳۶ء رہبر زراعت (تصحیح شدہ) از رائے صاحب تیج شنکر کوچک۔ سندوہن چوبٹیاں لکھنؤ (قیمت ۴؍)

مع

۱۹۳۶ء زراعتی حساب و کتاب از رائے صاحب تیج شنکر کوچک۔ سندوہن چوبٹیاں لکھنؤ (قیمت ۴ آنے)

یا

۱۹۳۷ء زراعتی ریڈرس حصہ دوم (تصحیح شدہ) از دیودت شرما۔ شائع کردہ منور مابک ہاؤس کرنیل گنج الہ آباد (قیمت عہ) یا

۱۹۳۷ء کلید زراعت حصہ سوم (تصحیح شدہ) از چندر لال ویش شائع کردہ انڈین پریس لیمٹیڈ الہ آباد (قیمت ۸ آنے)

دیہی علم

زراعت۔ پھل دار درختوں کا اگانا۔ جانوروں کی نگہداشت۔ محکمہ جنگلات و مویشیان کے جانوروں کی افزائش کا کام۔

حفظان صحت۔ پہلی امداد یا فرسٹ ایڈ۔

ملک کا انتظام حکومت۔ مجلس قانون ساز۔ عدالت۔ نظم و نسق۔ زمیندار اور کاشتکار۔ قانون کاشتکاری۔ گورنمنٹ کے ذریعے آمدنی اور اسکا خرچ۔

تعلیم۔

زراعت

درخت۔ درختوں کا لگانا۔ کیاری بندی۔ گوڑائی۔ کلے لگانا۔ پیوند باندھنا۔ آرچنگ یا محراب بندی۔ قلم کرنا۔ سینچنا۔

مویشی۔ ہندوستانی اور یورپ کے مویشیوں کا مقابلہ۔ مویشیوں کی غور پرداخت۔ دودھ دینے والے اور بوجھ ڈھونے والے مویشیوں کی نسل میں ترقی دینا۔ اچھے دودھ کے فوائد۔ دیہات کے مویشیوں کی ترقی کے لئے محکمہ زراعت نے کیا کیا طریقے اختیار کئے ہیں۔ حصار اور ہانسی کے بیلوں کی نسل۔ دہلی کے بھینسے۔

جنگل۔ محکمہ جنگلات کے کام۔

قحط۔ قحط کے اسباب۔ پہلے کی بہ نسبت اب قحط کا خطرہ کم ہوگیا ہے۔ انسداد کے طریقے۔

حفظان صحت

ہم اپنے دوستوں کی مدد کیسے کرسکتے ہیں۔

چھوت کی عام بیماریوں کے متعلق چند سادہ قاعدے بیماروں کی خبرگیری۔ بیماروں کے لئے غذا۔

فرسٹ ایڈ یا پہلی امداد۔ سانپ کا کاٹنا۔ پاگل کتے کا کاٹنا۔ زخم اور جلد کا کٹ جانا۔ آگ سے جلنا یا چھالے پڑنا۔ زہر چڑھنا۔ جریان خون۔ ہڈی کا ٹوٹ جانا۔ پانی میں ڈوبنا۔

ملک کا انتظام حکومت

ضلع انتظام حکومت میں ابتدائی منزل ہے۔

افسر ضلع۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ انجینیر۔ جنگلات کا افسر۔ ان سب کے اور ان کے ماتحتوں کے کام۔ صوبے کی اضلاعی تقسیم۔ کمشنر اور اس کے فرائض۔ گورنمنٹ۔ گورنر۔ گورنمنٹ ہند وائسرائے۔ مجلس واضع قوانین یا لیجسلیٹو کونسل۔ اس کا کام

ممبروں کا تقرر یا چناؤ۔ ووٹ کس طرح دینا چاہیئے۔
محکمۂ عدالت۔ صوبہ متحدہ کا زمینداری سسٹم۔ پٹواری کا قانون۔

گورنمنٹ کی آمدنی اور خرچ

مالگذاری۔ بندوبست کے افسروں کے فرائض۔
مالگذاری کیسے وصول کی جاتی ہے۔ ٹیکس ٹیکس کیوں دیئے جاتے ہیں۔ صوبہ کی آمدنی کے صیغے۔ اکسائز یا محکمہ آبکاری۔ اسٹامپ۔ جنگلات اور آبپاشی۔
سرکاری آمدنی۔ نمک پر ٹیکس۔ ایک سیر نمک پر ٹیکس کی شرح۔ انکم ٹیکس۔ افیم پر چنگی۔ صوبہ کی گورنمنٹ روپیہ کن مدوں پر صرف کرتی ہے محکمہ جات انتظامی اور عدالت۔ تعلیم۔ شفاخانے اور صفائی۔ زراعت۔ مویشیوں کا علاج۔ آبپاشی۔ مجالس امداد باہمی۔ ذرائع آمد و رفت۔ مقامی مجالس کے اخراجات میں امداد۔
گورنمنٹ آف انڈیا کے اخراجات۔ حفاظت ہند اندرونی و بیرونی۔ فوج اور پولیس کی ضرورت۔
تعلیم۔ اس کے فائدے۔ صوبہ متحدہ میں تعلیمی ترقی۔ تعلیم نسواں۔

درسی کتاب

سنہ ۱۹۴۲ء دیہی علم ورناکیولر مڈل اسکولوں کے لئے۔ حصہ سوم برائے درجہ ۷۔ (اردو یا ہندی) شائع کردہ رائے صاحب رام دیال اگروالا کٹرہ الہ آباد۔

د۔ مینول ٹریننگ

۱۔ ڈرائنگ ـــــ (۱) کورس کے جملہ ماڈلوں کے پلان بلندی اور اطراف کی ڈرائنگ اور مستطیلی ماڈلوں کا ہم پیمانہ انلامی یا پروجیکشن۔
(۲) استعمال کے اوزاروں کے خاکے۔
۲۔ اوزاروں اور لکڑی کے متعلق سبق۔ (۱) اوزاروں کا تیز کرنا اور دھار رکھنا۔ انکی ساخت۔ اور انکا اچھی حالت میں رکھنا۔
(۲) لکڑی کی بناوٹ بڑھوار۔ پچھلے کورس میں پڑھائی ہوئی معلومات۔
۳۔ لکڑی کا کام۔ ماڈلس۔
(۱) مچیا۔
(۲) چوکی۔
(۳) صراحی دان۔
(۴) بکس قلابے دار۔
(۵) بکس گرہ والا۔
(۶) رحل۔
(۷) چول بنانا۔ سالنا۔ چول بٹھانا، تختوں کا اتصال اور انکی جوڑیں۔

نوٹ۔ اساتذہ ان ماڈلوں کے علاوہ ایسے ماڈل بھی بنوا سکتے ہیں جو بچوں کے ماحول سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کے لئے ضروری ہوں۔

فزیکل ٹریننگ

اساتذہ کو جسمانی ورزش کے اس نصاب کی جو کہ "سیلبس آف فزیکل ایکسر سائز شائع کردہ (اردو ہندی) سپرنٹنڈنٹ پرنٹنگ اور اسٹیشنری صوبہ متحدہ الہ آباد (قیمت ۸ آنہ) .... کی میں دیا گیا ہے پابندی ... کرنی چاہیے۔

فارم کے حساب و کتاب کے نقشے

(مذکورہ بالا نوٹ نمبر ۲ بسلسلہ زراعت مندرجہ صفحہ ـــ)

۱۔ آراضی اور عمارات کا رجسٹر

آراضی

تاریخ	رقبہ	حدود اور تفصیل	مالیت (جو سالانہ درج کی جائے)	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵

عمارات

تاریخ	تفصیل	مالیت (جو سالانہ درج کیجائے)	کیفیت
۱	۲	۳	۴

۲۔ مویشیوں کا رجسٹر

تاریخ خریداری	جانوروں کا نام اور تفصیل	عمر	مالیت (جسکا اندراج سالانہ ہو)	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵

۳۔ ضائع شدہ سامان اور اوزاروں کا رجسٹر

تاریخ	سامان کا نام	تعداد	مالیت (جو سالانہ درج کیجائے)	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵

۴۔ پیداوار کا رجسٹر

تاریخ وصولیابی	تفصیل موصول کی	تاریخ برآمد	سے برآمد کی تفصیل	باقی	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶

نوٹ ہر طرح کی پیداوار کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ صفحات استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

۵۔ رجسٹر نقدی

خرچ آمدنی

تاریخ	تفصیل	رقم			تاریخ	تفصیل	رقم		
		روپیہ	آنہ	پائی			روپیہ	آنہ	پائی

۶۔ بہی کھاتہ

کم از کم مندرجہ ذیل سرخیاں قائم کی جائیں گی۔ (۲) مویشیوں کا کام اور انکا دانہ پانی۔ (۳) عام مرمت۔
(۱) پیداوار۔ ہر قسم کی پیداوار کیلئے ایک الگ سرخی ہوگی۔ (۴) مزدوری۔ (۵) اتفاقی مصارف۔

۷۔ نفع اور نقصان کا حساب وکتاب

خرچ آمدنی

	روپیہ	آنہ	پائی		روپیہ	آنہ	پائی
فصل یا پیداوار میں۔ مویشیوں کے دانہ پانی میں۔ انکی پرورش اور عام مرمت میں۔ مزدوری میں۔ منافع میں۔				پیداوار کی فروخت سے۔ مختلف وصولیابیوں سے۔ فروخت شدہ مال سے			

۸۔ واصل باقی

مجموعی قرض املاک واجب الوصول مالیت

	روپیہ	آنہ	پائی		روپیہ	آنہ	پائی
ڈسٹرکٹ بورڈ کو۔ مختلف قرض خواہوں کو۔ ضائع شدہ سامان۔				آراضی سے۔ عمارات سے مویشیوں سے نہ بکنے والے مال اور اوزاروں سے پیداوار کے موجودہ ذخیرے سے مختلف قرضداروں سے۔ نقدی سے۔			

پرنٹر و پبلشر رائصاحب رام دیال اگروالا
کٹرہ الہ آباد

ہماری مطبوعہ کي کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجي — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب' مولوی' فاضل — ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربي' فارسي' اردو' ہندو یونیورسٹي بنارس — قیمت ۶ آنہ —

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولس کے لیے مرتب کیا ہے — انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے — اُردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلیٰ درجے کا انتخاب ہے —

سونے کا نوالہ — مترجمۂ مولوي عابد حسین صاحب فریدي' ایم' اے — ال' ٹی — ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور —

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے — زبان نہایت صاف اور شستہ ہے — قیمت ۲ آنہ —

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفۂ رام رگھبیر پرشاد — لکھائی چھپائی عمدہ' کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۶۰ — قیمت ۴ آنہ —

الہ دین اور اُس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق' متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں —

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفۂ منسکھہ رائے' ٹیچر نارمل اسکول' جھانسي — لکھائي چھپائی عمدہ' کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۴۴ — قیمت ۳ آنہ —

اس کتاب میں علي بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں —

گلدستۂ مضامین — مصنفہ مولوي ظفر حسین صاحب عاصی ٹیچر پارکر ہائي اسکول مرادآباد —

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق ہے — یہ اسم بامسمي ہے — اس میں مختلف قسم کے ۶۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین مصنفین یورپ کي معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں — مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کي مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اُس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستہ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے — اس میں مختلف تصاویر بھي دي گئي ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۴۷۰ ہیں — باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے —

"فرہنگ امثال" — مولفۂ سید مسعود حسن صاحب رضوي — ایم' اے — لکچرر لکھنؤ یونیورسٹي — لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم جیبی سائز' صفحات ۲۳۷ — قیمت ۱۰ آنہ —

یہ اُردو میں اپنے طرز کي پہلی کتاب ہے — عربی فارسي کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اُردو میں مروج ہیں' ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں — ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھي طرح سے اُن کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے — ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لئے منظور ہے — طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے —

خطوط نویسي — مرتبۂ مولوی محمد رفیع بجنوري' فاضل دیوبند — قیمت ۲ آنہ —

اردو میں سادہ خطوط نویسي کے چند نمونے دیے گئے ہیں — عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے — بچوں کے لیے بیحد مفید ہے —

رائے صاحب رام دیال اگروالا پرنٹر و پبلشر الہ آباد

Registered No. 467-A

مئی سنه ۱۹۴۳ع

ایڈیٹر
ڈاکٹر عبادالرحمٰن خاں
پی ایچ ڈی (لنڈن)

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad

سررشتۂ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ مئی سنہ ۱۹۲۳ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ رائے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر' الہ آباد' سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں کے پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم' مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں' ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم' اشارات' سائینس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں' قدرتی و طبعی مناظر' تعلیم نسواں' نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے معوض مضمون نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت برائے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جاے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۳۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے' یہ یاد رکھیے -

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

شرح اُجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۳۱ روپیہ ۴ آنہ	۵۶ روپیہ ۴ آنہ	۱۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۸ روپیہ ۱۲ آنہ	۳۳ روپیہ ۱۲ آنہ	۶۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۵ روپیہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۲ روپیہ ۸ آنہ	۴۰ روپیہ

یہ اُجرت دونی ہوجائے گی' جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے گا - ہر حالت میں اجرت پیشگی لی جائے گی -

پبلشر- رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد

جلد ۳۵ | مئی ۱۹۴۳ء | نمبر ۲

نظم پڑھانے کیلئے کچھ اشارات

(از محمد یوسف صدیقی ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ٹی ۔)

نظم پڑھانے کا مقصد ۔ نظم کا خاص تعلق ہمارے محسوسات سے ہے ۔ اس کو یوں کہنا بہتر ہوگا کہ نظم سوچی نہیں جاتی بلکہ محسوس کی جاتی ہے یعنی نظم کا تعلق دماغ سے زیادہ دل سے ہے ۔

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ انسان کی ضروریات کو دو بڑی سرخیوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے کھانا پینا ستر پوشی وغیرہ اسکی مادی ضروریات ہیں ۔ انکو پورا کرکے وہ اپنے جسم اور تندرستی کی حفاظت کرتا ہے ۔ مگر انسانی زندگی کا مقصد صرف جسم ہی کی پرورش اور حفاظت نہیں ہے اسکے اندر روح ہے اور اس روح کا تعلق جمالیاتی ذوق سے ہے ۔ یہ روحانی پیاس ہر انسان کا دل محسوس کرتا ہے ۔ اور اس کے بجھانے کی تڑپ ہر دل میں کسی نہ کسی وقت پیدا ہوتی ہے فنون لطیفہ اس پیاس کو بجھاتے ہیں ۔ شعر موسیقی ۔ مصوری ۔ سنگ تراشی ۔ جو فنون لطیفہ میں داخل ہیں ہمارے فنی ذوق کی تکمیل کا سامان مہیا کرتے ہیں ۔

اس مختصر تمہید سے شاید واضح ہوگیا ہوگا کہ شعر (نظم) کا تعلق کتنی لطیف شے سے ہے ۔ اور اس کے پڑھانے کے مقصد میں بھی استاد کو ادبی نقطہ نظر

سے کتنی دور رہنا چاہیئے۔ نظم ہمارے جمالیاتی ذوق
کی غذا ہے اور اپنے اندر خود ایک لطف رکھتی ہے۔
جو جسمانی حظ سے کہیں بالاتر ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے
کہ نظم تہذیب کی پستی کے ساتھ ساتھ زوال پذیر ہوتی
ہے۔ اور نظم کی ترقی تہذیب کے عروج کا پتہ دیتی
ہے۔ پس نظم پڑھانے میں سب سے بڑا مقصد پنہاں
ہے کہ یہ ہمارے اندر صحیح ذوق پیدا کرتی ہے۔ ہمارے
جذبات اور خیالات میں ہیجان پیدا کرتی ہے۔ ہمارے
مردہ احساسات میں جوش پیدا کرکے پژمردگی اور
اضمحلال کو دور کر دیتی ہے۔ بچوں میں اچھی نظمیں پڑھنے
سے کائنات سے ہمدردی کے ساتھ تخیل آرائی کا
ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ قدرتی مناظر اور زندگی کی
دوسری حسین اور لطیف اشیاء سے محبت کرنے لگتے
ہیں۔ تخیل اور تصور کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ ہمارے
جذبات اور احساسات کو بلند کرتی ہے۔ بچوں میں قوت
تصور زیادہ ہوتی ہے اور اچھی نظمیں اس قوت کی
تربیت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے
ہیں کہ نثر کے سبق اور نظم کے سبق کے مقاصد میں
کتنا فرق ہے۔ نثر کے سبق میں ہمارا مقصد زیادہ تر
یہ ہوتا ہے کہ بچوں پر مفرد الفاظ یا فقروں کے معنی
واضح کریں۔ نظم پڑھانے میں سب سے بڑا مقصد
یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں میں ایسی استعداد پیدا کریں کہ
ان پر اس نظم کو پڑھتے وقت وہی جذبات طاری
ہو جائیں جو نظم کہتے وقت شاعر پر طاری ہوئے تھے۔
بچے ان خیالات اور جذبات کو محسوس کریں اور
ان میں ان کے سمجھنے کی لیاقت پیدا ہو جائے ہمیں
ان میں ایسی استعداد پیدا کرنا ہے کہ وہ شاعر کی
اس عالمگیر محبت کا پتہ لگا سکیں جو شاعر کے دل میں
کائنات قدرت کے لئے موجزن ہے تاکہ ان
کے دلوں میں بھی ایسی محبت پیدا ہو سکے۔ یہ مقصد
اعلیٰ درجوں میں پڑھائی جانے والی نظموں میں بھی
پنہاں رہیگا اور ادنیٰ جماعتوں میں پڑھائی جانے
والی نظموں کے اسباق میں بھی۔ جیسا کہ کہا جا چکا ہے
کہ نظم کا تعلق روح سے ہے۔ چنانچہ جب ہم اس
مادی دنیا سے گھبرا کر قلب کا اطمینان اور روحانی
سکون تلاش کرتے ہیں۔ ان پریشانی کے لمحات میں
نظم ہم کو اس دکھ اور پریشانیوں کی دنیا سے ایک
ایسے آسمانی ماحول میں لے جاتی ہے جہاں سکون
اور اطمینان کی حکومت ہوتی ہے۔ اس طور پر نظم کا
اثر کتنا اطمینان بخش اور اعلیٰ ہوتا ہے اور عرصہ
تک قائم بھی رہتا ہے۔ نظم سے بچوں کو اپنے
خیالات کے اظہار کرنے کی مشق بھی ملتی ہے
اور جو تعلیم اس کا موقعہ نہ دے وہ ناقص ہے۔ یہ
ہے نظم پڑھانے کا عام مقصد۔

خاص مقصد اس وقت یہ ہوگا کہ بچوں میں اس
نظم کو پسند کرنے اور اسکی خوبیوں کے سمجھنے کی استعداد

پیدا ہو جائے۔ وہ روح نظم اور جو خاص خیال شاعر نے
ادا کیا ہے سمجھ لیں۔ ان کو اس لائق بنانا کہ وہ نظم
کو روانی اور ترنم سے پڑھ سکیں تاکہ بچوں میں نظم
کی موسیقی اور جادو سے تھوڑا بہت حظ اٹھانے کا
ملکہ پیدا ہو جائے۔

نظم کو کس طرح پڑھایا جائے۔ نظم پڑھانے
میں نظم خوانی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے
یہ کہا گیا ہے کہ صحیح پڑھنے سے اگر پورے طور پر
نہیں تو آدھے سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ استاد کا یہ
فرض ہے کہ وہ نظم خوانی سے درجے میں ایسی فضا
پیدا کر دے جس میں نظم کے معنی ذہنی طور پر سمجھنے
کی بجائے خود بخود محسوس ہو جائیں اور اس کے
ساتھ ہی ساتھ وہ سمجھ میں بھی آجائیں۔ اُستاد کو
لازم ہے کہ نظم کو اس انداز سے پڑھکر درجے میں
سنائے کہ اس کے پڑھنے سے بچے نظم کے معنی
کو سمجھنے لگیں اور اس کے پڑھنے ہی سے مسحور ہو جائیں
اس سے یہ ظاہر ہے کہ استاد کو بھی پڑھانے کے
لئے کچھ تیاری کرنا ہے اور وہ نظم خوانی میں،
جتنا وقت صرف کرے کم ہے۔ کیونکہ نظم پڑھانے
میں کامیاب اسی وقت ہو گا جب کہ وہ نظم خوانی
میں کامیابی حاصل کرلے۔ استاد کو خود نظم کو محسوس
کرنا چاہئے اور پھر کئی بار نظم خوانی کرنی چاہئے
ہم اس وقت تک اچھے پڑھنے والے نہیں بن سکتے
جب تک کہ ہم اچھے محسوس کرنے والے نہ ہوں۔ کوئی
بھی جماعت ہو نظم کے سبق میں پہلا قدم یہ ہوگا کہ
وہ نظم بلند آواز سے پڑھی جائے۔ پڑھنے سے مطلب
خوشخوانی ہے۔ اسی لئے نظم پڑھانے کے لئے اُستاد
کا خوشخواں ہونا بہت ضروری ہے۔ تمام استفادہ
جو بچے ایک نظم سے اٹھا سکتے ہیں وہ استاد کے پڑھنے
پر موقوف ہے۔ معنی اور مطلب کی تشریح بھی صحیح اور
اچھے ڈھنگ سے پڑھنے میں پوشیدہ ہے۔ یہ اصول
اول جماعت سے لیکر اونچی جماعتوں تک کارفرما
رہیگا۔ اس لئے کہ استاد اپنی نظم خوانی ہی سے نظم
کے معنی بچوں کے ذہن پر منقوش کر سکتا ہے۔ ایک
دفعہ کا پڑھنا کافی نہیں۔ دو یا تین مرتبہ نظم پڑھی
جائے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نظم گا گا کر نہ پڑھی
جائے۔ گانے کی آواز اور نظم کے پڑھنے کی آواز
میں فرق ہے۔ اگر اس فرق کا خیال نہ رکھا گیا تو
نظم محض ایک گیت بن کر رہ جائیگی۔ نظم کو ٹکڑے
ٹکڑے کرکے پڑھانے سے اس کا لطف جاتا رہتا
ہے اسکی ساری خوبصورتی پر پانی پھر جاتا ہے۔ معنی
مطلب میں الجھنے اور لفظ بہ لفظ مطلب سمجھنے میں اسکا
مزا جاتا رہتا ہے۔ اس لئے معنی مطلب کی منزل سے
جس قدر جلدی ہو گذر جانا چاہیئے۔ ورنہ نظم کا مزا
جاتا رہیگا۔ نظم کو اس طرح پڑھانا چاہیئے کہ
اس کا لطف برابر قائم رہے۔ تمام نظم کو ایک ساتھ

لیا جائے اور بچے تمام نظم کے معنی سمجھنے کی کوشش کریں۔ تمام نظم ہی ایک خیال کو کلی طور پر پیش کرتی ہے اسکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے پڑھنا تمام معنی اور نظم کو ضائع کردیتا ہے۔ ہاں لمبی نظموں کو اسطرح نہیں پڑھایا جا سکتا۔ انھیں حصوں میں تقسیم کرکے پڑھنا پڑیگا۔ پڑھاتے وقت شعر کے لفظی معنوی خوبیوں کی طرف اشارہ کردینا چاہئے کہ ان سے شاعر کے کلام میں کیا خوبی پیدا ہوگئی ہے شاعر نے اس موقع پر ان سے کیا کام لیا ہے کس لفظ سے کونسی تصویر ذہن میں آجاتی ہے خاص الفاظ (اسمار اور صفت) نے بیان میں کیا زور پیدا کردیا ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود اس بڑے مقصد کو نہ بھول جانا چاہئے۔ یعنی نظم کو محسوس کرانا۔ مفرد الفاظ اور فقروں کی تشریح کو وہی درجہ دینا چاہئے جو نظم کے سبق میں ضروری ہے اصل مقصد یہ ہے کہ بچے ان خیالات اور جذبات کو محسوس کریں جو شاعر نے کئے ہیں تاکہ ان میں شعر کا صحیح مذاق پیدا ہوجائے ان کے اندر جو لطیف جذبات اور محسوسات ہیں وہ بیدار ہوجائیں۔

استاد جب خود دو تین بار نظم خوانی کرکے نمونہ دے چکے اور فضا پیدا کرچکے تو جہاں تک ہوسکے ہر بچے کو نظم خوانی کا موقع دے۔ نظم خوانی کے وقت اشاروں اور حرکتوں سے کام لیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ یہ غیر فطری نہ ہونے پائیں جس طرح ہم روزمرہ کی گفتگو میں ان کو قدرتی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح نظم خوانی میں استعمال کیا جائے جب کہ وہ قدرتی دکھائی دیں۔ بچوں کے ذہن میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اشاروں اور حرکتوں سے کام لینا ضروری ہے۔ اگر یہ خیال پیدا ہوگیا تو وہ ہر نظم میں ان سے کام لینے کی کوشش کرینگے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حرکات اور اشارات غیر فطری ہوجائینگے۔ بہرصورت حرکات اور اشارات کو قدرتی ہونا چاہئے۔ موقعوں پر از خود حرکت ہونا چاہئے نہ یہ کہ سوچ کر زبردستی حرکت کی جائے۔ یہ سب کچھ نظم اور اس کی نوعیت پر مبنی ہے۔ اگر ڈرامائی نظمیں ہیں تو وہ خود ڈرامائی طرز اختیار کرنے پر مجبور کرینگی۔ استاد کو بھی نظم خوانی کے وقت اس چیز کو دھیان میں رکھنا چاہئے اس لئے کہ بچے نقال ہیں۔ نقل کرنا انکی فطرت ہے استاد انکے لئے قابل تقلید نمونہ ہے اس لئے وہ استاد کی نقل کرینگے۔ نظم پڑھتے وقت اکثر لوگ چہرہ بناتے ہیں منہ کو ٹیڑھا کرکے پڑھنا۔ لہجے میں تصنع۔ ان سب سے استاد کو گریز کرنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ بچے بھی ان چیزوں سے گریز کرتے ہیں۔ اور پڑھنے میں فطری ڈھنگ اور لہجہ اسی وقت آئیگا جب بچے نظم کو صحیح طور پر محسوس کرکے پڑھیں گے۔ اور خود بھی پڑھنے میں لطف لیں گے۔ استاد کو یہ جان

لینا چاہیئے کہ جب تک وہ خود اپنی نظم خوانی سے محظوظ
نہیں ہوگا سننے والے بھی اس سے لطف اندوز
نہیں ہو سکتے۔ یہ بات کسی خاص جماعت سے ہی
وابستہ نہیں ہے بلکہ ابتدائی جماعتوں سے لیکر آخری
جماعتوں تک حاوی ہے۔

کس قسم کی نظمیں پڑھانا چاہیئے۔ نظمیں جو
اسکولوں میں پڑھائی جائیں ان کا تعلق زندگی
سے ہونا چاہیئے۔ بچوں کا ماحول تو ہم کو کسی حالت
میں فراموش ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ بچے ان نظموں
کو محسوس نہیں کر سکتے جنکا تعلق ان کی روزمرہ کی
زندگی سے نہیں ہے۔ اگر اس بات کی امید کریں
کہ بچے ان نظموں کو اچھی طرح محسوس کر لیں گے
جو انکی زندگی سے تعلق نہیں رکھتیں تو یہ ہماری غلطی
ہوگی۔ اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔
ہر عمر کے بچوں پر یہ بات صادق آتی ہے مگر چھوٹے
بچوں کی زندگی پر خاص طور پر۔ انکے دماغ میں یہ
خیال کبھی نہ پیدا ہونے پائے کہ شعر وہ شے ہے جو
انکی زندگی سے علیحدہ چیز ہے یا اگر کوئی تعلق ہے تو
وہ ایک مصنوعی رشتہ ہے بلکہ وہ شعر یا نظم کو ایک
قدرتی چیز سمجھیں جو انکی زندگی سے تعلق رکھتی ہے
انکی زندگی ہی شعر کو پیدا کرتی ہے اور شعر انھیں
کی زندگی کی تنقید ہوا کرتی ہے۔ شعر میں زندگی
کے تجربے ہی بیان کئے جاتے ہیں۔ اگر نظم اس
نقطۂ نظر سے پڑھائی جائیگی اور نظمیں بھی پڑھانے
کے لئے اسی لحاظ سے چنی جائیں تو وہ انکی روزمرہ
کی زندگی کا جزو بن جائینگی۔ دوسری بات جو نظموں
کے انتخاب میں مدنظر رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ نظمیں
عمدہ قسم کی ہوں۔ معمولی اور مبتذل قسم کی نظمیں
بچوں کے سامنے نہ رکھی جائیں۔ ورنہ بچوں کا مذاق
سخن بگڑ جائیگا۔ نظمیں سادی ضرور ہوں مگر خیالات
عمدہ ہوں اور انکے اظہار میں خوبی پائی جاتی ہو۔
وہ جذباتی اور عشقیہ نہ ہوں۔ ان میں خیالات اور
جذبات کی پیچیدگی نہ ہو۔ بلکہ ایسی کہ عمدہ خیالات
اور جذبات نہایت سادگی اور پاکیزگی سے ادا
کئے گئے ہوں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ بچوں کو
ہمیشہ وہی نظمیں پڑھائی جائیں جنکو وہ آسانی
سے اور پوری طور پر سمجھ لیں۔ صرف روح نظم
بچوں کو معلوم ہو جانا چاہیئے۔ کولرج ایک انگریزی
کے شاعر نے کہا ہے" وہی نظم سب سے اچھی ہے
جو پہلی بار پوری طرح سے نہ سمجھی جا سکے" اور
شاید اس کا یہ کہنا غلط نہیں۔ اس لئے کہ نظم کے
نہ سمجھنے میں بھی ایک مزا ہے اگر وہ نظم پہلی بار میں
سمجھ میں آگئی تو یہ مزا جاتا رہیگا۔ اسکو سمجھنے میں جو
کوشش کی جاتی ہے وہ بجائے خود مزا دیتی ہے۔ اگر بچہ شعر کے ہر لفظ
کو نہیں سمجھتا تو کوئی مضائقہ نہیں شعر میں صرف خیال
کو محسوس کر لینا ہی کافی ہے۔ اور استاد کا یہ کام

ہوگا کہ وہ صرف اس خیال تک پہونچنے میں بچوں کی حتی الامکان مدد کرے۔

نظمیں ایسی ہوں جن میں قافیہ اور ترنم (تال) ہو۔ خاصکر چھوٹے بچوں کے لئے قافیہ اور تال کی ضرورت کو ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ قافیہ اور موسیقی عملی طور پر ہم سب ہی کو پسند ہے اور بچوں کی زندگی کی تو خاص چیز ہے۔ اور نظم سے روشناس کرانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ بچوں کو راگ اور الفاظ میں موسیقی کا بہت شوق ہوتا ہے مگر یہ نظمیں اس لحاظ سے قابل قدر ہیں۔ اس لئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ نظمیں خواہ اعلیٰ طبقے کی ہوں خواہ سادی ہوں ان کا قافیہ درست ہوا ور ان میں شعریت کا پورا پورا رنگ ہو۔ استاد یہ دیکھے گا کہ بچوں کے سامنے وہی تصویر آجاتی ہے جو شاعر نے الفاظ کے ذریعہ کھینچی ہے۔ بعض نظموں سے دلیری اور شجاعت ٹپکتی ہے۔ بعض سے خوشی کے جذبات برانگیختہ ہوجاتے ہیں اور بعض سے رقص و سرود کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ شاعر الفاظ سے ان نقشوں کے کھینچنے میں بڑی کاوش سے کام لیتا ہے۔ حسن بیان اس کا نام ہے۔ شاعر اس مصوری کے لئے شعر میں خاص الفاظ کا انتخاب کرتا ہے اور ہر لفظ ایک تصویر پیش کرتا ہے۔ بچوں میں یہ استعداد پیدا کی جائے کہ وہ شعر کی ان خوبیوں کو محسوس کر سکیں۔ یہ استعداد بالکل چھوٹے بچوں میں نہیں پیدا کی جاسکتی مگر رفتہ رفتہ عمر کی ترقی کے ساتھ استاد کی خاص رہنمائی میں یہ استعداد پیدا ہوجائیگی اور پھر بڑے ہونے پر ان میں نظم کا صحیح مذاق بھی پیدا ہوجائیگا۔ اگر ایسا ہوگیا تو استاد اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوا۔

بیانیہ نظمیں بچوں کے لئے اچھی سمجھی گئی ہیں۔ جن میں کسی چیز یا خود بچوں کے تجربوں کا بیان ہو۔ یہ بچوں کو بڑی دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔ ان نظموں کا ربط بھی بنیادی حرفوں یا دیگر حرفوں سے بہت آسانی سے ہوسکتا ہے۔ یہ ربط بہت فطری ہوگا۔ مثلاً حرفوں کے اوزاروں یا عملی طریقہ کو نظم کیا جائے۔ کسی ماڈل کا بیان کہ وہ کس طرح بنا اور کن اوزاروں نے اسکے بنانے میں کیسے مدد دی۔ اسکو استاد آسان اور سادی زبان میں نظم کرے۔ یہ کام استاد سے محنت کا طالب ضرور ہوگا مگر ایک مرتبہ محنت کر لینے سے ہر سال یہ نظمیں بچوں کے کام آئیں گی۔ استاد کے لئے بچوں کا قدرتی اور سماجی ماحول موجود ہے۔ وہ انکی اسکول اور گھر کی زندگی کے تجربوں کو جانتا ہے اور یہیں سے اسکو نظم کیلئے مواد ملیگا۔ ان نظموں میں بھی روانی۔ قافیہ اور موسیقی کو خاص اہمیت حاصل ہوگی۔ چونکہ مادی چیزوں کا ذکر ہوگا۔ عملی تجربوں کا بیان ہوگا اس لئے شعریت پیدا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اگر یہ نظمیں مختصر اور

چھوٹی بحر میں ہوں گی تو بچے بھی انھیں زبانی یاد کر سکینگے حرفوں کے گھنٹوں میں نظم خوانی سے اپنے کام کو بھی دلچسپ اور آسان بنالینگے۔ مثلاً تکلی چلاتے وقت اگر کوئی نظم تکلی پر انھیں یاد ہے یا سوت کاتنے سے تعلق رکھتی ہے تو اس کی نظم خوانی بھی کرینگے۔ اور سوت بھی کاتتے جائینگے۔ اس طرح درجے میں جو عملی کام ہوگا وہ ایک بوجھ یا وبال نہ معلوم ہوگا بلکہ درجے کے کام میں زندگی اور ایک دلچسپی معلوم ہوگی۔ دوسرے یہ کہ یہ نظمیں بچوں کو اُن کی زندگی کا ایک جز معلوم ہونگی۔ وہ یہ نہ محسوس کرنے پائینگے کہ شعر ایسی چیز ہے جسکا زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سے انھیں یہ علم ہوگا کہ شعر (نظم) میں ہمارے زندگی کے تجربات کا ذکر ہوتا ہے۔ نظم میں زندگی ہی کا فلسفہ ہوتا اور نظم جو ادب کی ایک شاخ ہے ہماری زندگی کی تنقید ہوا کرتی ہے۔ جن نظموں میں گہرے فلسفیانہ خیالات ہوں جن سے دنیا اور زندگی سے بیزاری پیدا ہو۔ جن میں عشقیہ جذبات ہوں یا تصوف اور وحدانیت کے دقیق مسائل ہوں جن میں اخلاقیات کے اونچے خیالات نظم کئے گئے ہوں۔ بچوں کے لئے موزوں نہ ہوں گی۔ بچوں کے دماغ انھیں قبول نہ کرینگے اور نہ یہ چیزیں آسانی سے ان کے ذہن پر نقش ہونگی۔ اگر ابتدا میں اس قسم کی نظمیں ان کے سامنے پیش کیگئیں تو وہ ان سے گریز کرینگے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نظموں سے رغبت کی بجائے انھیں نفرت ہوجائیگی اور ابتدا میں ایسا ہوجانا بہت ہی مضر اثر ڈالیگا اسی لئے بنیادی تعلیم میں بچہ اور اسکے ماحول کو خاص اہمیت دیجاتی ہے۔ کوئی بھی مضمون ہو اور کوئی بھی موضوع ہو ہمیں بچے کے ماحول کو نہ بھول جانا چاہئے۔

بچے کا ماحول اسوقت بہت محدود ہوتا ہے وہ سادی اشیا کو جو اسکے ماحول سے تعلق رکھتی ہیں جانتا ہے اسے اپنے عملی تجربوں سے دلچسپی ہے لہذا نظموں کا موضوع بھی یہی چیزیں ہونا چاہئے۔

بچے نقل و حرکت کو پسند کرتے ہیں اسلیئے کہ اس عمر میں نقل و حرکت کے خود عادی ہوتے ہیں اگر نظموں میں نقل و حرکت ہو اور ڈرامائی طرز میں لکھی گئی ہوں تو بچے بہت پسند کرینگے اس قسم کی نظموں سے بچوں کو پیغام عمل دیا جاسکتا ہے اور ان میں عمل کا جوش اور پھرتی پیدا کیجاسکتی ہے۔

نظم کو زبانی یاد کرنا ۔ نظم پڑھانے کے سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نظم کو زبانی یاد کرایا جائے اور کس طرح یاد کرایا جائے۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نظم کو زبانی یاد کرانے یا رٹانے اور بچوں کو بار بار شعر دُہرانے سے ان کے دلوں میں نظم سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔ نظم یا اشعار یاد کرانے میں خاص طور پر دو مقاصد پنہاں ہوتے تھے یا تو اس خاص تقریب پر جب کوئی جلسہ اسکول میں ہونیوالا ہو، ایسے جلسوں میں جو نظم یاد کرائی جاتی ہے وہ دراصل صدر اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی شان میں ایک قصیدہ ہوتا ہے جو ایک خوش گلو بچے کو رٹا دیا جاتا ہے۔ استاد خاص لہجہ بتاتا ہے اور بچہ اس لہجہ کی نقل کرتا ہے بعض کیا زیادہ تر اشعار اس میں ایسے رہتے ہیں جنکو بچہ قطعی سمجھتا ہی نہیں، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جنکا تلفظ کئی بار کی مشق کے بعد اس سے نکلتا ہے، اکثر خاص موقعہ پر وہ تلفظ غلط بھی ہوجاتا ہے اسکے علاوہ انسپکٹر مدارس کی آمد میں اس کی تعریف میں کوئی نظم

اُستاد لکھکر بچوں کو دیدیتا ہے۔ بچے اُسے جبراً رٹتا ہے اور پھر اسکو انسپکٹر مدارس کے سامنے پڑھتا ہے۔ ایک اور خاص موقعہ ہے جس پر بچے کو کچھ اشعار یا نظم یاد کرنا پڑتی ہے وہ امتحان کا موقعہ ہے۔ بچوں کو جبراً کچھ اشعار یاد کرنا پڑتے ہیں جو وہ زبانی امتحان میں سناتے ہیں اور بچے درجوں میں اپنی اپنی یادداشت سے اشعار لکھنا پڑتے ہیں استاد خود کوئی نظم منتخب کرکے دیدیتا ہے یا چند اشعار پر نشان لگا دیتا ہے بچوں کو امتحان کے ڈر سے وہ اشعار یاد کرنا پڑتے ہیں۔

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انتخاب میں بچوں کی پسندیدگی اور دلچسپی کو مد نظر نہیں رکھا جاتا استاد کی پسند اور کورس کی پابندی ہی اہمیت رکھتی ہے۔ بچوں کو جبراً زبانی یاد کرنا پڑتے ہیں خواہ ان کو وہ اشعار پسند ہوں یا نہ ہوں صرف بچوں کی یادداشت اور قوت حافظہ کا امتحان مقصود ہوتا ہے۔ بچے ان نظموں کو سمجھتے بھی نہیں اور نہ انھیں کوئی لطف آتا ہے۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ ۸ یا ۱۰ سال بعد بچے انھیں سمجھیں گے اور ان سے محظوظ ہوں گے، یہ ہوئی نظموں کی قسم اور غایت۔

نظموں کے یاد کرنیکا طریقہ بھی یہ ہوتا ہے کہ بچے ایک ایک شعر یا ایک ایک مصرعہ کرکے یاد کرتے ہیں جب ایک شعر یاد ہوگیا تو دوسرا پھر تیسرا۔ اس طرح نظم کو ٹکڑوں میں یاد کرتے ہیں، اس سے نظم کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے اور ایک خیال کو جو نظم میں ادا کیا گیا ہے ہم توڑ کر کئی حصوں میں بانٹ دیتے ہیں چنانچہ پوری نظم کا لطف جاتا رہتا ہے، شاید یہی وجہ ہے یا یہی اسباب ہیں جو اوپر بیان کئے گئے۔ بچوں کو زبانی نظم یاد کرنے سے نفرت ہوجاتی ہے اور جو لوگ یہ بات کہتے ہیں شاید اسی تجربہ کی بنا پر ورنہ وہ نظم کو زبانی یاد کرانے کے جواز ثابت کرنیکی دلیلیں دیکھکر کبھی ایسا نہیں کہہ سکتے۔ یہ دلیلیں بڑی معقول ہیں۔ بچے ادب کی بہت سی باتیں اخذ کرلیتے ہیں اپنے قومی تمدن کی قدر و منزلت کے اجزا کو اپنے قبضے میں کرلیتے ہیں بعد کو وہ ان شعروں کو جنھیں وہ اب اس کوفت کے ساتھ سیکھتے ہیں بڑی شکر گزاری کے ساتھ یاد کرینگے اور اسی وقت اسکی پوری قدر کر سکینگے۔ اور اسکی اہمیت کو پہچانینگے لیکن وہ تمام فوائد جو بچے نظم کے زبانی یاد کرنے سے حاصل کرینگے اسپر منحصر نہیں کہ آیا وہ نظمیں جو انھیں یاد کرنے کو دیجاتی ہیں بچے واقعی چاہتے ہیں یا نہیں۔

یہ ضرور ہے کہ افراد کی قوت حافظہ میں فرق ہے بعض بچے اسی نظم کو آدھ گھنٹے میں زبانی یاد کرلیتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے بچے اسی کو بڑی کاوش اور کوفت کے بعد گھنٹے بھر میں یاد کرتے ہیں۔ درجے میں انفرادی حیثیت سے یہ فرق بچوں کی استعداد اور اُنکے قویٰ میں ضرور نمایاں رہیگا مگر دلچسپی اس فرق کو بالکل دور نہ کرسکی تو بہت کچھ کم ضرور کردیگی۔ اگر ہم بچوں کو آزادی دیدیں کہ اپنی پسند کے مطابق وہ اشعار کو زبانی یاد کریں تو وہ دلچسپی لینگے اور جلدی یاد کرلینگے۔ ہمارا خود تجربہ ہے کہ وہ شعر جو ہم کو پسند ہوتا ہے خود بخود یاد ہوجاتا ہے اور ہم ہمیشہ اسکو یاد رکھتے ہیں اسکو کبھی نہیں بھولتے۔ یہی اصول بچوں پر بھی عاید ہوتا ہے انھیں نظمیں یاد کرنے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ یہ کام اُنکی پسند اور دلچسپی پر چھوڑ دیا جائے مگر یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ اس آزادی کا

ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں وہ معمولی قسم کی نظمیں جو مبتذل اور رکیک ہوں جنمیں خیالات کی عمدگی نہ ہو یاد کریں استاد کی رہنمائی کی ضرورت پڑیگی اُستاد کو چاہئے کہ ان کے سامنے اچھی نظمیں پیش کرے کچھ نظمیں لکھوا کر دیواروں پر لٹکوادے۔ ان میں صحیح مذاق پیدا کرنے تاکہ انکا مذاق معمولی قسم کی نظموں کا خود قبول نہ کرے مگر احتیاط رہنمائی کیجائی تو اچھی اچھی نظموں کا یاد کرنا ان کیلئے باعث مسرت ہوگا لیکن جس طرح سے ہم ایک ہی بات پسند نہیں کرتے اسی طرح بچے بھی ایک ہی بات کو پسند نہیں کرتے ہیں استاد اپنی رہنمائی میں ان کو وہ نظمیں منتخب کرنیکی آزادی دے جو وہ زبانی یاد کرنا چاہتے ہیں اور بچے اس کام کو مشغلہ یا دلچسپی ایک تفریح کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ ایک مشقت، نظمیں آسان اور سادی ہوں ان میں موسیقی ہو اور چھوٹی بحر میں لکھی گئی ہوں۔ انکے تجربوں اور مشغلوں کے متعلق ہوں۔ تجربہ یہ کہتا ہے کہ ایسی نظمیں بچے خود بخود یاد کر لیتے ہیں۔ یاد کرنیکا طریقہ بھی یہ نہ ہو کہ نظم کے حصے کرکے یاد کیا جائے بلکہ پوری نظم لے کر پوری نظم کئی بار پڑھی جائے یہاں تک کہ وہ یاد ہو جائے اس سے پوری نظم کا اثر قائم رہیگا اور پورے خیال کو محسوس کیا جائیگا۔

اساتذہ شاید یہ اعتراض کریں کہ زبانی نظمیں یاد کرانے کیلئے بھی درسی نصاب کا تابع ہونا پڑتا ہے۔ انکا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہوتا۔ یہ سچ ہے مگر یہ استاد کے اختیار میں ہے کہ وہ ان پر قناعت نہ کرے اور اپنے طلباء کو ان نظموں سے روشناس کرائے جو اسکے خیال میں طالبعلموں کے پسندیدہ اور دلچسپ ہونگی۔ وہ جماعت کے سامنے چند نظمیں پڑھکر سنادے اور طلباء ان میں سے انتخاب کریں۔ اس سلسلے میں وہ نظمیں بہت مفید ثابت ہونگی جو ان نظموں میں سے چنی جائیں جو بچے عموماً گھروں میں سنتے ہیں دیہاتی گیت، موسمی راگ، قدرتی نظمیں، رزمیہ نظمیں بھی ان کے لئے دلچسپ ثابت ہوں گی۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایک مشغلہ بچوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ مفید ہی نہیں بلکہ نہایت دلچسپ بھی ہوگا۔ بچوں کو نظمیں جمع کرنے اور کتابچے تیار کرنیکی ترغیب دلائی جائے، ان کا یہ قول ہو جو نظمیں انھیں یاد ہوگئیں ان کی ہیں، جو نظمیں بچے زبانی یاد کریں انھیں چھوٹی نوٹ بک میں قلمبند کرلیں اس کتابچے کا نام ہو "ہماری نظموں کی کتاب" اس کام میں بچے بڑی دلچسپی لینگے۔ وہ خود اس بات کے متمنی رہتے ہیں کہ جو نظم انھیں پسند آگئی ہے وہ انھیں زبانی یاد ہو جائے اور اس لئے کہ آیندہ وہ بھول جائیں تو پھر اُسے دیکھ لیں۔ اپنی کاپیوں میں لکھ لینا چاہتے ہیں میرا خود ذاتی تجربہ ہے کہ ایک دلچسپ نظم میں نے درجہ میں پڑھکر سنائی۔ بچوں کو وہ پسند آئی اور وہ دوڑ کر میرے پاس آئے کہ آپ اسے ہماری کاپیوں میں لکھدیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بچے اس قسم کے نئے اور دلچسپ کاموں کو خود پسند کرتے ہیں ہمارا کام صرف یہ ہے کہ چیزوں کو اس قسم میں اُن کے سامنے پیش کریں کہ وہ خود مسحور ہو جائیں اور خود ہم کو مجبور کریں نہ کہ ہم کام پر زور دیں اُستاد کی کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ غرضیکہ اس کتاب کو بنانے کا کام استاد کی رہنمائی میں ہوگا۔ ان میں دو تین فطری ربط بھی ہو جائے گا۔ زبان کے گھنٹے میں استاد ان نظموں کو پڑھکر سنائے بچوں کو شوق پیدا ہوگا کہ وہ انھیں لکھ لیں اور پھر زبانی یاد کریں۔

چنانچہ ایک نوٹ بک کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ نوٹ بک بچے
بک کرافٹ (کتب سازی) کے گھنٹے میں بنائینگے جب بچے ان پر
ان نظموں کو نوٹ کر لیں گے تو آرٹ کے گھنٹے میں سے سجاوینگے۔
بچوں کو عموماً تصویریں جمع کرنے اور کھینچنے کا شوق ہوتا ہے چنانچہ
بچے نظموں کے مطابق ان میں تصویریں چسپاں کریں یا خود کھینچیں
اس کے بعد سرورق سجاویں اور کتاب کو مکمل کریں۔ یہ لڑکوں کے
اپنے مرقعے ہونگے۔ وہ نہایت شوق اور دلچسپی سے بناویں گے
اور چونکہ وہ ان کی کتاب ہوگی اسلئے اس کو بڑی حفاظت سے رکھینگے
ان کتابچوں کو وہ بہت عزیز رکھیں گے اور پڑھنے لکھنے میں وقتاً
فوقتاً مدد بھی لیتے رہینگے۔ مگر چونکہ یہ کام بچوں کے لئے ایک نیا تجربہ
ہوگا اسلئے استاد کی نگرانی اور مدد کی ضرورت پڑے گی خاصکر اس
کتاب میں تصویر بنانا اور سجانے کے کام۔ بچوں کو دقت
ضرور محسوس ہوگی مگر استاد کی ذراسی رہنمائی میں یہ کام
آسان ہو جائیگا۔

اسکے علاوہ نظم کی تدریس میں اور بھی تخلیقی کام
ہو سکتے ہیں اور استاد کو ہمیشہ اس کا موقع دینا چاہیئے۔
آرٹ کے گھنٹوں میں ایک کام یہ ہو سکتا ہے کہ جس
نظم کو بچے پڑھ چکے ہیں اسکی تشریح تصویروں کے
ذریعہ سے کیجائے۔ بچوں کو آزادی دی جائے کہ جن
خیالات کو نظم کیا گیا ہے اور جو مناظر اس میں بیان کئے
گئے ہیں ان کو تصویریں بنا کر ظاہر کریں۔ یہ کام بیشک
بچوں کے لئے دشوار ہوگا۔ غیر ذی روح اشیاء اور
جذبات و احساسات کی تصویریں کھینچنا بچوں کے لئے
آسان نہیں مگر استاد کو ابتدا میں صرف مناظر اور
واقعات جو مادی صورت اختیار کر سکتے ہیں تصویر
کشی کرانا چاہیئے۔ خاصکر قدرتی مناظر یا وہ نظمیں
جن میں کسی چیز کا بیان ہو کسی موقع کی تصویر ہو اس
کام میں بڑی مدد دینگے۔ استاد کو پہلے خود تختہ
سیاہ پر نمونے دینا ہونگے پھر بچے اس قابل ہو جائینگے
کہ اس کام کو آسانی سے کر سکیں استاد کی مدد
اور نگرانی کے بغیر یہ کام ضرور مشکل ہوگا۔ ابتدا میں
صرف خاص واقعات اور سین کی تصویر کشی ہونی چاہئے۔
جس کو بچے آسانی سے کر سکتے ہیں بعد میں جب
بچوں کو مشق ہو جائے گی تو مشکل کام بھی
کر سکیں گے۔

بچوں سے کہا جائے کہ اس نظم کو انھوں نے
جو پسند کیا ہے اس کو نثر کے پیراگراف میں لکھکر
ظاہر کریں۔ بچے وہ باتیں لکھیں گے جو انھیں اس
نظم میں پسند آئی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ جو چیزیں انھیں
اچھی نہیں معلوم ہوئی اس کی طرف بھی اشارہ
کریں گے۔ اس طرح وہ شعر کی لفظی اور معنوی
خوبیوں سے واقف ہو جائیں گے اور اس کے
عیوب پر نگاہ ڈالیں گے۔ یا یوں کہا جائے کہ کچھ
نہ کچھ فن تنقید سے واقف ہو جائیں گے جو انکی
آئندہ زندگی میں کام آئیگا ایک قابل استاد
اس کام کو بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ تحریری کام

سے پہلے استاد اور بچوں کے درمیان زبانی بحث مباحثہ ہو جانا چاہیئے۔ اس زبانی بحث مباحثے میں استاد بچوں کا ذہن اس طرف منتقل کر دیگا جس طرف بچوں کا دماغ نہیں پہونچا ہے۔ جب بچوں کو لکھنے کے لئے مواد مل جائیگا تو وہ اس کو تحریری شکل دیدینگے اونچے درجوں میں اگر استاد دیکھے کہ بچوں کی استعداد کافی ہے اور ان میں شعر کا صحیح مذاق پیدا ہو گیا ہے تو بحر اور قافیے کے اصول بھی سکھا سکتا ہے۔ صنائع اور بدائع سے بھی بچوں کو واقف کر سکتا ہے۔ نظم کی مختلف قسمیں اور اُن کے خصوصیات کا علم بھی بچوں کو دیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے تخلیقی کام کی ترغیب بھی دلا سکتا ہے۔ اور بچوں کے دل پر یہ بات نقش کر سکتا ہے کہ جس کام میں وہ لگے ہوئے ہیں وہ واقعی قابل قدر ہے۔ نثر کے پیراگراف میں نظم کا خلاصہ بھی پوچھا جا سکتا ہے یا بچے اس خاص خیال کو جو نظم کا روح رواں ہے نثر میں لکھکر ظاہر کریں۔

ایک دلچسپ کام یہ ہوگا کہ بچے نظم کی سرخی منتخب کریں۔ ان کو استاد پہلے سرخی چننے کے آرٹ سے تھوڑا بہت واقف کر دے اور کچھ نظموں کو لیکر بحث کرے کہ اس کی یہ سرخی کیوں چنی گئی۔ پھر بچوں کو بے سرخی کی نظمیں دی جائیں اور ہر بچہ اپنی طبیعت سے سرخی چنے۔ استاد سب کا مقابلہ کرے اور جو سرخی سب سے اچھی ہو اس کو سب کے سامنے ظاہر کرے اور یہ بتائے کہ اور سرخیوں کے مقابلے میں اس سرخی کو کیوں ترجیح دی جا سکتی ہے۔

جو نظمیں اچھی ہوں ان کو جماعت میں یا مدرسہ کی میگزین میں منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے۔ یا جب اوپر لکھا جا چکا ہے جماعت کے کمرے کی دیوار پر لٹکا دیا جائے۔ بچوں کو یوں ترغیب دی جائے کہ انھیں ایک مصرع دیا جائے اور کہا جائے کہ وہ اس کے ساتھ اور ایک مصرع لگا دیں۔ استاد دیکھے کہ کس بچے نے صحیح اور موزوں مصرع لگایا ہے اس کو بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے۔ مڈل کی جماعتوں میں مشاعرہ اس قسم کے تخلیقی کام کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن مشاعرے کے پہلے بیت بحثی کا مشغلہ بھی اچھا رہے گا اس میں بچے بڑی دلچسپی لیں گے اور ساتھ ہی ساتھ انھیں شعرا کے کلام بھی یاد ہو جائیں گے۔ ایک ہی درجے میں دو ٹیم کر دی جائیں اور انکا مقابلہ ہو۔ یہ مقابلہ پھر دو جماعتوں میں ہو سکتا ہے۔ اس سے بچوں میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوگا اور جب مشاعرہ ہوگا تو تخلیقی کام ہو جائیگا۔ اور بچے ٹوٹی پھوٹی غزل لکھتے لکھتے اچھے خاصے

شعر کہنے لگیں گے۔ یہ مشاعرے سہ ماہی ہو جایا کریں
تو اچھا ہے۔ اور اس کے لئے ایک میگزین الگ
نکالی جائے یا اسکول کی میگزین جو ہر ماہ نکلتی ہو
اس کا نام اس ماہ میں مشاعرہ نمبر رکھ دیا جائے
اور اس میں مصرع طرح اور جو اس دفعہ کی
اچھی غزلیں ہوں منظر عام پر لائی جائیں۔ انھیں
غزلوں پر جو بچے اپنی رائے اور پسندیدگی (تنقید)
کا اظہار بھی کر سکتے ہیں۔ وہ تنقیدیں اگلے ماہ
کی میگزین میں نکالی جائیں۔ ان تخلیقی کاموں سے
جو استاد کی نگرانی میں ہوگا ہم بچوں میں مذاق
سخن پیدا کر سکتے ہیں اور یہ امید کی جا سکتی ہے
کہ آئندہ زندگی میں وہ اچھے شاعر اور اچھے
نقاد بن سکتے ہیں۔

نظم کی تعلیم میں تخلیقی کام کی ایک اور صورت
یہ ہے کہ جن نظموں میں کوئی قصہ بیان کیا گیا ہو
ان کو ڈراموں میں بدل دیا جائے جس میں کہیں
کہیں شعروں اور بیتوں کا بھی استعمال کیا جا سکتا
ہے۔ اس کی کافی مشق ہو جانے کے بعد آگے چلکر
بچے اس لائق ہو سکیں گے کہ وہ کوئی منظوم افسانہ
لکھ سکیں یا منظوم افسانوں کو اچھی نثر میں قصوں
اور ڈراموں میں بدل سکیں۔ یہ چند مثالیں اساتذہ
کو تخلیقی کام کی طرف انکی رہنمائی کے لئے دی
گئی ہیں۔ انھیں کافی آزادی ہے کہ اس قسم کے
اور تخلیقی کام سوچیں اور عمل میں لائیں تاکہ بچوں
کو یہ کام ایک نیا تجربہ معلوم ہو اور باعث مسرت
ہو۔ اور نظم یا شعر کا کام رسمی اور بلائے جان بن کر
نہ رہ جائے۔ بچوں میں نظم پڑھنے کا شوق
پیدا ہو اور وہ نثر کو آسان اور نظم کو مشکل سمجھکر
اس کی تدریس کے وقت گریز اور پہلو تہی
نہ کریں۔

یہ نظم یا شعر کے کام کے متعلق عام اشارات
تھے۔ اب میں خاص کر نظم کے سبق کی تعلیم کے
لئے ایک اشارہ لکھ رہا ہوں تاکہ یہ معلوم
ہو جائے کہ نظم کے سبق میں منزل بہ منزل کیسے
آگے بڑھنا چاہئے۔

نظم کے سبق کا ایک اشارہ

مضمون۔ زبان (ہندوستانی)
موضوع۔ نظم کا پڑھنا
مقصد۔ (جیسا کہ مضمون کے شروع میں لکھا گیا ہے)
ربط۔ (نظم کی نوعیت کے لحاظ سے کسی
بنیادی حرفے یا بچوں کے ماحول سے)
امدادی ذرائع۔ (سبق پر منحصر ہیں)
واقفیت سابقہ۔ (استاد جماعت کے لحاظ
سے خود بہتر جانتا ہے)
تمہید۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نظم کو پڑھانا
شروع کرنے سے پہلے اس نظم کے

بارے میں کچھ ابتدائی بات چیت کی جائے
ایسا کیا جا سکتا ہے مگر یہ خیال رکھا جائے
کہ یہ بات چیت زیادہ طول نہ پکڑنے پائے
ورنہ وہ فضا بگڑ جائیگی جو نظم کے سبق کے
لئے ضروری ہے۔ دو تین سوال کئے جا
سکتے ہیں۔ بچوں کے اندر تجسس باقی رہنا
چاہیئے کہ اس نظم میں کیا ہے ورنہ پڑھاتے
وقت وہ زیادہ دلچسپی نہ لیں گے سب
سے اچھی تمہید کسی نظم کے سبق کی یہ ہے
استاد جماعت کے کمرے میں نظم خوانی کرے
اور درجے میں اگلے سبق کے لئے ماحول
پیدا ہو جائے۔ استاد کا پڑھنا اور بچوں کا
سُننا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نظم کا لطف
جب ہی ہے کہ وہ صحیح اور نظم خوانی
کے لہجے میں پڑھی جائے۔

متن سبق۔ تلفظ درست کرانا۔ ایک ایک کرکے
استاد الفاظ مشکلہ تختۂ سیاہ پر لکھیگا
اور بچوں سے انکا تلفظ کرائیگا۔

دوسری مرتبہ استاد کا نظم خوانی کرنا۔ اس مرتبہ
بچے اپنی کتابوں میں دیکھتے جائینگے اور
استاد آہستہ آہستہ صاف صاف پڑھکر
نمونہ دیگا۔

بچوں سے نظم کا پڑھوانا۔ اب بچے نظم خوانی
کرینگے۔ یہ منزل بھی بہت اہم ہے۔ استاد
دیکھے گا کہ بچے نظم کو صحیح پڑھ رہے ہیں اور
اگر صحیح پڑھ رہے ہیں تو سمجھنے میں بھی آسانی
ہوگی۔ نظم خوانی ملکر ایک ساتھ نہ کی جائیگی
بلکہ فرداً فرداً۔ پڑھنے میں جو غلطیاں ہونگی
وہ بچوں ہی کی مدد سے درست کرائی جائینگی
استاد یہ بھی دیکھے گا کہ بچے گیت نہیں
گارہے ہیں بلکہ نظم خوانی کر رہے ہیں۔

معنی و مطلب بتانا۔ (فروری ۱۹۴۳ء کا گزٹ دیکھیے
نثر کے سبق کے اشارے میں جو طریقے بتائے
گئے ہیں وہی استعمال ہونگے) مگر زیادہ
وقت اس میں نہ گذارنا چاہیے۔
اس منزل سے جتنی جلدی ہو گذر جانا
چاہیئے جیسا کہ اوپر اور مقدمہ میں بتایا
جاچکا ہے۔

سوالات۔ ان سوالات سے نظم کا مطلب
اچھی طرح واضح کیا جا سکتا ہے اور
پوری طور پر اس کی تشریح ہو جائیگی۔
نظم کا خلاصہ بھی پوچھا جا سکتا ہے۔ مگر دو
چار سوالات سے زیادہ نہ ہوں۔

دہرانا۔ اُستاد یا درجے میں سب سے اچھا پڑھنے
والا لڑکا اس نظم کو آخری بار پڑھکر سنائے
تاکہ اس نظم کا اثر اور فضا درجے میں باقی رہجائے

مختلف قسم کے بیج اور اُن کے پھیلنے کے طریقے

بیج پودے کا وہ جزو ہے جو پھول بناتا ہے۔ اس کے بننے کا مقام ہرایک مادہ پھول میں بیج دانی ہے۔ اسکا تذکرہ پہلے کسی گزٹ میں کیا جاچکا ہے۔ بیج ہرایک درخت کے۔ ہرایک پودے کے جُدا جُدا ہوتے ہیں۔ اُن کی بناوٹ اور شکل صورت میں بہت نمایاں فرق ہوتا ہے۔ بیجوں کی مدد سے اسی لئے پودوں کو پہچاننا کچھ بھی مشکل کام نہیں ہے۔ بیجوں کی اندرونی بناوٹ میں بھی فرق ہوتا ہے لیکن ایک پودے کے تمام بیج ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں اگر کچھ فرق ہوتا ہے تو محض قد و قامت میں۔ ان جملہ تفرقات کے ہونے پر بھی ہرایک بیج مندرجہ ذیل باتوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

۱۔ ہرایک بیج کے اوپر خول ہوتی ہے جو بیج کے باقی اور ضروری حصوں کی اسکے دشمنوں سے حفاظت کرتی ہے۔

۲۔ ہرایک بیج میں ایک سوراخ بہت باریک سا ہوتا ہے۔ اسی سوراخ سے بیج کے خول کے اندر پانی گھس جاتا ہے۔

۳۔ ہرایک بیج کے اندر خوراک ہوتی ہے جو انکھوے کو جمنے اور اس میں سے پتیاں اور جڑیں نکلنے کے لئے اس وقت تک کافی ہوتی ہے جب تک وہ خود اپنی خوراک زمین سے نہ حاصل کرسکے۔

اب ہم مختلف قسم کے بیجوں کو مختصر میں بیان کریں گے۔ صرف اُنھیں بیجوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو ہمارے بیسک اسکولوں کے کریکولم میں شامل ہیں۔ مثلاً مکا، گیہوں، انڈی وغیرہ۔

۱۔ انڈی۔ اس بیج کا دوسرا نام رینڈی بھی ہے۔ یہ رینڈ کے درخت سے پیدا ہوتی ہے۔ کسی کسی مقام پر اسکی کاشت کی جاتی ہے اور کہیں کہیں پر یہ خودرو درخت ہے۔ رینڈی کے بیج سے تیل نکالا جاتا ہے جو مشینوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بیج عام طور پر مٹر سے کافی بڑا ہوتا ہے لیکن مٹر کی طرح گول نہیں ہوتا بلکہ ایک طرف کو چپٹا اور کچھ لمبا زیادہ ہوتا ہے۔ اسکی خول کافی سخت ہوتی ہے۔ اور کہیں کہیں پر چتکبلی ہوتی ہے۔ خول کو نکال دینے پر ایک سفید چیز نظر آتی ہے۔ اسکو توڑنے پر دو ملائم دالیں جو پتیوں کی صورت کی ہوتی ہیں نکل آتی ہیں۔ جہاں پر دونوں دالیں ملی رہتی ہیں وہیں پر (Radice) (جڑ بننے والا انکھوا) ہوتا ہے۔ اسکا رُخ اُس سوراخ کی طرف ہوتا ہے جس کو انگریزی میں (Micropyle) کہتے ہیں۔ یہ سوراخ اس ملائم چیز کے نیچے ہوتا ہے (Aril) ارل کہتے ہیں۔ دالوں کے بیچ میں (Plumule) (تنہ بننے والا انکھوا) ہوتا ہے۔ یہ بہت چھوٹا اور باریک ہوتا ہے۔ بیج دالوں کے چاروں طرف ایک سفید چیز ہوتی ہے جس میں پودے کے جمنے کے لئے خوراک موجود رہتی ہے۔ اسکا نام (Endosperm) انڈواسپرم ہے۔ اگر تم اس کو ایک کاغذ پر دباؤ تو اس میں سے تیل نکلے گا۔ کچھ بیجوں کو پانی میں بھگو کر دیکھو کہ کون سا حصہ پانی سے کر پھولتا ہے۔ پانی ارل اور انکھوا پال

سے ہوکر اینڈواسپرم میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ پھول جاتا ہے اور اسکے دباؤ سے چھلکا پھٹ جاتا ہے۔ اور اسی
ہوکر جڑ والا انکھوا نکلتا ہے۔ بیج کی دالیں انڈواسپرم سے لگی رہتی ہیں اور خوراک کو جذب کرتی رہتی ہیں۔ یہ
اوپر بڑھتا ہے اسکو (Hypocotyle) کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ دالیں انڈواسپرم سے چپکی ہوئی
باہر آجاتی ہیں۔ جب انڈواسپرم کی تمام خوراک ختم ہو جاتی ہے تو وہ سوکھ کر کاغذ کی طرح بن جاتا ہے اور دالوں سے چپک جاتا ہے۔
اب دالیں کھل جاتی ہیں اور ہری ہو جاتی ہیں۔ پہلے تو دالیں محض انڈواسپرم سے خوراک جذب کرتی تھیں لیکن اب پودے کے لیے
خوراک بنانے لگیں۔ ذیل کی تصویریں جمتے وقت بیجوں کی کچھ حالتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ تصویر (۲) میں باریک دالیں اور تصویر (۴) میں
دالوں کا کھل کر پتیاں بنتا دکھایا گیا ہے۔ تصویر (۵) میں پہلی اصلی ریڈ کی پتی دکھائی گئی ہے۔ دال والی پتیاں کچھ دنوں کے بعد
گر جاتی ہیں۔

چھلکا
(۱) سوراخ
(۲)
انڈواسپرم
پتیوں کی شکل کی دالیں
دالوں کے ہر طرف انڈواسپرم ہے
دال والی پتی
ہائپوکوٹل
ثانی جڑ
خاص جڑ (۳)
تنے والا انکھوا
دال والی پتی
(۴)
پہلی پتی
بڑھنے والا انکھوا
(۵)
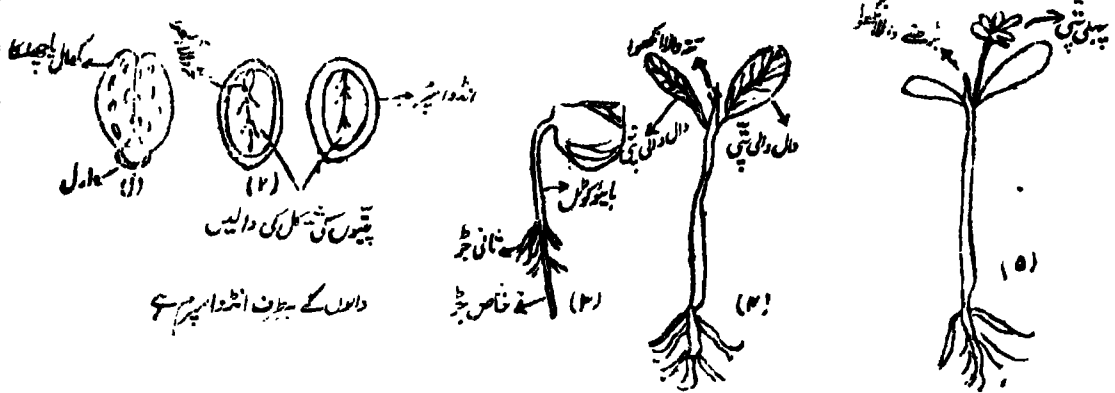
مکے کا بیج۔ مکا ہندوستان کے ان حصوں میں برسات کی فصلوں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جہاں پانی کم برستا ہے اور زمین
کچھ بالو کا حصہ دومس مٹی کی بہ نسبت زیادہ لئے ہوئے ہوتی ہے۔ یہ بارش شروع ہونے پر فوراً ہی بوئی جاتی ہے اور تقریباً دو مہینے میں
تیار ہو جاتی ہے۔ اس کا چرین بہت اچھا ہوتا ہے اور جن اضلاع میں زیادہ ہوتی ہے وہاں لوگ اس کی روٹیاں بناتے ہیں اور دلیا
بھی بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ اس کی بال سوکھنے سے پہلے بھون کر کھانے میں بڑی لذیذ ہوتی ہے۔ مکا ایک دال والا بیج ہے اس میں
بھی اینڈواسپرم ہوتا ہے۔ جڑ اور تنے والے انکھوے بیج کے اندر ہی ہوتے ہیں۔ مکا کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم کے مکا کے بیجوں کا
رنگ پیلا ہوتا ہے۔ دوسرے قسم کے بیجوں کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ ان کا نام ترتیب سے پیرواا اور گردوا مکا ہے۔ گردوا مکے کی بالیں
بڑی بڑی ہوتی ہیں اور اسی سے اس کی کاشت میں اناج زیادہ ملتا ہے لیکن چرین پیروا کا اچھا ہوتا ہے۔ اگر تم مکے کے بیجوں
کے جمتے وقت جانچ کرو تو مختلف حالتیں نظر آئیں گی۔ ان میں کچھ آئندہ صفحے کی تصویروں میں دی جاتی ہیں۔

تصویر ۲
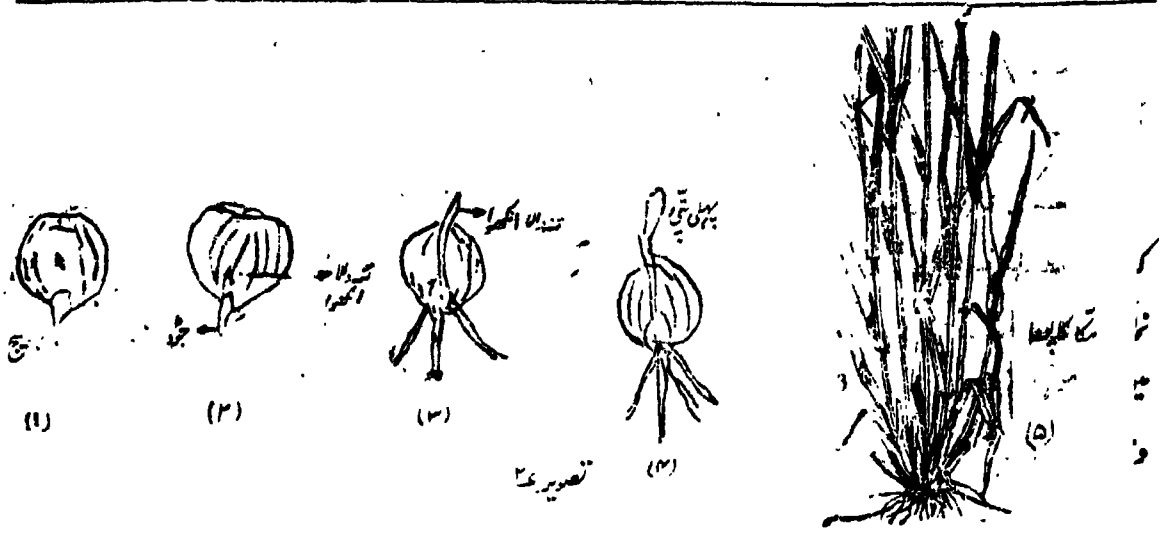
تم نے اندی کے بیج میں دو دالیں دیکھی تھی لیکن وہ بہت پتلی پتلی پتی کی طرح تھیں۔ اب تم کو بڑی بڑی دالوں والے بیج بھی دکھلائے جائیں گے۔

مٹر کے بیج کو پانی میں بھگو دو۔ ارہر کے بیج بھی اُس کے ساتھ ہی بھگا دو۔ ایک دن کے بعد دونوں کی جانچ کرو۔ مٹر کا چھلکا نکال دینے کے بعد اس میں دو دالیں ملیں گی۔ جو آسانی سے الگ الگ ہو جائیں گی۔ اس طرح ارہر کے بیج میں بھی دو دالیں ملینگی۔

اب تم جو، گیہوں کے بیجوں کی جانچ کرو۔ ان میں صرف ایک دال ملے گی اسطرح بیج دو قسموں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) دو دال والے بیج (Dicotyl Seed.) جیسے مٹر۔ ارہر۔ مونگ پھلی وغیرہ۔ انگریزی میں ان بیجوں کو Dicots کہتے ہیں۔

(۲) ایک دال والے بیج (Mono Cotylseeds) جیسے جو۔ گیہوں۔ جوار۔ باجرا وغیرہ۔ انگریزی میں ان بیجوں کو (Monocots) کہتے ہیں۔

بیجوں کے کام۔ یوں تو بیجوں کا پہلا کام اپنی ذات کے پودے پیدا کرنا ہے لیکن وہ ہمارے بہت کام کی چیزیں ہیں اور بیجوں کا بہت سا حصہ مندرجہ ذیل کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۔ خوراک۔ جو، گیہوں۔ چنا۔ مٹر۔ چاول۔ مکا۔ جوار۔ باجرا وغیرہ ایسے بیج ہیں جو ساری دنیا کے انسانوں کی خوراک ہیں۔ حیوان بھی ان بیجوں کو بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔

۲۔ تیل۔ تلہن والے بیجوں سے تیل نکالا جاتا ہے۔ سرسوں۔ تلی۔ ناریل۔ مونگ پھلی وغیرہ ایسے بیج ہیں جن میں تیل بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان کا تیل کھانے میں اور بہت سی کھانے والی چیزوں کے بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

جلانے والا تیل۔ کچھ ایسے بیج ہوتے ہیں جن سے نکالا ہوا تیل جلانے کے کام آتا ہے۔ نیم کے بیجوں کا تیل جلانیکے لئے بہت اچھا ہوتا ہے۔ اسکی روشنی میں دھواں نہیں نکلتا جس سے آنکھوں کو نقصان نہیں ہوتا۔ گاؤں کے غریب کسان اسی بیج کو جمع کرتے ہیں اور اسی کا تیل بنی کے چھپے چراغوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اسکے تیل میں بدبو آتی ہے۔ اسی لئے بالوں میں جوں کے پڑنے پر بہت سی گاؤں کی غریب عورتیں اسکو استعمال کرتی ہیں۔ سرسوں کا تیل بھی جلانے کے کام آتا ہے۔ اسکی روشنی سے آنکھوں کو نقصان بالکل نہیں ہوتا۔

(۳) بہت سے بیج کو دوا میں استعمال کیا جاتا ہے۔ آنکھوں میں جو چھوٹا سا پھوڑا (بلنی) ہوتا ہے اس کو پکانے کے لئے چھوہارے کا بیج استعمال کیا جاتا ہے۔

(۴) ناریل جیسے بیج کے ریشوں سے رسیاں بنائی جاتی ہیں۔

اب ہم بیجوں کے اور اوصاف معلوم کرنے کی کوشش کرینگے۔ تمھیں شاید یہ سُن کر تعجب ہو کہ بیجوں میں جان ہوتی ہے اور وہ ہماری ہی طرح بہت سے زندگی کے اعمال کرتے ہیں۔

یہ دیکھنا کہ بیجوں میں جان ہے۔ اس عالم فانی میں جتنی زندہ چیزیں ہیں وہ سانس لیتی ہیں۔ اگر بیجوں میں جان ہے تو وہ بھی ضرور سانس لیتے ہونگے۔ سانس لینے کے عمل میں کاربن ڈائی آکسائڈ پیدا ہوتی ہے اس سے چونے کا پانی سفید ہو جاتا ہے۔ اس عمل میں علم کیمیائی کے جو راز شامل ہیں ان کا بیان بعد کو کیا جائیگا۔ بیجوں کو زندہ چیز ثابت کرنیکے لئے مندرجہ ذیل تجربہ کرو۔

تجربہ ۔ ایک بوتل میں کچھ عمدہ بیج لو۔ بوتل کے منہ کو کارک سے بند کردو۔ دو دن کے بعد کارک نکال کر اس میں تھوڑا سا چونے کا پانی ڈال دو۔ بیجوں کو بوتل ہی میں رہنے دو۔ بوتل کا منہ کارک سے بند کردو۔ بوتل کا کارک کھولتے یا چونے کا پانی ڈالتے وقت بوتل ٹیڑھی نہیں ہونا چاہئے کیوں؟ کاربن ڈائی آکسائڈ ہمارے کرۂ باد کی معمولی ہوا سے بھاری ہوتی ہے اس لئے جس طرح ایک پانی سے برتن کو ٹیڑھا کرنے سے پانی گر جاتا ہے اسی طرح بوتل کو ٹیڑھا کرنے سے کاربن ڈائی آکسائڈ باہر نکل جاتی ہے۔ اب بوتل کو ہاتھ میں لے کر خوب ہلا دو۔ چونے کا پانی سفید ہو جاتا ہے۔ کیوں؟ بوتل میں کاربن ڈائی آکسائڈ موجود تھی۔
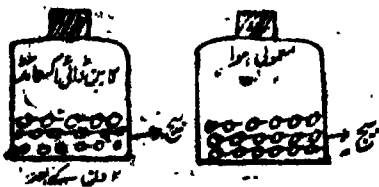
تصویر

یہ کاربن ڈائی آکسائڈ کہاں سے آئی۔ بیجوں کے سانس لینے سے۔ ہمارے کرۂ باد کی معمولی ہوا میں معمولاً آکسیجن اور نائٹروجن موجود رہتی ہے۔ آکسیجن وہ ہوا ہے جس میں چیزیں جلتی ہیں۔ نائٹروجن وہ ہوا ہے جس میں چیزیں نہیں جلتی۔ کوئلہ لکڑی وغیرہ بلا آکسیجن کے نہیں جل سکتا۔ جس طرح لکڑی چولھے میں جلتی ہے۔ اسی طرح کھانا ہمارے پیٹ کے اندر جلتا ہے۔ جس طرح کوئلہ اور لکڑی

جلنے کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُسی طرح پیٹ میں خوراک جلنے کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسطرح لکڑی کے جلنے پر کاربن ڈائی آکسائڈ پیدا ہوتی ہے اسطرح خوراک کے جلنے پر ہمارے جسم کے اندر کاربن ڈائی آکسائڈ پیدا ہوتی ہے۔ یہ کاربن ڈائی آکسائڈ تندرستی کے لئے مضر ہے اسلئے بدن اسکو جلد سے جلد نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ آکسیجن حاصل کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ سانس لینے کے عمل میں یہی ہوتا ہے۔ جب ہم سانس اندر کھینچتے ہیں تو آکسیجن اور نائٹروجن پھیپھڑوں کے اندر جاتے ہیں اور جب سانس نکالتے ہیں تو کاربن ڈائی آکسائڈ اور نائٹروجن باہر نکل آتے ہیں۔ نائٹروجن سانس لینے کے عمل میں استعمال نہیں ہوتا۔

بوتل میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی جانچ دوسرے طریقے سے۔
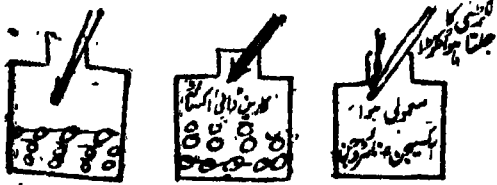
خالی بوتل (۱)　بیج (۲)　دو دن کے بعد بوتل ۲ کی ہوا کی جانچ
تصویر ۳

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے آکسیجن میں چیزیں خوب جلتی ہیں لیکن کاربن ڈائی آکسائڈ میں چیزیں بجھ جاتی ہیں۔ بیجوں کے ذریعہ کاربن ڈائی آکسائڈ پیدا ہوتی ہے۔ اسکی جانچ کرنے کے لئے ایک ہی طرح کی دو بوتلیں لو۔ ایک میں بیج رکھکر کارک سے منہ بند کردو۔ دوسرے بوتل کا منہ کُھلا رکھو۔ دو دن کے بعد دونوں بوتلوں کی ہوا کا ایک جلتی ہوئی لکڑی کے ٹکڑے سے جانچ کرو۔ پہلے بوتل میں ایک لکڑی کا جلتا ہوا ٹکڑا ڈالو۔ تھوڑی دیر تک لکڑی جلتی رہے گی۔ اب اس لکڑی کو پھر جلاکر دوسرے بوتل کا کارک نکالکر ڈالو۔ لکڑی فوراً بجھ جاتی ہے کیونکہ بیجوں کے سانس لینے سے آکسیجن اسکے اندر کی خرچ ہوگئی اور اسکی جگہ پہ کاربن ڈائی آکسائڈ بھر گئی تھی۔ اور اسی سے لکڑی بجھ گئی۔

اسلئے اگر چونے کا پانی ہو جیسا کہ دیہات کے اسکولوں میں ہوتا ہے تو جلتی ہوئی لکڑی سے کاربن ڈائی آکسائڈ کی موجودگی کی جانچ کرسکتے ہیں۔

چونے کا پانی بنانا۔ چونے کا پانی بنانا بڑا آسان ہے۔ کھایا جانے والا چونا جس کو بری کہتے ہیں۔ ایک برتن میں جسمیں بری کو ڈوبنے بھر کے لئے پانی پہلے سے بھرا ہوا ڈالدو۔ سن سن کی آواز تھوڑی دیر تک آئے گی۔ اور برتن میں کا پانی بھی گرم ہو جائیگا۔ تھوڑی دیر کے بعد سن سن کی آواز بند ہو جائیگی۔ اور پانی بھی ٹھنڈا ہونے لگے گا۔ جب پانی ٹھنڈا ہو جائے تو اوپر کا پانی کھینچ لو۔ اور اسے کپڑے سے چھان کر ایک بوتل میں کارک بند کرکے رکھدو۔ یہی چونے کا پانی ہے اور اگر بوتل کا منہ بند رکھا جائے تو سالوں میں رکھا جا سکتا ہے۔

چونے کے پانی کی پہچان۔ چونے کے پانی میں کاربن ڈائی آکسائڈ گذارنے (Pass) سے چونے کے پانی کا

منہ سے پھونکنے کا مقام
شیشے کی پتلی نلی
چونے کا پانی
تصویر ۵
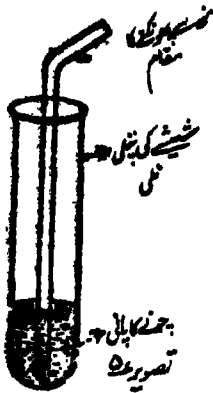
رنگ سفید ہو جاتا ہے۔ اسلئے جس رقیق شے کی جانچ کرنی ہو اُس میں کاربن ڈائی اکسائڈ گذارو۔ اگر اس رقیق شے کا رنگ دودھ کی طرح ہو جائے تو وہ چونے کا پانی ہے۔

تجربہ۔ ایک پرکھ نلی میں تھوڑا سا چونے کا پانی لو۔ اس پرکھ نلی میں ایک پتلے شیشے کی نلی ڈالدو۔ اس نلی کے دوسرے سرے میں منہ لگا کر ہوا پیٹ سے باہر کی طرف پھونکو۔ چونے کا پانی سفید ہو جائیگا۔ کیوں؟ ہمارے منہ سے کاربن ڈائی اکسائڈ باہر نکلتی ہے۔ یہ سانس لینے کے عمل سے پیدا ہوتی ہے۔

چونے کے پانی اور کاربن ڈائی اکسائڈ کے کیمیائی عمل (Chemical Machivs)

بڑی کیلشیم کی آکسائڈ ہے۔ اسکو پانی میں ڈالنے پر بجھا ہوا کیلشیم کی آکسائڈ بنتی ہے۔ یہی چونے کے پانی میں گھلی ہوئی صورت میں موجود رہتا ہے۔ اس سے کاربن ڈائی آکسائڈ ملکر کھریا مٹی بنجاتی ہے۔ یہ پانی میں نہیں گھلتی اس سے اسکا رنگ سفید دکھائی دینے لگتا ہے۔ اگر کچھ دیر تک چونے کے پانی کو ساکت رہنے دو تو پرکھ نلی کی تہ میں کھریا مٹی جمتی ہوئی دکھائی پڑے گی۔

کیلشیم آکسائڈ + پانی = کیلشیم ہائیڈر آکسائڈ (بجھا ہوا کیلشیم کا آکسائڈ)
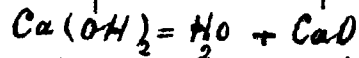
$$Ca(OH)_2 = H_2O + CaO$$

کیلشیم ہائیڈر آکسائڈ + کاربن ڈائی آکسائڈ = کھریا مٹی (کیلشیم کاربونیٹ) + پانی

$$H_2O + CaCO_3 = CO_2 + Ca(OH)_2$$
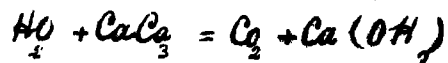
چونے کے پانی کے سفید ہو جانے پر اس اُمید میں زیادہ نہ پھونکو کہ یہ اور سفید ہو جائیگا۔ جب تمام کیلشیم ہائیڈر آکسائڈ کی کھریا مٹی بنجائیگی تو اسکے بعد کی پھونکی ہوئی کاربن ڈائی آکسائڈ پانی میں گھلکر کاربونک ایسڈ بنا دیتی ہے۔ اس کاربونک ایسڈ میں کھریا مٹی مل کر ایک تیسری چیز بنا دیتی ہے۔ اسکا نام کیلشیم بائیکاربونیٹ ہے۔ یہ پانی میں گھل جاتا ہے اور چونے کے پانی کا رنگ ٹھیک اسی طرح ہو جاتا ہے جیسا کاربن ڈائی آکسائڈ پھونکنے سے پہلے تھا۔

کیمیائی عمل۔ کاربن ڈائی آکسائڈ + پانی = کاربونک ایسڈ

$$H_2CO_3 = H_2O + CO_2$$

کاربونک ایسڈ + کھریا مٹی = کیلشیم بائیکاربونیٹ

$$Ca(HCO_3) = CaCO_3 + H_2CO_3$$
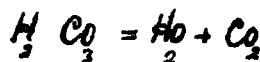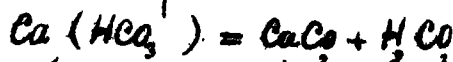
بیجوں کو جمنے کے لئے ان کا زندہ اور مضبوط ہونا ضروری ہے۔ مردہ بیج کبھی نہیں جم سکتے اسکو مد بیج اگر جیں سے گتقان سے

نکلے ہوئے پودے اسی طرح کمزور ہونگے جسطرح کمزور انسانوں کے بچے کمزور ہوتے ہیں۔ زندہ بیج آسانی سے مردہ بیجوں سے الگ کئے جا سکتے ہیں۔ زندہ بیج پانی سے وزنی ہوتے ہیں اور مردہ بیج پانی سے ہلکے۔ اس لئے جب زندہ بیجوں کو الگ کرنا ہو تو کل بیجوں کو عمدہ اور خراب دونوں کو پانی میں ڈالدو۔ جو بیج پانی کی سطح پر تیرنے لگیں وہ مردہ بیج ہیں اور جو پانی میں ڈوب جاویں وہ زندہ بیج ہیں۔ مختلف بیجوں کا جمنا دیکھنے کے لئے انھیں زندہ بیجوں کو استعمال کرنا چاہیئے۔

تجربہ۔ سیم۔ گیہوں۔ کپاس کے جمتے ہوئے بیجوں کی جانچ کرنا۔

ایک لکڑی یا شیشے کی طشتری لو۔ اس میں تھوڑی بھیگی روئی رکھو۔ اس روئی میں سیم۔ گیہوں اور کپاس کے بہترین بیج رکھو۔ روئی کو وقتاً فوقتاً پانی سے بھگوتے رہو۔ ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ روئی سوکھنے نہ پائے

اب ان جمتے ہوئے بیجوں کی جانچ کرو اور اُن کی شکلیں مختلف حالتوں میں اپنی کاپیوں پر بناؤ۔

تم نے انڈی اور اُسکے بیجوں کی جانچ پہلے بھی کیا ہے۔ ان کو جمتے وقت بھی دیکھا ہے۔ سیم۔ گیہوں اور کپاس کے بیجوں کی بھی جانچ کرنے پر تم کو مندرجہ ذیل باتوں کا علم ہو جائے گا۔

۱۔ پہلے بیج کے سوراخ میں سے ہو کر پانی بیج کے اندر جاتا ہے۔ پھر بیج پھول جاتا ہے۔ بیج کے پھولنے سے اوپر کا چھلکا پھٹ جاتا ہے۔

۲۔ سب سے پہلے وہ انکھوا نکلتا ہے جو جڑ بن جاتا ہے۔ انگریزی میں اسکو (Radicle) کہتے ہیں۔ یہ سوراخ میں سے ہو کر (Through Micropyle.) باہر نکلتا ہے۔

۳۔ اسکے بعد تنہ والا انکھوا نکلتا ہے۔ انگریزی میں اسکو (Plumule) کہتے ہیں۔ چاہے بیج کسی بھی حالت میں کیوں نہ ہوں دوسری اور تیسری ترتیب کبھی بھی نہیں بگڑتی۔

۴۔ پہلی جڑ سفید ریشے کی شکل میں ہوتی ہے۔ یہی جڑ خاص کہلاتی ہے۔ اسی میں سے اور جڑیں نکلتی ہیں جن کو ثانی جڑ کہتے ہیں۔ جڑ خاص (Primay root) جڑ ثانی (Secondary Root.) کسی کسی بیجوں میں خاص اور ثانی جڑیں نہیں ہوتیں بلکہ ایک جگہ سے کئی جڑیں نکلتی رہتی ہیں۔ اس کی مثال مکا کی جڑیں ہیں۔

(Adventitious Roots) کہتے ہیں۔ ہندوستانی میں ان کا نام جھالر سی نما جڑ ہو سکتا ہے۔ یا جھکڑا جڑ بھی کہہ سکتے ہیں۔

آگے کی تصویروں میں سیم کے بیجوں کے جمنے کی حالت دکھائی گئی ہے۔ انڈی اور سیم کے بیجوں کا جمتے وقت مقابلہ کرو اور دیکھو کہ دونوں کن کن باتوں میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اوپر دی ہوئی چار باتیں تو ان میں بھی ملتی ہیں لیکن انکے علاوہ ان میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کی دالیں پودے کے ساتھ باہر نکل آتی ہیں۔

نوٹ ۱۔ تقریباً سب بیجوں کے اندر Radicle (جڑ والا انکھوا) اور Plumule (تنے والے انکھوؤں) ابتدائی

عالت میں موجود رہتے ہیں۔

۲۔ بیج کسی بھی حالت میں کیوں نہ رکھا ہو۔ تنہ ہمیشہ روشنی کی طرف بڑھے گا۔ اسی سے اس عمل کو (Heliolropiom) کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی ہیں روشنی کی طرف بڑھنا۔ جڑ ہمیشہ زمین کی طرف بڑھتی ہے۔ اسی سے اس عمل کو (Gestropiom) کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں زمین کی طرف بڑھنا۔ جڑ ہمیشہ زمین کی قوت کشش کے ساتھ بڑھتی ہے اور تنہ ہمیشہ قوت کشش کے خلاف۔

سیم کے بیجوں کا جمنا۔

سیم کے بیج تصویر ٦

(۷) (۸)
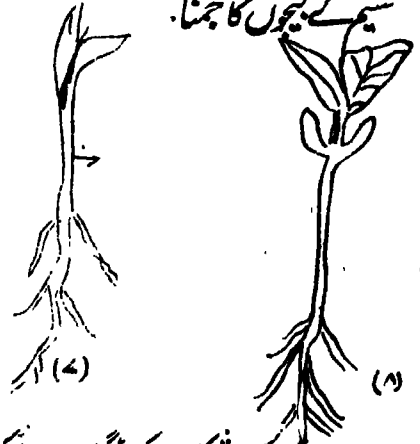
یہاں پر بیج کی وہ شکلیں دکھائی گئی ہیں جو اسکی زمین میں جمتے وقت ہوتی ہے۔ پہلی حالت میں (۱) بیج سطح زمین کے نیچے ہے۔ اسمیں سے جڑ والا انکھوا نکل کر زمین میں جارہا ہے۔ شکل نمبر (۲) انکھوا بڑھ گیا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ بیج تھوڑا اوپر آگیا ہے۔ شکل نمبر (۴) میں بیج سطح زمین پر اوپر آگیا ہے اور اسکی خاص جڑ میں سے جڑ ثانی نکل آئی ہیں۔ شکل (۵) میں بیج دال زمین کے اوپر آگئی ہے۔ اب اس سے دالیں کھل جاتی ہیں اور اسمیں سے انکھوا اور پھر پتیاں نکلتی ہیں۔ سیم کے بیج کے جمتے وقت کی حالتیں اوپر کی تصویر میں دکھائی گئی ہیں تصویر ۷ میں دالوں کو کھلتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور تصویر ۸ میں نئی نئی پتیوں کا نکلنا اور دال والی پتیوں کا سوکھنا دکھایا گیا ہے۔ تھوڑے دنوں میں یہ سوکھ کر گر جاتی ہیں۔ ایک سے ۵ تک کی تصویروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے اوپر کا حصہ بہت دور تک جڑ والے انکھوے ہی کا سلسلہ ہے۔ تنے کے اس حصہ کو انگریزی میں (Hypocotyl) کہتے ہیں۔ ہندوستانی میں اسکو جڑ والا تنہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر ان کو دالوں والا تنہ بھی کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔

کپاس کے بیج کا جمنا۔ کپاس کے بیج کی خول کافی سخت ہوتی ہے اور اسکو بھیگ کر پھولنے میں دیر لگتی ہے۔ اسی لئے کپاس کا پودا دیر میں نکلتا ہے۔ اگر تم کپاس کے بیج کا پودا نکلنے پر جانچ کرو تو تم دیکھو گے کہ اس بیج میں پتلی پتلی پتیوں جیسی کٹی تہ ہوتی ہیں۔ کپاس کے بیج بھی پودے کے ساتھ باہر نکل آتے ہیں۔ جب بیج کی خوراک ختم ہو جاتی ہے اور نئی پتیاں بن جاتی ہیں تو یہ سوکھ کر گر جاتی ہیں۔ کپاس کے بیج کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس کے بیج سے وہ پودے پیدا ہوتے ہیں جس سے روئی نکلتی ہے اور جس سے دنیا کے تمام سوتی کپڑے بنتے ہیں
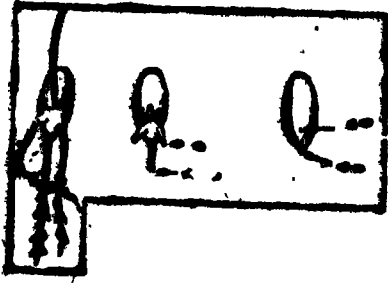
تصویر ۳

ربیع ہندوستان کی خاص فصلوں میں سے ہے۔ اس لیے بیسک اسکیم میں اس کی کاشت پر بہت زور دیا جا رہا ہے۔ Adventitious گیہوں کے بیج کا جمنا۔ گیہوں کے بیج کے پتلے سرے سے پہلے جڑ والا انکھوا نکلتا ہے۔ پھر دو انکھوا جو بعد کو تنہ بنتا ہے۔ گیہوں کا بیج زمین کے اندر ہی رہ جاتا ہے۔ گیہوں کی جڑ موسلا نہیں ہوتی بلکہ ایک ہی جگہ سے کئی جڑیں نکلتی ہیں۔ انگریزی میں ان جڑوں کو (Adventitious) جڑیں کہتے ہیں۔ ہندوستانی میں انکا ترجمہ جھاڑی نما جڑیں یا جھکڑا کہہ سکتے ہیں۔ سیم جیسے بیجوں میں موسلا اور ثانی جڑیں ہوتی ہیں۔

شکل نمبر ۳ میں تم جھاڑی نما جڑوں کو دیکھ سکتے ہو۔ گیہوں کے جمتے ہوئے بیج میں ایک بات اور دیکھنے کے قابل ہے۔ پہلے گیہوں کے پودے کی پتیاں سب آپسمیں خوب مل ہوئی نکلتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو ان کا زمین میں سے نکلنا مشکل ہو جائے۔ اسطرح سے سیم اور گیہوں کے بیجوں کے جمنے میں مندرجہ ذیل فرق ہوتا ہے۔

۱۔ سیم کی جڑوں میں موسلا اور ثانی دونوں جڑیں ہوتی ہیں۔ گیہوں میں Adventitios Roots. ہوتی ہیں اور اسی میں سے سفید ریشے نکلتے رہتے ہیں۔

۲۔ سیم کی دالیں تنے کے ساتھ زمین کے اوپر آجاتی ہیں۔ گیہوں کا بیج زمین کے اندر ہی رہجاتا ہے۔

اسطرح سے بیجوں کی دو خاص خاص قسمیں ہوئیں۔ ایک وہ بیج جو اپنے تنے کے ساتھ اوپر نکل آتے ہیں انگریزی میں ایسے بیجوں کو Epigeal کہتے ہیں اور جن بیجوں کی دالیں یا بیجیں خود زمین کے اندر رہجاتے ہیں ان کو (Hypogeal.) کہتے ہیں۔

املی کے بیج سیم کی طرح اوپر زمین کے آجاتے ہیں۔ جو۔ مکا۔ چنے وغیرہ کے بیج زمین کے اندر ہی رہجاتے ہیں۔

جڑ کے حساب سے دو قسم کے بیج (۱) ایک دال والے جن کی جڑیں جھکڑا ہوتی ہیں اور (۲) دو دال والے جنکی جڑیں موسلا ہوتی ہیں۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں طریقوں میں کون سا اچھا ہے۔

تم نے سیم کے بیجوں کو جمتے وقت یہ دیکھا ہوگا کہ بیج کے اوپر آجانے پر سب سے پہلے دالیں کھل جاتی ہیں۔ جیسے جیسے تنہ بڑھتا جاتا ہے بیج سوکھنے لگتا ہے اور جب ہری ہری پتیاں نکل آتی ہیں بیج بالکل سوکھ جاتا ہے۔ اور چھلکا گر جاتا ہے اگر اس سے پہلے بیج زمین کے اوپر نکلتے پر کوئی جانور کھا جائے تو سیم کا انکھوا سوکھ جائے گا۔ لیکن گیہوں کا بیج زمین کے اندر رہنے سے کیڑے مکوڑوں کے باہری حملہ سے محفوظ ہے۔ اسکے علاوہ سیم کی دالوں کو اوپر اٹھانے میں کچھ طاقت صرف ہوتی ہے۔ یہ طاقت اس خوراک سے حاصل ہوتی ہے جو بیج کے اندر موجود رہتی ہے۔ گیہوں کے تنے کو بیج کو اوپر لانے کا کام نہیں کرنا پڑتا اس لئے گیہوں کے بیج کی کل طاقت انکھوے ہی کے بڑھنے میں استعمال ہوتی ہے۔

لہذا تم جیسا طریقہ صرف انھیں بیجوں میں ممکن ہے جنھیں مندرجہ ذیل باتیں کم از کم پائی جاتی ہوں۔

۱۔ بیج کے اندر کافی خوراک موجود ہو۔

۲۔ بیج کے اوپر کا چھلکا کافی مضبوط ہو جس سے کیڑے مکوڑے بیج کی خوراک کو نہ کھا جائیں۔

چونکہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی جو۔ گیہوں۔ چنے وغیرہ میں نہیں پائی جاتی اسلئے ان کے بیج زمین کے اندر ہی اگ جاتے ہیں۔ زمین کے اوپر آنیوالے بیجوں کے دشمن زیادہ تر زمین کے اندر ہی رہتے ہیں۔ انھیں سے بچنے کے لئے قدرت نے ان کو اوپر آسکنے کی طاقت عطا کی ہے۔

بیجوں کو جمنے کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے؟۔ تم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ کسی بیج کو اچھی طرح جمنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ زندہ ہو۔ عمدہ اور مضبوط ہوں۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عمدہ اور زندہ بیج جمنے کے لئے اور کسی بات کے محتاج نہیں ہیں؟ اسے معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجربے کرو۔

تصویر ۸
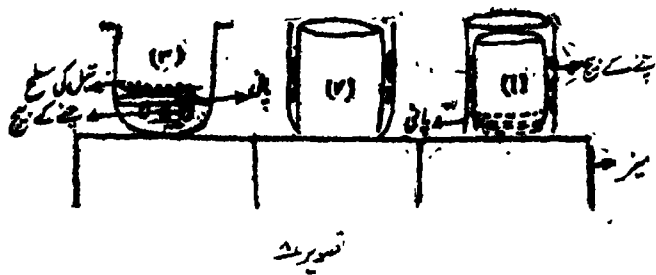
چار شیشے کے گلاس لو۔ اگر ان میں سے ایک بیکر ہو جس میں پانی گرم کیا جاسکے تو زیادہ بہتر ہے گلاس نمبر ۱ میں سوختہ اور گلاس کے دیواروں کے درمیان میں ڈال دو۔ تھوڑا پانی ڈال دو اور گلاس کو کمرے میں میز پر رکھ دو۔

گلاس نمبر (۲) میں پہلے گلاس کی طرح سب عمل کرو لیکن اسمیں پانی نہ ڈالو۔ اور اسے پہلے گلاس کے بغل میں رکھ دو۔ اگر اس گلاس میں سوختہ نہ لگایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ گلاس نمبر (۳) میں کچھ ابلا ہوا پانی بیجوں کے ڈھکنے کے بعد چھوڑ دو اور پھر پانی کی سطح پر تھوڑا سا مٹی کا تیل ڈال دو۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ تھوڑا سا پانی ایک بیکر میں گرم کرو۔ غور سے دیکھنے پر تم کو معلوم ہوگا کہ پانی میں ہوا گھلی رہتی ہے۔ جیسے جیسے پانی گرم ہوتا جاتا ہے۔ پانی کی ہوا کو گھلانے کی طاقت کم ہوتی جاتی ہے۔ پانی کے ابلتے ابلتے پانی میں ہوا بالکل نہیں رہ جاتی۔ اب اس پانی میں تھوڑے سے چنے کے بیج ڈال دو۔ پانی کے گرم رہنے پر ہی تھوڑا سا مٹی کا تیل پانی کے اوپر چھوڑ دو کیوں؟ پانی کے ٹھنڈا ہونے پر پھر ہوا گھل جائیگی لیکن چونکہ مٹی کے تیل میں ہوا نہیں گھلتی اس لئے بیکر کے پانی میں ہوا نہیں جا سکتی۔

تصویر ۹

اب اس بیکر کو بھی گلاس نمبر (۲) کے بغل میں میز پر رکھ دو۔ بیجوں کو پانی کے ٹھنڈا ہونے پر چھوڑنا چاہئے۔ پانی میں ہوا کا گھلا رہنا گرمی کے ایام میں بہت آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔

ایک شیشے کے گلاس میں ٹھنڈا پانی بھر کر دھوپ میں رکھدو۔ ایک گھنٹے کے بعد تم دیکھوگے کہ گلاس کی دیواروں سے لگے ہوئے چھوٹے چھوٹے ہوا کے بلبلے نظر آرہے ہیں۔ ایک لکڑی سے یا شیشے کی نلی سے ان بلبلوں کو چھوؤ۔ بلبلے نکل کر پانی کے اوپر آجاتے ہیں۔ اور غائب ہوجاتے ہیں۔ یہ بلبلے اُسی ہوا کے حصے ہیں جو ٹھنڈے پانی میں گھلی تھی۔ جیسے جیسے پانی گرم ہوتا گیا ہوا کا گھلنا کم ہوتا گیا اور بلبلے دیواروں پر جمتے گئے۔ شیشے کے گلاس میں یہ بلبلے اچھے دکھائی پڑتے ہیں۔ ورنہ یہ عمل کسی بھی برتن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

نوٹ۔ گرمی کے دنوں میں شیشے کے گلاس میں پانی رکھنے پر تھوڑی ہی دیر میں ہوا کے بلبلے گلاس کی اندرونی سطح پر نظر آنے لگتے ہیں۔ کیوں؟ ہوا کا درجہ حرارت کافی زیادہ ہوتا ہے۔

تصویر نمبر ۱
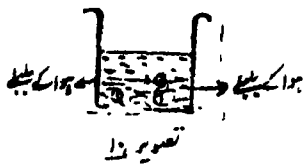
ہوا کا پانی میں گھلا رہنا قدرت کی دوراندیشی کا بہترین ثبوت ہے۔ پانی کے اندر رہنے والے جانور اسی ہوا کو سانس لینے میں استعمال کرتے ہیں۔ بہت سے جانور ایسے ہوتے ہیں کہ وہ صرف پانی کے اندر ہی سانس لے سکتے ہیں۔ پانی سے باہر لانے پر وہ مرجاتے ہیں۔ مچھلی ایسی ہی چیز ہے۔ اس کے پاس گلپھڑے (gills) ہوتے ہیں جس کی مدد سے پانی میں کی گھلی ہوا کو کھینچ کر باقی پانی باہر نکال دیتی ہے۔ اس کے پھیپھڑا نہیں ہوتا اور اسی سے معمولی ہوا میں انسانوں اور حیوانوں کی طرح سانس نہیں لے سکتی۔ اور پانی کے باہر نکالنے پر مرجاتی ہے اسلئے مچھلی کو ہمیشہ پانی کے اندر رکھنا چاہیے۔
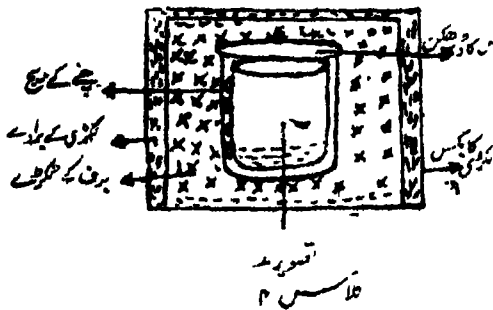
چوتھے گلاس میں پہلے گلاس کی طرح بیج رکھو۔ لیکن اسکو ایک اندھیرے کمرے میں ایک الماری کے اندر رکھدو۔ گلاس کے چاروں طرف برف کے ٹکڑے رکھ کر ان کو برادہ سے ڈھک دو۔ تاکہ برف پگھلنے نہ پائے۔ برف کے ٹکڑوں کو لکڑی کے بکس کے اندر رکھنا چاہیے۔ روزانہ ان چاروں گلاسوں کی جانچ کرو۔ اور اپنے مشاہدہ کو ایک کاپی پر لکھتے جاؤ۔

تصویر نمبر
گلاس ۴

تم دیکھوگے کہ پہلے گلاس کے بیج جمتے ہیں۔ اب تم دیکھنے کی کوشش کرو کہ پہلا گلاس دوسرے تینوں گلاسوں سے کن کن باتوں میں مختلف ہے۔

گلاس نمبر (۱) میں چنے کے بیج ہیں۔ سوختہ۔ پانی۔ گرمی اور ہوا ہے۔ ہوا گلاس کے اندر موجود ہے۔ گرمی سورج سے ملتی ہے۔

گلاس نمبر (۲) میں چنے کے بیج۔ سوختہ۔ گرمی اور ہوا ہے۔ اس میں پانی نہیں ہے۔

گلاس نمبر (۳) میں چنے کے بیج۔ گرمی اور پانی ہے۔ لیکن بیجوں کو ہوا نہیں ملتی کیونکہ پانی کو اُبال کر ہوا نکال دی گئی ہے اور تیل کی سطح کی وجہ سے دوسری ہوا بھی نہیں آسکتی۔

گلاس نمبر (۴) میں چنے کے بیج۔ ہوا اور پانی موجود ہے لیکن اندھیرے میں رکھنے کی وجہ سے اور چاروں طرف برف رکھنے سے اس کو گرمی نہیں ملتی ہے۔

پرنٹر و پبلشر۔ رائے صاحب رام دیال اگروالا کٹرہ الہ آباد

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب، مولوی، فاضل - ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربی، فارسی، اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس - قیمت ۶ آنہ -

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولس کے لیے مرتب کیا ہے - انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے - اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلی درجے کا انتخاب ہے -

سونے کا نوالہ — مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی، ایم، اے - ال، ٹی - ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور -

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے - زبان نہایت صاف اور شستہ ہے - قیمت ۲ آنہ -

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفہ رام رگھبیر پرشاد - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلی قسم صفحات ۹۰ - قیمت ۳ آنہ -

الہ دین اور اس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں -

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفہ منسکھہ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلی قسم صفحات ۴۴ - قیمت ۴ آنہ -

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکووں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں -

---

گلدستۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسن صاحب عاصی ٹیچر پارکر ہائی اسکول مرادآباد -

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق ہے - یہ اسم بامسمی ہے - اس میں مختلف قسم کے ۶۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین محققین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں - مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستہ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہیئے - اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۳۷۰ ہیں - باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے -

---

"ارمغان امثال" — مولفہ محمد مسعود حسن صاحب رضوی - ایم، اے - لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی - لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلی قسم جیبی سائز، صفحات ۲۳۷ - قیمت ۱۰ آنہ -

یہ اردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے - عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں - ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے ان کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے - ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے - طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے -

---

خطوط نویسی — مرتبہ مولوی محمد رفیع پھلوری، فاضل دیوبند - قیمت ۲ آنہ -

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں - عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے - بچوں کے لیے نہایت مفید ہے -

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad

جون سنہ ۱۹۲۳ء

ایڈیٹر

سررشتۂ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ جون سنہ ۱۹۲۳ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ رائے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر' الہ آباد' سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں کے پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم' مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں' ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم' اشارات' سائینس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں' قدرتی و طبعی مناظر' تعلیم نسواں' نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے معوض مضمون نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت برائے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جاے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۳۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے' یہ یاد رکھیے-

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

شرح اُجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۳۱ روپیہ ۴ آنہ	۵۶ روپیہ ۴ آنہ	۱۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۸ روپیہ ۱۲ آنہ	۳۳ روپیہ ۱۲ آنہ	۶۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۵ روپیہ	۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۲ روپیہ ۸ آنہ	۴۰ روپیہ

یہ اجرت دونی ہوجائے گی' جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے گا - ہر حالت میں اجرت پیشگی لی جائے گی -

پبلشر- رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد

جلد ۲۵ | جون سنہ ۱۹۴۳ء | نمبر ۳

مختلف قسم کے بیج اور انکے پھیلنے کے طریقے

(گذشتہ سے پیوستہ)

چونکہ گلاس نمبر(۲) کے بیج نہیں جمتے اسلئے معلوم ہوا کہ بیجوں کو جمنے کے لیے پانی ضروری ہے۔
چونکہ گلاس نمبر(۳) کے بیج نہیں جمتے اسلئے معلوم ہوا کہ بیجوں کے جمنے کے لئے ہوا ضروری ہے۔
اس طرح نمبر(۴) کے بیجوں کے نہ جمنے سے یہ معلوم ہوا کہ بیجوں کے جمنے کے لئے گرمی ضروری ہے۔

اس تجربہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیجوں کے جمنے کے لئے ہوا۔ پانی۔ اور گرمی کی ضرورت ہے۔

اب تم سمجھ سکتے ہو کہ بیجوں کو جمنے کے لئے زمین میں ایک خاص گہرائی پر کیوں بونا ضروری ہے؟ ہر ایک قسم کے بیج کے لیے یہ گہرائی کیوں مختلف ہے؟ بیج کو بونے سے پہلے کھیت میں نمی کی جانچ کرنا کیوں ضروری ہے؟ کھیت کی مٹی کو ملائم رکھنا کیوں ضروری ہے؟۔

زمین کی سطح پر ہی بیجوں کو چھوڑ دینے سے بیجوں کو پانی نہیں ملتا۔ سورج کی گرمی سے بیج بالکل سوکھ جاتے ہیں۔ باوجودیکہ برسات کے موسم میں یہ ممکن ہے کہ سطح زمین پر بھی بیجوں کو پانی یا نمی مل سکتی ہے لیکن بیجوں کو کیڑوں مکوڑوں سے خطرہ رہتا ہے اسلئے بیجوں کو زمین پر پھینٹنے کے بعد کھیت کو اسطرح جوتنا ضروری ہے کہ بیج مٹی کے نیچے چھپ جائیں۔ برسات میں جمنے والے بیجوں کو زیادہ گہرائی پر زمین میں نہ بونا چاہیے کیونکہ برسنے سے کھیت کی مٹی سخت ہو جاتی ہے اور اسمیں ہوا نہیں جا سکتی جس سے بیج نہیں جم سکتا۔ زمین میں بہت زیادہ گہرائی پر بیج کبھی بھی

نہ بونا چاہیے۔ زیادہ گہرائی ہونے کی وجہ سے ہوا بیجوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ برسات کے دنوں میں خریف کی فصلوں کو بونے کے بعد ہی اگر فوراً بارش ہو جاتی ہے تو بیجوں کا جمنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ زمین پر پپڑی پڑ جاتی ہے۔ ہوا اندر نہیں جا سکتی۔ اسکے علاوہ انکھوے کمزور ہوتے ہیں اور سخت مٹی کی پپڑی کو نہیں پار کر سکتے۔ اسی وجہ سے ایسی حالت میں کھیت کو ہلکے ہل سے اسطرح جوتتے ہیں کہ اوپر کی زمین پولی ہو جاتی ہے۔ اور نیچے کے بیج بھی اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ ربیع کی فصلوں کو بونے سے پہلے اگر کھیت میں نمی نہیں ہوتی تو کھیت کو سینچ کر بونا ضروری ہے۔ ورنہ بیج زمین کے اندر ویسے ہی پڑے رہیں گے۔ اور جمیں گے نہیں۔

پودوں کے آس پاس کی زمین کو گوڑنا اسی لئے ضروری ہے کہ بیجوں کو اور پھر بعد میں جڑوں کو کافی ہوا ملتی رہے۔ بیجوں کو زندہ رہنے کے لئے ہوا بہت ضروری ہے۔

ہر ایک بیج میں کم از کم کتنی خوراک ہونا ضروری ہے؟ پہلے مہینوں کے گزٹ میں بتایا جا چکا ہے کہ پودے کیلئے خوراک بنانے کا سارا بار پتیوں کے اوپر ہے۔ جڑیں اور تنے خوراک نہیں بنا سکتے۔ اس لئے ہر ایک بیج میں کم سے کم اتنی خوراک ہونی چاہئے کہ وہ جڑ اور تنوں کے نکلنے کے لئے کافی ہو۔ ان تنوں میں کم سے کم دو ہری ہری پتیاں بیجوں کی خوراک ختم ہونے سے پہلے ضرور نکل آویں ورنہ سارا پودا خوراک نہ پانے سے سوکھ جائیگا۔ لہذا ہر ایک بیج میں اتنی خوراک ہونی چاہئے کہ اس کے پودے میں پتیاں نکل آویں۔ یہی وجہ ہے اگر کمزور بیج کسی طرح جمتے بھی ہیں تو انکی خوراک وقت سے پہلے ختم ہو جانے سے نئے پودے سوکھ جاتے ہیں اسلئے کسان کو عمدہ سے عمدہ بیجوں کو کھیت میں بونا چاہئے۔

بیجوں کا دور دور پھیلنا کیوں ضروری ہے؟ تم کو اب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ بیجوں کے جمنے کے لئے ہوا۔ پانی اور گرمی کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے مہینوں کے گزٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ پودا پانی جڑوں سے کس طرح حاصل کرتا ہے۔ پودا اپنے مختلف حصوں سے ہوا کیسے حاصل کرتا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پتیاں بلا سورج کی روشنی کے خوراک بنانے کا کام نہیں کر سکتیں اسی روشنی کو کافی مقدار میں حاصل کرنے کے لئے ہر ایک پودا اپنی چوٹی کو اپنے پڑوسی سے اونچا رکھنا چاہتا ہے۔ ایک آم کا درخت جو اکیلا ہوتا ہے چوڑائی میں کافی دور تک پھیلتا ہے لیکن وہی آم کا درخت اگر کئی درختوں کے بیچ میں پڑ جاتا ہے تو باوجود چاروں طرف کچھ جگہ خالی رہنے پر بھی وہ ہمیشہ اوپر ہی بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ادھر ادھر پھیلنے میں اپنی طاقت صرف کر دے تو اسکے پڑوسی بلندی میں زیادہ بڑھکر اسکو سورج کی روشنی سے محروم کر دینگے اور وہ پیڑ اپنی ہستی سے ہاتھ دھوئیگا۔

اب تم یہ بخوبی سمجھ گئے ہوگے کہ پودوں کے سایہ میں دوسرے پودے کیوں نہیں اُگتے۔ علاوہ بریں سورج کی روشنی کے پودوں کو اس خوراک کی ضرورت ہوتی ہے جو جڑیں زمین سے حاصل کر کے پتیوں کو اصلی کھانا بنانے کے لئے مہیا

کرتی ہیں۔ اسلئے اوّلاً تو سایہ میں رہنے والے پیڑ یا پودے کی جڑوں کو یہ خوراک کافی نہیں ملتی اور اگر باہری کھاد کی مدد سے ان کی اس کمی کو پورا بھی کیا جائے تو سورج کی روشنی کیسے ان کو دیجا سکتی ہے۔ اسی طرح سایہ میں اُگنے والے پودوں کو نمی یا پانی کی کمی ہوتی ہے۔ ان سب وجوہات سے کسی درخت کے سایہ میں دوسرے پودے یا درخت کا سرسبز شاداب رہنا غیر ممکن ہے۔ اس لئے باغبان کو درختوں کو دور دور کافی فاصلہ پر لگانا چاہیئے۔ لیکن باغبان تو صرف انھیں پودوں کو دیکھ بھال کرتا ہے جو پھل دینے والے ہوتے ہیں یا جو اُس کے باغ کی رونق افزائی کرتے ہیں یا اور کسی طرح سے اُسکے کام کے ہوتے ہیں۔ دنیا میں لاکھوں پودے موجود ہیں جنکی خوبیاں جاننے کو کون کہے انسان نام تک بھی نہیں جانتا تو قدرت نے ان کی ہستی قائم رکھنے کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے ہیں۔

تم نے مختلف پھولوں۔ پودوں اور درختوں میں یہ دیکھا ہوگا کہ بیشمار بیج ہر ایک پودے میں تیار ہوتے ہیں اگر یہ سب بیج اپنے پودے کے پاس ہی گر جائیں تو اولاً تو وہ سب اُگیں گے نہیں اور اگر اُگے بھی تو ان کے پودے کمزور ہونگے اور چند دنوں میں سوکھ جائیں گے۔ ان بیجوں کا دور دور پھیلنا ضروری ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان بیجوں کو دور دور پھیلانے کے لئے قدرت نے کیا انتظام کیا ہے۔

قدرت ان بیجوں کو دور دور پھیلانے کے لئے کوئی نئی ہستی نہیں قائم کرتی۔ وہ تو حد درجہ کی کفایت شعار ہے اپنی انھیں چیزوں کی مدد لیتی ہے جو بیج کے پھیلانے کے علاوہ اور بہت سے کام کرتے ہیں اور خوبی تو یہ ہے کہ یہ سب چیزیں بیجوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اس طرح پھیلاتے ہیں کہ انھیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ یہ کام بیج کے بھلے کے لئے کر رہے ہیں بلکہ ایسا کرنا یا تو ان کی عادت میں داخل ہے یا اپنی خود غرضی سے کرتے ہیں۔ پہلے بیج پھیلانے والی ان ہستیوں کا تذکرہ کریں گے جو اپنی غرض سے بیجوں کو دور پھیلاتے ہیں۔

۱۔ انسان ۔ انسان اکثر جان بوجھ کر بیجوں کو دور دور لگاتا ہے کیونکہ وہ ان بیجوں کے درختوں سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔ آم۔ مہوہ۔ جامن۔ نیب۔ گولر۔ انار۔ سیب۔ ناشپاتی۔ انگور وغیرہ کے پودے دور دور لگاتا ہے اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی وہ بلا جانے بوجھے بھی یہ کام کر دیتا ہے مثلاً وہ بیر کھاتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ بیر کی گٹھلیاں کو وہ اپنے راستے میں ادھر اُدھر بلا کسی خیال کے پھینکتا چلا جاتا ہے۔ جب یہ گٹھلیاں کسی مناسب جگہ پر پڑ جاتی ہے تو جم جاتی ہیں اور کچھ دنوں میں پیڑ بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے بیشمار بیجوں کا نقصان ہوتا ہے لیکن اسی لئے قدرت نے بہت سے بیج ہر ایک پودے میں ضرورت سے کہیں زیادہ پیدا کئے ہیں۔

۲۔ جاندار ۔ چوپائے جان بوجھ کر کسی درخت کا بیج دور دور نہیں پھیلاتے بلکہ بلا جانے ہوئے درختوں کی

بیجوں کی بھلائی کرجاتے ہیں۔ بہت سے پھل وہ کھاتے تکھل تدور تک چلے جاتے ہیں اور پھل کے ختم ہونے پر اُن کے بیجوں کو اِدھر اُدھر گرا دیتے ہیں جو موقع پاکر اُگتے ہیں اور بڑھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قدرت نے گٹھلیوں کو سخت بنایا ہے تاکہ جاندار مجبور ہوکر اُن کو باہر پھینک دیں۔ اگر گٹھلیاں ملائم اور خوش ذائقہ ہوتیں تو جاندار انھیں بھی کھا جاتے اور پودوں کی نسل برباد ہو جاتی۔

۳- چڑیاں۔ بیج پھیلانے کا کام پرندے انسانوں اور چرندوں سے کہیں زیادہ کرتے ہیں۔ رسیلے پھلدار بیجوں کو وہ پھیلاتے ہیں اور ایسی ایسی جگہوں میں جہاں انسان حیوان کا مشکل سے گذر ہوتا ہے۔ سمندر کے درمیان دور دور جزیروں میں بہت سے بیج چڑیوں ہی کی مدد سے پھیلتا ہے۔

چڑیاں بہت سے بیجوں کو نگل بھی جاتی ہیں جیسے پیپل۔ گولر۔ امرود وغیرہ ان چیزوں کے بیج کافی سخت ہوتے ہیں اور پیٹ کے اندر چلے جانے سے بھی ان کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا۔ جب یہ چڑیاں اپنے آشیانوں میں جاکر بسیرا لیتی ہیں تو یہ بیج بیٹ (پائخانہ) کے ساتھ باہر نکل آتے ہیں۔ چنانچہ پیڑ کے کھوکھلوں میں۔ پہاڑوں کی غاروں میں اور چٹانوں پر بیج پہنچ جاتے ہیں۔ تم نے پیپل۔ نیم وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے پودوں اور دوسرے درختوں کے اوپر اُگتے ہوئے ضرور دیکھا ہوگا۔ ان کے بیج چڑیوں ہی سے وہاں پر آیا ہوگا۔ کھوکھلوں میں مٹی اکثر جمع ہو جاتی ہے۔ پانی پڑنے پر یہ بیج جم جاتے ہیں اور موافق ہوا۔ روشنی خوراک پانے پر یہ نئے درخت بن جاتے ہیں۔

لیکن جانداروں کے ذریعہ کیا صرف ان کے کام والے ہی بیج پھیل سکتے ہیں؟ نہیں۔ جنکی دوسرے مدد نہیں کرتے وہ اپنی مدد خود کر لیتے ہیں۔ بہت سے پودے کے پھل یا بیج قدرت نے اسطرح بنائے ہیں کہ وہ جانداروں سے خود چپک کر دور دور تک چلے جاتے ہیں اور جب جاندار کسی چیز سے رگڑ کھاتے ہیں تو یہ بیج وہیں پر گر جاتے ہیں یا کہ جاندار ان کو خود نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ بہرکیف ایسے بیج اپنے پودے سے دور تو پہنچ ہی جاتے ہیں۔

ایک جنگلی خودرو پودے کا بیج ایسا ہی ہوتا ہے اسکو بچھو کہتے ہیں۔ اس کی شکل بچھو کے ڈنک کیطرح ہوتی ہے اور اسی سے یہ اسکا نام پڑا ہے۔ بچھو کے بیج جانوروں کے بالوں سے انسانوں کے کپڑوں سے چپک کر دور دور سفر کر آتے ہیں۔ کوئی کہیں پر سفر ختم کرتا ہے اور کوئی ایسی بھی جگہ جا گرتا ہے جہاں سے اُس کی رہائی مشکل ہوتی ہے اور اُسے اپنی زندگی سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اور کوئی ایسی جگہ بھی پہنچ جاتا ہے جہاں اُسکو اُگنے بڑھنے کی سب ضروریات پوری ہوتی ہوں۔
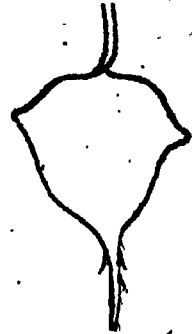
اسی ڈنک کی مدد سے بچھو کا بیج دوسری چیزوں سے لپٹ جاتا ہے۔
اسی طرح بہت سے خودرو پودوں کے بیج انسان کے بدن کپڑوں اور جانداروں کے بالوں سے چپک جاتے ہیں۔ چھمھا ایک جنگلی گھاس ہے اسکے بیج اس بُری طرح سے بدن اور کپڑوں میں لگ جاتے ہیں کہ جھاڑنے سے بھی نہیں چھوٹتے سنگھاڑے کے بیج میں بھی کانٹے ہوتے ہیں اور چپک کر دور تک جاسکتا ہے۔ لیکن قدرت نے چپکنے والے اعضا ہر ایک بیج کو نہیں عطا کئے ہیں بلکہ اور ذرائع اُنکو بخشے ہیں۔ اُن میں سے کچھ نیچے دئے گئے ہیں۔

ا۔ کچھ ایسے بیج ہوتے ہیں جو پکنے پر بڑے زور سے چٹخ جاتے ہیں۔ چٹخنے سے انکے بیج انکے پیدا کرنے والے پودوں (Parent Plant.) سے دور جا گرتے ہیں۔ انڈی کا بیج ایسے ہی دور دور تک پھیل جاتا ہے۔
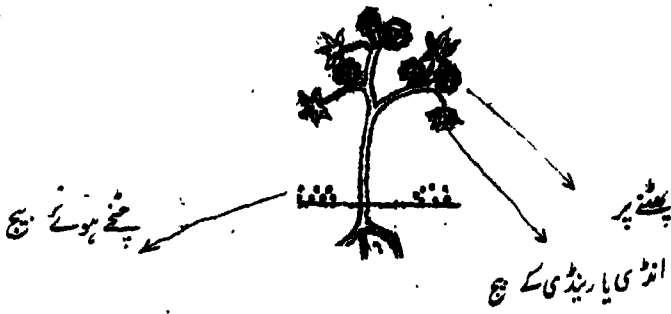
تصویر ۱۳

چٹخنے کی وجہ۔ جب پھل کے اندر کی رقیق شے سوکھنے لگتی ہے تو پھل کی کھال میں جگہ جگہ جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ ہوا کے جھونکوں سے یا اور کسی قسم کا زور پڑنے سے چھلکا پھٹ جاتا ہے اور بیج زور سے نکل کر پھیل جاتا ہے۔ بانسا اور لکڑی کے بیج اسیطرح پھیلتے ہیں۔

ب۔ کچھ ایسے بیج ہوتے ہیں جن پر جب پانی پڑتا ہے تو وہ زور سے پھٹ جاتے ہیں اور انکے بیج ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں۔ یہ ماننا پڑے گا کہ چٹخنے والے بیج اپنے پیدا کرنے والے پودے سے بہت دور نہیں جاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ انڈی کے چھوٹے چھوٹے درخت برسات کے آنے پر اپنے پہلے پیدا کرنے والے پودے کے آس پاس ہی اُگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس طریقہ سے صرف

انھیں پودوں کے بیج پھیلتے ہیں جو ایک سال کے بعد برباد ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ پر نئے پودے پھٹکے ہوئے بیجوں سے نکل آتے ہیں برسات آنے پر پرانے گیندے کے پودے کے نزدیک سیکڑوں نئے گیندے کے پودے دکھائی پڑتے ہیں۔

ہوا کے ذریعہ بیجوں کا پھیلنا۔ سب سے زیادہ پودوں۔ پھولوں۔ پھلوں اور بیجوں کی بھلائی ہوا کرتی ہے جو ہلکے بیجوں کو بہت دور، دور اُڑا لیجاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی گھاسوں کے بیج اسی طرح پھیلتے ہیں۔ لیکن اس طریقہ سے پھیلنے والے بیجوں میں نیچے دی ہوئی دو خاص خوبیاں پائی جانا ازحد ضروری ہے۔

۱۔ ان کی تعداد بیشمار ہوتی ہے۔ بیشمار ہونے سے کچھ نہ کچھ بیج ضرور ایسی جگہ پر جا پڑتے ہیں جہاں پر انکے مستقبل میں پیدا ہونے والے پودے سرسبز و شاداب رہ سکتے ہیں۔

۲۔ ایسے بیج اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ دھوپ۔ مٹی۔ بالو اور پانی کی بے رحمیوں کو کافی برداشت کرلیتے ہیں اور اسی سے زندہ رہتے ہیں اور موقع ملتے ہی اُگنے بڑھنے لگتے ہیں۔

کچھ ایسے بیج ہوتے ہیں جو ہوا کیساتھ ساتھ بہت دور تک اُڑ سکتے ہیں۔ ان میں پر لگے رہتے ہیں اور اسی سے پردار بیج کہلاتے ہیں۔

بگونیا کا بیج

چلبل کا بیج

سرس کا بیج

ڈھاک کا بیج

چلبل کا اصلی بیج بیچ میں ہوتا ہے اس کے چاروں طرف ایک پتلی جھلی سی چیز رہتی ہے جس طرح سے پنکھے کی مدد سے چڑیا ہوا میں اُڑتی ہے اسی طرح اس پتلی جھلی کی مدد سے چلبل کا بیج ہوا میں اُڑتا ہوا دور دور چلا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ناگ پھنی کی جھاڑیوں میں۔ پود کی کیاریوں میں چلبل کے پودے بلا بوئے ہوئے اُگ آتے ہیں اور اکثر بڑے بڑے پیڑ ہو جاتے ہیں۔ انکے درختوں کی دیکھ بھال کرنے یا پانی دینے کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف جانوروں اور لڑکوں سے ان کی حفاظت ہونا چاہئے۔ اسی طرح نیم کے درخت کو بھی زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ناگ پھنی کی جھاڑیوں میں چلبل اور نیم کے پیڑ بہت زیادہ اُگتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ بگونیا کا بھی بیج چلبل کی طرح اُڑ سکتا ہے۔ اسی طرح سرس کا بھی بیج ہلکا ہوتا ہے اسکی شکل بالکل پتی کی طرح ہوتی ہے اور اسمیں کئی بیج ہوتے ہیں۔ تم اس کے پھل کو درخت سے ٹوٹ کر گرتے وقت دیکھ سکتے ہو یہ ہوا کے ساتھ اُڑتا ہوا کافی دور پر گرتا ہے۔ جب اوپر کا چھلکا چٹک جاتا ہے تو بیج نکل آتا ہے۔ اس کے بھی درخت کو زیادہ پانی اور دیکھ بھال کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مدار یا آکوآ کے بیج کو اڑنے کے لئے قدرت نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ مدار کے پھل کے پھٹ جانے پر اس میں سے روئی نکلتی ہے۔ اسی روئی میں مدار کے بیج بھی چھپے رہتے ہیں روئی کی وجہ سے بیج ہلکا ہوتا ہے اور بہت دور ہوا میں اڑتا میلوں دور جا گرتا ہے۔ اس کا درخت معمولی سے معمولی کھیت میں اگ سکتا ہے اور فروری اور مارچ کے دنوں میں جب اور پودے سوکھنے لگتے ہیں تو یہ زیادہ ہرا بھرا نظر آتا ہے۔ برساتی پانی سے اس کو نقصان پہنچتا ہے نہ کہ فائدہ۔ یہ قدرت کے کارنامے ہیں۔ بہت سے خود رو پودے گرمی کی سخت دھوپ میں زیادہ ہرے بھرے نظر آتے ہیں۔ گھوڑا روشن ایک قسم کا چھوٹا پودا ہے جو گرمی کے دنوں میں کھیتوں میں خوب نکل آتا ہے اس کو کوئی بھی جانور نہیں کھاتا۔ جس کھیت میں اگتا ہے اس کی طاقت کا بہت بڑا حصہ بالکل بیکار خرچ ہو جاتا ہے۔ اس سے کھیتوں میں اس کا اگنا بہت برا مانا جاتا ہے۔ ہاں دوا کے کام ضرور آتا ہے۔

ڈھاک کے بیج بھی سرس کے بیجوں کی طرح ہوتے ہیں اور ہوا کے ساتھ بہت دور تک اڑ سکتے ہیں اسی لئے ڈھاک کے پودوں سے بہت دور، پر ڈھاک کے نئے پودے نکلتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔

ہلکی دم والا بیج

مدار کا بیج روئی کے ساتھ تصویر ۱۵ سیمر کا بیج روئی کے ساتھ
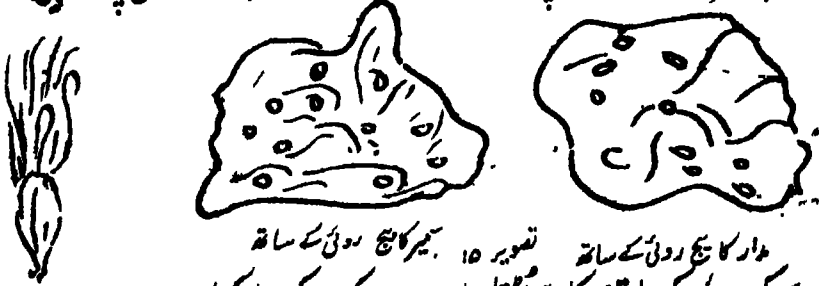
اسی طرح سے سیمر کی روئی کے ساتھ سیمر کا بیج اڑتا ہوا بہت دور تک دیکھا جا سکتا ہے۔

چونکہ اڑنے والے بیج بہت سے پانی میں جا گرتے ہیں اور بہت ایسی جگہ گرتے ہیں جہاں انکا اگنا مشکل ہے اس لئے بہت سے بیج برباد جاتے ہیں اسی سے قدرت نے ایسے بیجوں کو بہت زیادہ پیدا کیا ہے۔ کچھ پودے بیج کے بنانے کے بعد سوکھ جاتے ہیں۔ ہوا کے جھونکوں سے اکھڑ کر خود ادھر ادھر ہوا کے ساتھ بہنے لگتے ہیں۔ اور ان کے بیج بہت دور دور اڑ جاتے ہیں۔

پانی کے ذریعہ پھیلنے والے بیج۔ ناریل کا بیج دیکھو۔ یہ قد و قامت میں بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس کے سطح پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ اس کا چھلکا بہت سخت ہوتا ہے اور پانی میں بہت دنوں تک پڑے رہنے پر بھی یہ نہیں سڑتا۔ یہ پانی سے ہلکا ہوتا ہے اس لئے پانی کی سطح پر تیرتا ہے۔ ناریل کے پیڑ اکثر جزیروں میں دیکھے جاتے ہیں چاہے ان جزیروں میں انسان کی آبادی ہو یا نہ ہو۔ سمندر کے

کنارے ناریل کے پیڑ بہت ہوتے ہیں۔ ان سے ناریل کے بیج پانی میں گرتے ہیں اور پانی کی دھار کے ساتھ تیرتے دور دور چلے جاتے ہیں۔ جب لہروں کے جھونکے سے یہ کسی جزیرہ کی خشکی پر آجاتے ہیں تو اُگ آتے ہیں۔

ناریل کا بیج تصویر-۱۶ تاڑ کا بیج

اسی طرح تاڑ کا بھی بیج پانی سے ہلکا ہونے کی وجہ سے پانی کے ساتھ تیرتا ہے۔ بہت دنوں تک پانی میں پڑے رہنے سے بھی یہ نہیں سڑتا۔ اسی سے دور دراز کے جزیروں میں بھی تاڑ کے پیڑ نظر آتے ہیں۔

اب تم کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ قدرت نے بیجوں کی ہستی قائم رکھنے کے لئے کیا کیا انوکھے طریقے اختیار کئے ہیں۔

بیسک اسکولوں کے انفنٹ کلاس میں تواریخ

(جناب سبھاجیت سنگھ صاحب ایم اے۔ ایل۔ ٹی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

پیشے اور اوزار- پتھر کے زمانہ کے پہلے کا انسان صرف شکار اور مچھلی مار کر ہی اپنا پیٹ پالتا تھا۔ وہ کھیتی کرنا اور اناج پیدا کرنا بالکل نہیں جانتا تھا۔ شکار نیز مچھلی مارنے سے بھی اُسے پوری خوراک نہیں ملتی تھی۔ کیونکہ اُس کے اوزاروں کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ پتھر کے زمانہ کے بعد کا انسان اوزار بنانے میں بہت ترقی کر گیا۔ اسلئے اُس کو پوری خوراک وقت سے ملتی تھی۔

جہاں تک مچھلی کے شکار سے تعلق ہے۔ شاید پتھر کے زمانہ کے انسان کو مشکل سے زندہ مچھلیاں ملتی رہی ہوں۔ اُسے مری ہوئی مچھلیوں پر ہی قناعت کرنی پڑتی تھی۔ پتھر کے زمانہ کے بعد کے انسان ہارپوں کے ذریعہ بڑی کامیابی کے ساتھ مچھلی کا شکار کر سکتا تھا۔ اُس کے پاس ممکن ہے۔ کہ کانٹا بھی رہا ہو۔ لیکن یہ بھی اچھا نہ تھا۔ کانٹا (Fish Hook) اور ہارپوں کی شکلیں حسب ذیل ہیں:-

مندرجہ بالا اوزاروں کے علاوہ پیڑوں کے ریشے کی رسّیاں بناتے تھے۔

ان رسّیوں کے ذریعہ جال بھی بناتے تھے۔ ان جالوں کی مدد سے وہ خوب مچھلیاں پکڑتے تھے۔ مچھلیوں کو جال کے ذریعہ پکڑنے کا ایک ڈھنگ ایسا تھا۔ جو آجکل بھی پایا جاتا ہے۔ وہ ایک جگہ پر جال بچھا دیتے تھے۔ پھر کچھ دور ہٹ کر پیڑوں کی ڈال کو پانی سے پیٹتے ہوئے جال کی طرف بڑھتے جاتے تھے۔ اس طرح مچھلیاں ڈر کر جال کی طرف بھاگتی تھیں۔ اور پھنس جاتی تھیں۔ وہ کبھی کبھی پتھر کا انگریزی حرف وی (V) شکل کا بکس بناتے تھے۔ اور مچھلیوں کو ڈرا کر اسی بکس کی طرف بھگاتے اور پکڑتے تھے۔ یہ تدبیر ابتدائی پتھر کے دور کے انسان کو نہیں معلوم تھی۔

ہارپون فش ہک

مچھلی کے شکار کی طرح جانوروں کے شکار میں بھی وہ بڑی ترقی کر گئے تھے۔ انھیں نیزے، تیر اور ترکش سے بڑی امداد ملتی تھی۔ اُن کی کمانیں تقریباً آدمی کے برابر اونچی ہوتی تھیں۔ یہ کمانیں سخت لکڑی کی بنتی تھیں۔ ان کا تیر لمبی

سیدھی مضبوط لکڑی کا بنتا تھا۔ اس تیر کے ایک کنارے پر نکیلے پتھر کا ایک ٹکڑا باندھ دیتے تھے۔ باندھنے کے لئے تازے چمڑے کی پتلی پٹی کا استعمال کرتے تھے۔ یہ ہتھیار بڑے ضروری تھے۔ تیر اور تیر کش کی تصویر نیچے دی جاتی ہے۔

وہ ہرنوں کو پکڑنے کے لئے پھندہ بھی بناتے تھے۔ کبھی کبھی وی (V) شکل کا احاطہ بنا کر بھی ہرنوں کا شکار کرتے تھے۔

تیسرا اور سب سے خاص پیشہ کاشت تھا۔ کھیتی کرنے کے لئے بھی اُنھوں نے نئے اوزاروں کو استعمال کیا۔ وہ پتھر کی کلہاڑی سے جنگلوں کو کاٹ کر کھیتی کے لئے زمین تیار کرتے تھے۔ زمین کھودنے کے لئے نکیلی لکڑی کا استعمال کرتے تھے۔ یہ زمین کھودنے کی چھڑی تقریباً ۳۶ انچ لمبی ہوتی تھی۔ اسکا پھل ہرن کی ہڈی کا بنتا تھا۔ اب اس وقت کے خانگی اوزاروں کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ بعد کے پتھر کے وقت کے آدمی اپنے بزرگوں سے تہذیب میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ مثلاً آگ تیار کرنے کی اُنھوں نے ایک عجیب ترکیب نکالی تھی۔ نیچے کے اوزار کی تصویر سے یہ اچھی طرح ظاہر ہو جائیگا کہ وہ اس اوزار کے ذریعہ کس طرح آگ پیدا کرتے تھے۔

دھنش اور تیر

آگ بنانے کے اوزار کے علاوہ پتھر نیز لکڑی کی چکی بھی بنانا جانتے تھے جس میں غلّہ کو پیستے تھے۔ کھانا پکانے کے لئے اُن کے پاس مٹی کے برتن تھے۔ یہ ان برتنوں کو آگ میں پکانا بھی جانتے تھے۔ وہ کھانے پینے کے سوال کو خوب اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ وہ کھانے سے بچے ہوئے غلّہ کو جمع کر کے رکھ دیتے تھے۔ کمی کے وقت یہ غلّہ اُن کے کام آتا تھا۔ اسی طرح مچھلیوں کو بھی سُکھا کر رکھتے تھے جو کمی پڑنے پر کھانے کے کام آتی تھی۔ وہ غلّہ یا سوکھی مچھلیوں کو چھلکوں کے بُنے ہوئے بٹوں اور ڈبوں میں رکھتے تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت لوگوں کی زندگی آرام سے کٹتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اوزاروں کے ذریعہ اُنھوں نے قدرت کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ انھیں عمدہ اوزاروں کے ذریعہ وہ کھیتی کرتے تھے جس سے ضرورت سے زیادہ غلّہ پیدا کر لیا کرتے تھے۔ وہ کھانا کھانے کے اوزار بھی سیکھ گئے تھے۔ مثال کے لئے چمچے اور ڈوئی وغیرہ۔

یمپ ڈرل

فنون لطیفہ۔ اظہار خیال کا طریقہ۔ تقریر و تحریر اور ڈرائنگ وغیرہ۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ابتدائی پتھر کے زمانے کا انسان اپنے خیالات کو صرف اشارے اور چند الفاظ کے ذریعہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ اُن کے الفاظ کا ذخیرہ اور سوچنے کی طاقت دونوں ہی بڑی محدود تھیں۔ بعد کے پتھر کے وقت کے آدمی بولنے اور خیالات کے اظہار میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ ہر ایک بڑے کام کا فیصلہ یہ لوگ کونسل میں کیا کرتے تھے۔

ایسی کونسلیں لڑائی کے وقت اور پیشوا چننے کے لئے ہوا کرتی تھیں۔ کونسل کا مقصد جو بھی رہا ہو۔ اُسمیں ہر ایک کو بات چیت کرنے کا کافی موقعہ ملتا رہا ہوگا۔ ہر ایک جماعت میں کہانی سننے کا بڑا رواج تھا۔ کہانی سُنانے والے کے گرد ایک اچھی خاصی بھیڑ ہو جایا کرتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ بات چیت کرنے میں انسان نے اُسوقت میں کافی ترقی کر لی تھی۔ لیکن اُن کو لکھنے کی معلومات نہیں تھی۔ موجودہ حروف تہجی اور لکھنے کا طریقہ اُن کو بالکل معلوم نہ تھا۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کچھ تصویروں کے ذریعہ اپنا خیال ظاہر کرتے تھے۔ حقیقت میں فن تحریر کی نشوونما مختلف ملکوں میں اِسی طرح ہوئی وہ صرف بھدے طریقے کی تصویریں بنا سکتے تھے۔ جس سے کسی واقعہ نیز لڑائی کے بیان کا پتہ چلتا تھا۔ کبھی کبھی لکڑی کے تختوں پر نشانوں کے ذریعہ لڑائی کا بیان دکھایا جاتا تھا۔ نیچے ایک تصویر دی جاتی ہے جس میں مختلف تصویروں کے ذریعہ مختلف واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ تصویروں کو غور سے دیکھنے سے پتہ چلے گا کہ اُس میں دو رہبر ہیں۔ دس سپاہی ہیں۔ چار افسر ہیں۔ اُن کے پاس کچھ مرغیاں اور کچھوے کھانے کے لئے ہیں۔
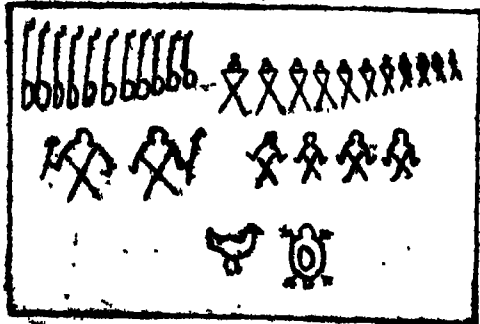
اُس زمانہ میں سڑکیں نہ تھیں۔ لیکن ایک جگہ سے دوسری جگہ لوگ جایا کرتے تھے۔ اس سے بہت چوڑے راستے بنگئے تھے۔ ابھی تک اُنکو بوجھ ڈھونے والے جانوروں کی معلومات نہ تھی۔ وہ اپنے اسباب کو اپنی پیٹھ پر باندھ کر لیجاتے تھے۔ اسباب کو چمڑے اور پیڑ کے چھلکے کی پٹی سے باندھ دیا کرتے تھے۔ یہ بات موجودہ زمانہ میں بڑی آسان معلوم ہوگی۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ پتھر کے زمانہ کے پہلے کا انسان

لکڑی کا بوجھ باندھ کر اپنے غاروں تک پہنچانا بھی نہ جانتے تھے۔ اس زمانہ میں لوگوں نے ایک طرح کا پہیہ کا جوتا بھی بنایا تھا۔ اسکی مدد سے لوگ ۵۰ میل تک بڑی آسانی سے جا سکتے تھے۔ اپنا اسباب ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے میں اُنھیں کشتی سے مدد ملتی تھی۔ یہ کشتیاں پیڑ کے موٹے چھلکوں سے بنتی تھیں۔ ان میں کافی سامان لادا جا سکتا تھا۔ ان کشتیوں میں ایک خاصیت اور تھی کہ اگر کہیں خشکی کا حصہ آیا۔ تو وہ اُن کو اُٹھا کر ایک دریا سے دوسرے دریا میں بڑی آسانی سے پہنچا دیتے تھے۔

مذہب۔ شادی۔ کھیل اور تفریح۔ اُس زمانہ میں لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ کل عالم کا بنانے والا صرف ایک ہی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ اُنھیں خدا کی وحدانیت کا علم نہ تھا۔ وہ قدرت کی مختلف طاقتوں کو پوجتے تھے۔ وہ آسمان۔ آفتاب۔ آب و ہوا۔ پتھر۔ پیڑ اور جانور وغیرہ سب کو ایک ایک خدائی طاقت مانتے تھے۔ وہ اُن میں سے بہت سے دیوتاؤں کو بہت رحم دل سمجھتے تھے۔ ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے اُن کی پوجا کیا کرتے تھے۔ وہ کچھ دیوتاؤں کو بیرحم اور بُری عادتوں والا سمجھتے تھے۔ اس لئے اُن کو خوش کرنے کا طریقہ ہمیشہ اختیار کیا کرتے تھے۔ جوان ہونے پر لوگ تنہا مقام پر جا کر روزہ رکھتے تھے۔ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ خواب میں کوئی جانور دکھائی دے گا۔ اور وہی زمانہ مستقبل اُن کا رہبر ہوگا۔ ان دیوتاؤں کی بابت وہ متعدد قسم کی کہانیاں کہا کرتے تھے۔

پوجا اور عبادت کے لئے تو اُن کے پاس مندر اور گرجا نہ تھے۔ پوجا زیادہ تر ناچ کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ دیوتا اِس طرح کی پوجا سے خوش ہوتے ہیں۔ سال میں یہ لوگ مختلف اوقات میں خوشیاں مناتے تھے۔ مثلاً اناج پکنے نیز فصل کٹنے کے وقت بڑے زوروں کا جلسہ کیا جاتا تھا۔ اناج پکنے کے وقت کا جلسہ چار دن تک برابر ہوتا رہتا تھا۔ بہت طرح کی چیزیں بنا کر کھاتے تھے۔ ناچ کر لوگ خوشی مناتے تھے۔ دیوتا کی تعریف کرتے تھے کہ تمھاری مہربانی سے ہم کو پانی ملتا ہے اور غلّہ پک جاتا ہے۔ جلسوں کے آخر میں ایک آدمی گانا گاتا تھا۔ اور باقی سب لوگ اُسی کو دہراتے تھے۔ اُسوقت پجاری نہ تھے۔ کچھ لڑنے والے افسران جلسوں کے وقت مذہبی جلسوں کا انتظام کر دیا کرتے تھے۔

پتھر کے زمانہ کے بھولے انسان روزمرہ کی زندگی میں تفریح کا سامان بھی کافی تھا۔ اُن کے مذہبی تیوہاروں میں کافی کھیل کود بھی ہوا کرتے تھے۔ اسطرح کی تفریح سے لوگوں کو جماعت میں رہنے کی تعلیم ملتی تھی۔ اُن کے کھیلوں میں سب سے مشہور کھیل برچھا پھینکنے کا تھا۔ اس برچھے کو زمین پر گھماتے ہوئے گول پہیے کے اندر سے ہو کر پھینکنا پڑتا تھا:

برچھے کا دوسرا کھیل صرف اُس کا پھینکنا تھا۔ اس میں ہار جیت برچھے کی دوری پر منحصر تھی۔ اسکا ایک اور دلچسپ کھیل ایک چھڑی کو برف کے اوپر پھسلانا تھا۔ برچھے نیز برف پر پھسلانے والی چھڑی کی تصویر نیچے دی جاتی ہے۔

شادیاں۔ اس زمانہ میں جوان مرد اور عورتیں موجودہ زمانہ کی طرح شادیاں نہیں کرتے تھے۔ شادیاں اُن دنوں لڑکے اور لڑکی کی والدہ کے ذریعہ پکی کی جاتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ لڑکا اور لڑکی جلوسوں کے موقع پر ایک دوسرے سے واقف ہوجاتے تھے۔ شادیوں کی رسم بھی آجکل کی طرح نہ تھی۔ دلہن اپنی ماں اور کچھ دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے ہونے والے شوہر کے گھر جاتی تھی۔ دلہن کچھ اناج کی روٹیاں اپنے ساس کے گھر لیجاتی تھی یہ روٹیاں اُس بہو کی خانہ داری کی قابلیت ظاہر کرتی تھیں۔ اس کے بعد دولہے کی ماں دلھن کو کچھ شکار کی چیزیں دیتی تھی۔ یہ اُس کے لڑکے کے شکار میں مشاقی ظاہر کرتی تھیں۔ اسطرح کے تحفہ کے لین دین کے بعد شادی کی رسم پکی ہوجاتی تھی۔

پھسلنے والی چھڑی

برچھی

پتھر کے زمانہ کے بعد کے انسان کے بارے میں مندرجہ بالا مطالعہ کے بعد ہم مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ پہلے یہ کہ لوگ پتھر کے زمانہ کے پہلے کے انسان کی بہ نسبت زیادہ اچھی طرح زندگی گذارتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اُن کے ہتھیار نیز اوزار پہلے کی بہ نسبت بہت اچھے تھے۔ دوسرے یہ کہ لوگ اپنے خیالات کو ایک دوسرے کے پاس بڑی آسانی سے پہنچا سکتے تھے۔ اسطرح وہ مِل جُل کر سوچ سکتے تھے۔ اور جماعتی زندگی کو آرام دہ بنا سکتے تھے۔ اور ترقی دیسکتے تھے۔ تیسرے یہ کہ میل جول ہونے کے باعث اُن میں اجتماعی زندگی کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔ بہت سے لوگ ایک ساتھ مل کر شکار کرتے، مچھلی مارتے، کھیتی کرتے، نیز لڑائی کرتے تھے۔ چوتھے اُن کے مذہبی خیالات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُن کو اچھے بُرے کی پہچان تھی اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ مناسب اور غیر مناسب کاموں کا کیا اچھا یا خراب نتیجہ ہوگا اسلئے یہ ثابت ہوا کہ پتھر کے زمانہ کے بعد کا انسان اپنے بزرگوں کی بہ نسبت بہت شایستہ اور مہذب ہوگیا تھا۔

تفریق

از جناب پرکاش چندر ماتھر بی۔ایس سی ایل۔ٹی

گزٹ کے پہلے حصّے میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ایک ہی قسم کے مختلف ہندسوں کی اشیاء کے مجتمع کرنے کا نام جمع (جوڑ) ہے۔ اسکے برعکس ایک قسم کی چیزوں کے ڈھیر میں سے کچھ چیزیں نکالنے کا نام تفریق ہے۔ یہ بات اور ہے کہ یہ تفریق مرئی چیزوں کی ہو یا صرف فرضی۔ اس تعریف سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ تفریق کا عملی طریقہ، جمع کے عملی طریقہ سے بالکل برعکس ہے۔

تفریق کے پہلے سبق میں ہم مندرجہ بالا تعریف کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسکے لئے ہم امدادی سامان استعمال میں لاتے ہیں۔

۱ ۲ ۳ ۴ ۵

۶ ۷ ۸ ۹

۱ ۲ ۳ ۴

مدرس کچھ پھول (۷) میز پر رکھے اور کسی بچے سے کہے کہ اُن میں سے تین پھول اُٹھائے۔ اب وہ بچوں سے پوچھے کہ "میز پر اب کتنے پھول باقی رہے؟" اس کے جواب کے لئے مدرس ایک بچے کو بلائے اور میز پر باقی بچوں ست پھولوں کو گننے کے لئے کہے۔ اسطرح سے وہ بچہ اس تفریق کے عملی طریقے کا جواب چار بتلائے گا۔ مدرس کو اس قسم کی مشاقی و مہارت مختلف اشیاء سے اور بذریعہ سامان امدادی بخوبی کرانا چاہیئے۔
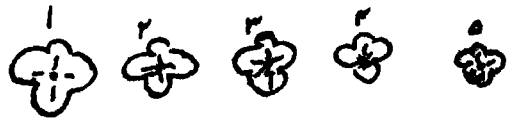
بعدہٗ ہم تدابیر عمل میں لاتے ہیں کہ بچے اس بات کو بخوبی سمجھ جائیں کہ طریقہ 'تفریق' جوڑنے کے طریقے سے بالکل برعکس ہے۔ مدرس کچھ پھول (۵) میز پر رکھدے اور پھر بچوں سے دریافت کرے "ان میں ہم کتنے پھول اور ملادیں کہ کل نوٗ پھول ہو جائیں؟" اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ بچے خود پھول ملاکر اور گن کر دیکھیں۔ بچہ ایک ایک پھول ڈالتا جاتا ہے "چھ، سات، آٹھ، نو" اور اسطریقے سے نوٗ تک پہنچ جاتا ہے۔ بعدہٗ وہ مشمولہ پھولوں کو جو کہ پہلے پھولوں سے الگ رکھے جاتے ہیں گنتا ہے۔ "ایک، دو، تین، چار" اسطرح سے اُس کے سوال کا جواب 'چار' ملتا ہے۔

تفریق کی اس ابتدائی تعریف نیز عملی طریقہ پر اب ہم بچوں کو کچھ کھیل کھلاتے ہیں۔ درجہ کو ہم دو غیر مساوی

حصّوں میں منقسم کر دیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ پہلی ٹولی میں پندرہ بچے اور دوسری ٹولی میں نو بچے ہیں۔ چھوٹی ٹولی کے بچے ۱، ۲، ۳ ــ ــ ــ ۹ اس طرح پر گنتے ہیں بعدہٗ بڑی ٹولی والے بچے۔ ۱، ۲، ۳، ۴ ــ ــ ــ ۹ تک گنتے ہیں اور جیسے ہی ۹ ختم ہوتا ہے۔ بقیہ بچے ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ ــ ــ اس طرح گنتے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ ٹولی کے باہر آتے جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر دسواں بچہ بجائے ایک کہنے کے دس کہدے تو یہ ٹولی ہار جاوے گی اور اُس ٹولی کو چھوٹی ٹولی بنایا جائے گا۔

آخر میں ہم بچوں کو تفریق کا عملی طریقہ شروع کراتے ہیں اور اشیائے مزدوری کی جگہ ہم کاغذ پر کھنچی شکلوں تیر خطوط کا استعمال کرتے ہیں۔ اور انھیں خطوط کو ایک ایک کاٹ کر ہم طریقۂ عملی کو پیدا کرتے ہیں۔ بطور مثال اگر بچوں سے یہ سوال کیا جائے کہ موہن کے پاس سات سنترے تھے اور ان میں ۴ سنترے سوہن کو دیدئے گئے بتاؤ اس کے پاس کتنے سنترے باقی بچے؟ اس سوال کو مندرجہ ذیل طریقہ پر حل کیا جائے۔

بچے	سنترے
موہن	۷
سوہن	۴
باقی بچے	۳

جب بچے تفریق کے ... تو خطوط کھینچ کر تفریق کا یہ طریقہ ... جائے۔

تفریقی اجزا :- جس طرح پر جمعی اجزا ضروری ہی نہیں بلکہ لازمی ہے اُسی طرح پر تفریق کا طریقہ سمجھانے اور استعمال میں لانے کے لئے تفریق کے اجزائے ترکیبی جاننا بچوں کے لئے بہت ہی ضروری بالبدیہی ہے۔ تفریق کے ۴۵ اجزائے ترکیبی ہیں جو جمع کے اجزائے ترکیبی کی طرح ۶ اسباق میں منقسم کئے جا سکتے ہیں۔ ہر ایک سبق کو بالترتیب لینا چاہئے۔ یہ اجزا مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ترتیب اول۔

۱۰ ۱۰ ۱۰ ۱۰ ۱۰ ۱۰ ۱۰ ۱۰ ۱۰
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹

۲۔ ترتیب دوم

۱۱ ۱۱ ۱۱ ۱۱ ۱۱ ۱۱ ۱۱ ۱۱
۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹

۳۔ ترتیب سوم

۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲
۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹

۴۔ ترتیب چہارم

۱۳ ۱۳ ۱۳ ۱۳ ۱۳ ۱۳
۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹

ترتیب پنجم :-

۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴
۵	۶	۷	۸	۹

ترتیب ششم :-

۱۵	۱۵	۱۵	۱۵
۶	۷	۸	۹

ترتیب ہفتم :-

۱۶	۱۶	۱۶
۷	۸	۹

ترتیب ہشتم :-

۱۷	۱۸
۸	۹

ترتیب نہم :-

۱۸
۹

یہ نو ترتیبیں بحسن و خوبی چھ اسباق میں ذہن نشین کرائی جا سکتی ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ بچے یہ اجزائے ترتیبی از خود بنا دیں۔ یہ کام بذریعہ سامان امدادی بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ بطور مثال ترتیب اول بنانے کے لیے بچے دس کوڑیاں یا گولیاں لیں اور اُن میں سے بالترتیب ۱، ۲، ۳، ۴ ــ ــ ــ ۹ گولیاں نکالکر گنتے جاویں کہ کتنی گولیاں باقی بچیں اور نتائج کو بچے لکھتے جائیں اور اس طرح سے اس کے اجزائے ترتیبی کل کے کل، بچے از خود تیار کر سکتے ہیں۔ ہر ایک ترتیب میں اُلٹے سیدھے اجزاء اگر ساتھ ساتھ یاد کرائے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ بطور مثال ۱۰-۹ = ۱ اور ۱۰-۱ = ۹ دونوں ساتھ ساتھ سکھانے سے ہر ترتیب میں صرف نصف اجزاء رہ جائیں گے۔ نیز ان کی تعداد بھی کم ہو جائے گی۔ پنجم اور ششم ترتیب کو ایک سبق میں بآسانی بڑھایا جا سکتا ہے۔ اور اسطرح سے کل چھ اسباق پڑھانے سے سب اجزائے ترتیبی یاد ہو جاتے ہیں۔

اجزائے ترتیبی کو یاد کرانے میں امداداً ہم بچوں سے متعدد کھیل کرا سکتے ہیں۔ بطور نمونہ صرف دو کھیل ہم ذیل میں دیتے ہیں۔

کھیل ۱۔ مدرس تختہ سیاہ پر کچھ اجزائے ترتیبی لکھ دے اور جماعت کو دو حصّوں میں منقسم کر دے۔ دونوں ٹولیوں کا ہر ایک لڑکا باری باری تختہ سیاہ تک دوڑتا ہوا آئے اور ایک ایک جز کا جواب لکھتا جائے۔ اگر اس کا جواب ٹھیک ہے تو اپنی جگہ واپس جائے ورنہ اپنی ٹولی سے الگ بیٹھے۔ آخر میں جس ٹولی میں زیادہ بچے باقی بچائیں وہی ٹولی جیتی ہوئی مانی جائے گی۔ اس ترکیب سے مدرس پورے اجزائے ترتیبی کو باری باری تختہ سیاہ پر لکھتا جائے۔

کھیل ۲۔ اب مدرس بقیہ اجزائے ترتیبی کو تختہ سیاہ

تھے اور پہلے کی طرح جماعت کو دو برابر حصوں میں منقسم کردے۔ اب کی مرتبہ بچے اپنے مقام ہی سے اجزائے ترتیبی کے جواب بتائیں۔ اس موقع پر مدرس مقرر کردے کہ ہر ایک بچے کے ٹھیک ٹھیک جواب پر وہ اس کی ٹولی کو کچھ نمبر دے گا اور وہ ان نمبروں کو ہر ٹولی کے خانوں میں لکھتا جائیگا۔

ٹولی نمبر۱	ٹولی نمبر۲
۳	۳
۳	۳
۳	۳
۳	۳
۳	۳
۳	
۳	
۲۱	۱۵

بطور مثال اگر ہر صحیح جواب کے ۳ نمبر مقرر ہوں اور پہلی ٹولی کے ۷ بچے اور دوسری کے ۵ بچے صحیح جواب بتا سکیں تو ان ٹولیوں کو بالترتیب ۲۱، ۱۵ نمبر ملیں گے جب دونوں ٹولیوں کے سب بچے جواب دے چکیں تو مدرس ہر ٹولی کے ایک ایک بچے کو بتلائے اور ان سے کہے کہ اپنی اپنی ٹولیوں کے نمبر جوڑو۔ جس ٹولی کے زیادہ نمبر ہوں وہی ٹولی جیتی مانی جائے گی۔ اس موقع پر مدرس بچوں سے مندرجہ ذیل سوالات کرے۔

۱۔ کس ٹولی کے زیادہ نمبر ہیں؟

۲۔ دونوں ٹولیوں کے نمبر میں کیا فرق ہے؟

۳۔ دوسری ٹولی کے نمبروں میں کتنے نمبر اور جوڑ دے جائیں کہ وہ پہلی ٹولی کے نمبروں کے برابر ہو جائے۔

اجزائے ترتیبی کی تفصیل:۔ جمع کے اجزائے ترتیبی کی تفصیل میں بچوں کی جس کمزوری کو بتایا گیا ہے وہ تفریق کے اجزائے ترتیبی میں بھی موجود ہوتی ہے۔ بطور مثال جو لڑکے ۱۵-۶ کا جواب جلدی ہی سے دے سکتے ہیں وہی ۴۵-۶ کا جواب بتلانے میں کمزور رہ جاتے ہیں۔ مدرس کو چاہئے کہ وہ جمع کے اجزائے ترتیبی کی تفصیل کی طرح تفریق کے ۴۵ اجزائے ترتیبی کی مشق و مہارت بھی بچوں سے کرائے۔ یہ ترتیب مندرجہ ذیل ہے۔

۱۰، ۲۰، ۳۰ وغیرہ ۹۰ میں سے ۹ سے لیکر ایک تک تفریق کرنا۔ ۔۔۔ ۹ اجزائے ترتیبی

۱۱، ۲۱، ۳۱ وغیرہ ۹۱ " " " دو تک تفریق کرنا ۔۔۔ ۸ اجزائے ترتیبی

۱۲، ۲۲، ۳۲ وغیرہ ۹۲ " " " تین تک تفریق کرنا ۔۔۔ ۷ اجزائے ترتیبی

۔۔۔۔ ۶ اجزائے ترتیبی، ۵ اجزائے ترتیبی، ۴ اجزائے ترتیبی، ۳ اجزائے ترتیبی، ۲ اجزائے ترتیبی وغیرہ ۹۸ میں سے ۹ تفریق کرنا۔ ایک اجزائے ترتیبی۔ اس طریق سے کل ۴۵ اجزائے ترتیبی ہوئے۔

یہاں بچوں میں یہ عادت ڈالنی ہے کہ ان کو ۴۵-۶ کو دیکھتے ہی نو اکائیوں اور تین دہائیوں کی پوری معلومات دماغ میں آجائے اور وہ فوراً ۳۹ جواب دے سکیں۔ مدرس کو

واجب ہے کہ وہ اِن اجزائے ترتیبی کی تفصیل کی پوری پوری مشق بچوں کو بخوبی کرادے۔

اس ضمن میں مندرجہ ذیل تین قسم کے سوالات ہوں گے:۔

اجزائے ترتیبی کی مشق و مہارت کرانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اُن کی بنیاد پر بچوں سے زبانی سوالات کرائیں۔ ایسے سوالات کی عام طور سے تین صورتیں ہو سکتی ہیں جو حسب ذیل ہوتی ہیں۔

۱۔ سات میں سے چار نکالنے سے کتنے باقی بچینگے؟

۲۔ سات سے چار کتنا کم یا زیادہ ہے؟

۳۔ چار میں کتنا ملائیں کہ سات ہو جائے؟

تفریق کے سبق کی بسم اللہ کرانے میں ہم ایسے زبانی سوالات کو استعمال میں لاسکتے ہیں جو کہ مندرجہ بالا تین صورتوں میں سے کوئی بھی ایک صورت ہو۔ اور پھر اس کے ماتحت ہمارا پورا سبق ہوگا۔

بغیر حاصل تفریق:۔ جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بچوں کو ریاضی کے کسی بھی عمل کو تجربہ میں لاکر بتلانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ ہم امدادی سامان کے ذریعہ اُن کو اُس عمل کا ضروری تعلق نیز مناسبت سمجھادیں۔ تفریق کے اجزائے ترتیبی ذہن نشین ہو جانے کے بعد ہم بچوں کو ۲، ۳ ، ۴ والے ہندسوں کے تفریق کرانے کی شروعات کرا تے کرا لیتے ہیں۔ پہلے ہم صرف وہی ہندسے لیتے ہیں جن کے تفریق کرنے میں حاصل نہ آئے۔ بعدہ ہم حاصل والے ہندسے لیتے ہیں۔ بطور مثلہ ہم تین ہندسے والے اعداد کی تفریق کرلیں گے اور جن کے منہا کرنے میں حاصل نہ لگے۔ یہاں پر ہم مٹی کے اُس امدادی سامان کو عمل میں لاتے ہیں جس کا ذکر ہم گزٹ کے گذشتہ پرچوں میں کرتے آئے ہیں۔ ہمارا مطلب سیکڑے کے چوکور اور دہائی کی تیلیوں اور اکائی کی گولیوں سے ہے۔ اس سبق میں صرف دو بچے حصہ لیتے ہیں اور درجہ کے بقیہ طلبہ اپنی جگہ پر سے بیٹھکر دیکھتے ہیں۔ بطور امثال اگر ہمیں ۳۴۷ میں سے ۱۲۵ منہا کرنا ہے تو پہلا بچہ سیکڑے کے تین چوکور، دہائی کی چار تیلیاں اور اکائی کی سات گولیاں لاوے گا اور دوسرا بچہ اسمیں سے ایک سیکڑہ، دو دہائیاں اور پانچ اکائیاں نکال لے گا۔ اسطرح عملی تفریق کا طریق تعلیم پورا ہو جاوے گا۔

اب پہلا بچہ گن کر یہ بتلاوے گا کہ اُس کے پاس دو سیکڑے، دو دہائی اور دو اکائی بچیں اور اس طرح سے تفریق کرنے کا نتیجہ ۲۲۲ ہوا۔ اس سبق کا اعادہ نیز مشق ہم مختلف ہندسے لیکر الگ الگ بچوں سے کرا سکتے ہیں بعدۂ ہم بچوں کو تفریق کے عمل کی مشق کرائیں گے۔ اجزائے ترتیبی کا بحسن و خوبی مہارت کر چکنے کے بعد یہ کام بہت ہی آسان اور سہل ہو جاتا ہے۔ بچے گزشتہ سبق میں یہ دیکھ چکے ہیں

کہ اکائی میں سے صرف اکائی، دہائی میں سے دہائی اور
سیکڑے میں سے سیکڑہ نکالا جاسکتا ہے۔ اس بات کو ہم
بچوں کو بخوبی ذہن نشین کرانے کی تدابیر عمل میں لاوینگے
اُن کو یہ بتلایا جاوے گا کہ جب ہم ایک عدد میں سے
دوسرے عدد کو منہا کرتے ہیں تو ان کو ایک دوسرے کے
نیچے اس طرح رکھتے ہیں کہ اکائی کے نیچے اکائی دہائی کے
نیچے دہائی اور سیکڑے کے نیچے سیکڑہ آئے۔ مدرس تختہ سیاہ پہ
ایک ایسا سوال کرکے دکھلائے جیساکہ بطور نمونہ ذیل میں ہے۔
۵۸۴ میں سے ۳۵۲ تفریق کرنا ہے تو مدرس
تختہ سیاہ پہ اس طرح لکھیں گے۔

۵ ۸ ۴
۳ ۵ ۲
۲ ۳ ۲

بعدہٗ مدرس بچوں سے کہے کہ وہ اکائی میں سے
اکائی منہا کرکے اکائی کے نیچے اور دہائی میں سے دہائی نکالکر
دہائی کے نیچے اور سیکڑہ میں سے سیکڑہ نکال کر سیکڑے کے
نیچے رکھیں گے۔ اس کے لئے مدرس بچوں کو اجزائے ترتیبی
کی یاد دلاکر پوچھے، مثلاً چار میں سے دو نکالنے سے کیا بچتا
ہے؟ اس کے جواب میں بچے دو کہیں گے اور مدرس
اکائی کے نیچے دو کا ہندسہ لکھ دے۔ اس طرح سے
دہائی اور سیکڑے کا گھٹانا پیدا کرے۔ اور پھر پوچھے دو
سیکڑہ تین دہائی، دو اکائی کتنا ہوا؟ اس کا جواب
بچے ۲۳۲ دیں گے اور یہی اس تفریق کا جواب ہوا۔ اس
طریقہ کی مشق مدرس مختلف اعداد و ہندسے کے ذریعہ
کرائے۔ اب مدرس کو چاہیے کہ وہ مشق کے لیے عبارتی
سوالات کرائے جوکہ اوپر بتلائے ہوئے نمونوں کے حل
جیسے کہ پہلے بتلایا جاچکا ہے۔ یہ سوالات بچوں کے ماحول
اور تجربات کے مطابق ہونا چاہئیں۔

بطور نمونہ تین سوالات ذیل میں دئے جاتے ہیں۔

۱۔ ایک ٹوکری میں ۴۷۶ امرود ہیں ان میں سے
۱۵۲ امرود نکال لئے گئے۔ اب بتلاؤ کہ ٹوکری میں کتنے امرود بچے؟

۲۔ کریم ایک دن میں ۱۴۵ گز سوت کاتتا ہے۔ اور
عبدل ۱۳۰ گز۔ بتاؤ عبدل سے کریم کتنا زیادہ سوت کاتتا ہے؟

۳۔ رام کے پاس ۲۳۴ روپیہ ہیں وہ کتنے روپئے اور
جمع کرے کہ اس کے ۵۴۶ روپیہ ہو جائیں؟

بغیر حاصل والے تفریق کی مشق ہو جانے کے بعد ہم
ایسے ہندسوں کے تفریق کرنے کی شروعات کرتے ہیں جنہیں
کہ حاصل لگے۔ اس کے لئے بھی ہم سٹی کے امدادی سامان
کو عمل میں لاتے ہیں۔ پہلے ہم صرف دو ہندسوں والے
اعداد لیتے ہیں۔ بطور نمونہ فرض کرو اگر یہ دو اعداد ۴۲ اور
۲۳ لیں تو ایک بچہ دہائی کی چار تیلیاں اور اکائی کی دو
گولیاں اُٹھائے گا۔ اور دوسرا بچہ اس سے دو دہائی اور

تین اکائی ملنے کے بعد تیسرے بچے کے پاس صرف دو اکائیاں ہیں۔ اس لئے وہ اپنی چار دہائی میں سے ایک دہائی تیسرے بچے سے بھنائے گا۔ جس کا کام صرف بھنانا ہوگا۔ یہ بچہ پہلے بچے سے دہائی کی ایک تیلی لے گا۔ اور اسکے بدلے میں اس کو دس اکائی کی گولیاں دے گا۔ اس طریق سے بچے حاصل کا طریق عمل دیکھ کر بخوبی سمجھ سکیں گے۔ اب پہلے بچے پاس ۱۰ + ۲ یعنی ۱۲ گولیاں ہو جائیں گی وہ ان میں سے تین گولیاں دوسرے بچے کو دے گا۔ اور اُس کے پاس ۹ اکائیاں بچ جائیں گی۔ اس کے علاوہ پہلا بچہ دوسرے بچہ کو دو دہائیاں بھی دے گا۔ اور اس طریقے سے اس کے پاس ایک دہائی بچ رہے گی۔ اب پہلا بچہ درجہ کو یہ بتلائے گا کہ اُس کے پاس ایک دہائی اور نو اکائیاں بچیں اور اس طریقہ سے گھٹانے کا نتیجہ ۱۹۰ ہوا۔

حاصل لگنے والے گھٹانے کے سوالوں میں اکثر دو طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر ہمیں ۳۴ میں سے ۱۸ گھٹانا ہے تو ہم اُسکو دو طریقوں سے کر سکتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم تین دہائیوں میں سے ایک دہائی بھنالیں اور اس طریقہ سے ۱۴ اکائیوں میں سے ۸ اکائیاں نکال لیں۔ یہ طریقہ جو کہ انگریزی میں "ڈکمپوزیشن میتھڈ" (Decomposition Method) کہلاتا ہے۔ شروع میں انفینٹ درجہ کے لئے زیادہ مفید ہے۔ آگے چل کر جب ہم بڑے عدد کو کام میں لاتے ہیں، تب یہ طریقہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ۴۰۰ میں سے ۱۸ گھٹانا ہو تو پہلے ایک سیکڑے کو دہائیوں میں اور پھر ایک دہائی کو اکائیوں میں بھنانا پڑتا ہے اس طرح سے جب یہ عدد ۴۰۰۰۰۰ ہوتا ہے تو اس عمل کا استعمال اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دراصل اس طریقہ کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے۔

دوسرے عمل میں ہم اوپر اور نیچے کے اعداد میں دس جوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح سے ۳۴ کا ۴ چودہ اور ۱۸ کی ایک دہائی دو دہائیاں ہو جاتی ہیں۔ اسے ہم برابر جوڑ کا عمل یا "Equal Addition Method" کہتے ہیں۔ پہلے عمل کے مقابلہ میں اس عمل میں دو خوبیاں ہیں۔ (۱) اس میں ہم جوڑتے ہیں جو گھٹانے کے مقابلہ میں زیادہ سہل ہے۔ (۲) اسمیں حاصل فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا بتایا جا چکا ہے یہ دوسرا عمل پہلے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔ اور انفینٹ درجہ کے بعد پہلے عمل کے بمقابلہ یہ بخوبی استعمال ہو سکتا ہے۔

اس دوسرے عمل کو بخوبی سمجھنے کے بعد بچوں کو چاہیے کہ وہ اس کی کافی مشق کریں۔ مثلاً اگر بچہ کو ۳۴ میں سے ۱۸ گھٹانا ہو تو اسکو اتنی مشق ہونی چاہیے کہ وہ ان اعداد کو دیکھتے ہی ۴ کا چودہ پڑھے اور سوچے کہ اسے ۸ میں [illegible]

۔ گھٹانا ہے اسکی مشق کے لئے مدرس تختہ سیاہ پر ایک بڑا سا سوال اس طرح سے لکھے:۔

٨٣٢٥٦٤٧٠٣١٣٥٦٤٠٧
٢٧٦٨٩٥٨١٤٣٥٦٠٦٩٨

پہلے ہندسہ کو چھوڑ کر اوپر والے عدد کا ہر ایک ہندسہ نیچے والے عدد کے ہر ایک ہندسہ سے چھوٹا ہے اس لئے ہمیں ہر ہندسہ میں ۱۰ جوڑنا ہے۔ بچوں کو اتنی مشق ہو جانی چاہئے کہ وہ بنا سوچے اوپر والے عدد سے ہر ایک ہندسہ میں دس ملا کر پڑھے۔ اس طریقہ سے ۷، ۸، ۲ ۔۔۔ وغیرہ پڑھنے کے بجائے وہ ۱۷، ۱۸، ۱۲ ۔۔۔ اسی طریقہ سے پڑھے۔ اس کے بعد وہ یہ مشق کرے کہ وہ فوراً سوچ سکے انھیں ۱۷ میں سے ۸ و ۱۸ میں سے ۱۰ و ۱۲ میں سے ۷ ۔۔۔ وغیرہ گھٹانا ہے۔ اس مشق میں دراصل گھٹانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

آخیر میں بچوں کو ایسے اعداد کے گھٹانے کی مشق کرانی ہے جنکے گھٹانے میں حاصل صرف کہیں کہیں لگے مثلاً

٩ ٦ ٠ ٣ ٨٠ ٥ ٢ ٧ ٥ ٣ ٣ ٥ ١ ٤ ٨
٣ ٧ ١ ٢ ٩ ٨ ٠ ٧ ٠ ٨ ٢ ٨ ٦ ٠ ٩ ٤

اس کے بعد جب بچوں کو اس کی مشق ہو جائے تب وہ گھٹانے کی مشق شروع کریں۔

"تتلی"

دوسرا حصہ۔ مٹی کے برتن بنانا

(گذشتہ سے پیوستہ)

(از جناب سیتارام نگم۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ الٰہ آباد)

تتلی دھیرے دھیرے بالکل اچھی ہوگئی اور اسکی کمزوری جاتی رہی۔ اب وہ پھر پہلے کی طرح کھیلنے کودنے لگی۔ صبح جب وہ سوکر اٹھتی تو اس کی ماں اسے رنگین جالی والا لبادہ پہنا دیتی۔ اس رنگین لبادے کو پہنکر [illegible] ایک ڈیرے سے دوسرے ڈیرے پر اڑ جاتی۔

وہاں جاکر وہ دوسرے چھوٹے لڑکے اور لڑکیوں کیساتھ گھنٹوں کھیلا کرتی۔ اب اسکے بہت سے ساتھی ہوگئے تھے۔ یہ سب بچے دن بھر کھیلا کرتے تھے۔ جب ان کو بھوک لگتی تو وہ اپنے ڈیروں میں آجاتے تھے اور کھاپی کر پھر کھیلنے چلے جاتے تھے۔

اس طرح کھیلتے کودتے بہت دن گذر گئے۔
آہستہ آہستہ یہ بچے کھیلتے کودتے اپنے ڈیروں سے دور
بھی جانے لگے۔ ایک دن یہ لوگ کھیلتے کھیلتے ندی کے کنارے
جا پہنچے۔ یہ ندی اس بڑے گھاس کے میدان میں بہتی
تھی۔ اس ندی کے کنارے بہت دور تک بالو پھیلی
تھی۔ اس بالو کو دیکھ کر بچے بہت خوش ہوئے۔ وہ ریت پر
بیٹھ کر کھیلنے لگے۔ کھیلتے کھیلتے وہ ندی کے کنارے پہنچے۔
وہاں ان کو گیلی مٹی ملی۔ بچے اب گیلی مٹی سے کھیلنے لگے۔
گیلی مٹی سے وہ طرح طرح کی چیزیں بنانے لگے۔ کسی نے
مٹی کا گولا بنایا۔ کسی نے مٹی کا نوکیلا بھالا بنایا۔ تتلی بھی
دوسرے بچوں کو طرح طرح کی چیزیں بناتے دیکھ کر تھوڑی
سی گیلی مٹی اٹھا لائی۔ وہ کچھ دیر تک گیلی مٹی اپنے
ہاتھ میں لئے رہی اور کچھ سوچتی رہی۔ پھر وہ اس گیلی مٹی
سے کچھ بنانے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اپنی چیز بنا چکی
تو وہ اپنے دیگر ساتھیوں کو دکھا کر کہنے لگی۔ "دیکھو! میں نے
مٹی کا گھوڑا بنایا ہے" سب بچے یہ سن کر تتلی کے چاروں طرف
جمع ہو گئے۔ تتلی اسے اپنے ساتھیوں کو دکھا کر کہنے لگی۔
"دیکھو یہ اس کے چاروں پیر ہیں۔ یہ اس کا منھ ہے۔
یہ اس کی گردن ہے اور دیکھو! یہ اس کی پونچھ ہے۔" لڑکے
اس انوکھے گھوڑے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ وہ بھی
مٹی کا گھوڑا بنانے لگے۔ بہت دیر تک وہ وہاں کھیلتے رہے

پھر اپنے اپنے ڈیروں پر لوٹ آئے۔
گیلی مٹی سے طرح طرح کی چیزوں کے بنانے کا کھیل
ان بچوں کو بہت پسند آیا۔ اب وہ روز ندی کے کنارے
جانے لگے اور مٹی کے کھلونے بنانے لگے۔ کوئی گائے بناتا
تو کوئی گھوڑا۔ کوئی پتھر کے بھالے کی طرح مٹی کا بھالا بناتا تو
کوئی پتھر کے پیالے کی طرح مٹی کا پیالا۔ اس طرح وہ قسم قسم
کی چیزیں بناتے جن کو وہ اکثر دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن
تتلی نے مٹی کی گائے بنائی جب وہ لوٹنے لگی تو اسے اپنے
ساتھ لیتی آئی۔ ندی کے کنارے کی ریت کو پار کرکے
جب وہ میدان میں آئی تو ہری ہری گھاس کو دیکھ کر
ایک خیال اسکے دل میں آیا۔ اس نے اس مٹی کی گائے
کو گھاس پر کھڑا کر دیا اور کہا۔ "اے میری پیاری گائے!
تو یہ ہری ہری گھاس چر۔ کل جب میں یہاں آؤں گی
تو میں تجھے پھر ملوں گی۔ تب تک تو یہ گھاس چر کر خوب
موٹی ہو جانا" یہ کہہ کر وہ دوسرے بچوں کے ساتھ اپنے
ڈیرے کو چلی آئی۔
دوسرے دن پھر بچے کھیلنے کو نکلے۔ تتلی بھی انکے
ساتھ چلی۔ ہنستے کھیلتے بچے ندی کی طرف بڑھے۔
چلتے چلتے وہ اسی مقام پر پہنچے جہاں کل تتلی نے اپنی
مٹی کی گائے ہری ہری گھاس پر کھڑی کر دی تھی۔ تتلی نے
اپنی گائے کو دیکھ کر اسے اٹھا لیا۔ تتلی کی گائے گھاس چر کر

سوکھی تو نہیں ہوئی تھی لیکن اس گگّے میں ایک تبدیلی ضرور ہو گئی تھی۔ دھوپ میں رکھے رہنے کی وجہ سے گیلی مٹی سوکھ گئی اور سخت ہو گئی۔ اس لئے اب تتلی کی گگّے کڑی اور مضبوط ہو گئی تھی۔ یہ گگّے سب بچوں کو بہت پسند آئی۔ آج جب ندی کے کنارے جا کر اُنھوں نے مٹی کے کھلونے بنائے تو اُنھوں نے بھی اپنے کھلونوں کو گھاس پر رکھ دیا۔ دوسرے دن وہ اُس جگہ پر پھر آئے تو ان کے کھلونے بھی سوکھ کر سخت ہو گئے تھے۔ اب جب وہ مٹی کے کھلونے بناتے تو اُنھیں گھاس پر سوکھنے ضرور رکھ دیتے تھے۔ جب وہ سوکھ جاتے تو اُنھیں اپنے ڈیروں پر اُٹھا لاتے تھے۔ اس طرح ان لوگوں کے پاس بہت سے مٹی کے کھلونے ہو گئے تھے۔ جس سے وہ دن بھر کھیلا کرتے تھے۔ کبھی کبھی گر کر یہ کھلونے ٹوٹ بھی جاتے تھے تب اُنھیں بہت افسوس ہوتا تھا۔

اس طرح کھیلتے کودتے تتلی کے دن گذر رہے تھے۔

ایک دن بُڈھے کاکا کے کہنے کے مطابق رات کو میدان میں پھر آگ جلائی گئی۔ تھوڑی دیر میں اُس سے اونچی لپٹے نکلنے لگی۔ بڈھے کاکا نے سب ڈیرے والوں سے اپنے چوپایوں میں سے ایک ایک چوپایہ لانے کو کہا۔ سب ڈیرے والے ایک ایک جانور لے آئے۔ بوڑھے کاکا نے اپنی تیز کلہاڑی سے سب کا سر دھڑ سے جدا کر دیا اور ان سروں کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ تتلی و دوسرے بچے نزدیک ہی بیٹھے اپنے مٹی کے کھلونوں سے کھیل رہے تھے۔ کسی کے پاس گائے تھی تو کسی کے پاس بلی۔ کسی کے پاس مٹی کا کتا تھا تو کسی کے پاس مٹی کا گھوڑا۔ جب اُنھوں نے بوڑھے کاکا کو جانوروں کے سروں کو آگ میں ڈالتے دیکھا تو اُنھوں نے بھی دیکھا دیکھی اپنے گھوڑوں و گایوں کو جلتی ہوئی آگ میں چھوڑ دیا۔ تتلی نے بھی اپنی گائے جلتی ہوئی آگ میں ڈالدی جب بوڑھے کاکا نے آگ کی دیوی کی پرارتھنا کرنے کو کہا تو بچے بھی سب لوگوں کے ساتھ زور زور سے کہنے لگے۔ ”ہے آگ کی دیوی! ہم پر رحم کر۔ ہم پر اور ہمارے بچوں پر مہربان ہو۔ ہم کو نہ ستا۔“ یہ پرارتھنا سن کر بچوں نے بھی کہا۔ ”ہے آگ کی دیوی! ہم پر رحم کر۔ ہم پر اور ہمارے بچوں پر مہربان ہو۔ ہم کو نہ ستا۔“ یہ دعا کئی بار کرائی گئی۔ بچوں نے بھی اسے کئی بار دہرایا۔ یہ پرارتھنا ہو جانے کے بعد بہت دیر تک ناچ و کھیل ہوتے رہے۔ بچے بھی یہ تماشے بہت دیر تک دیکھتے رہے۔ پھر سو گئے۔

دوسرے دن تتلی کا باپ تتلی کو لے کر اپنے ڈیرے سے بوڑھے کاکا کے ڈیرے جا رہا تھا راستے میں میدان پڑتا تھا۔ چلتے چلتے یہ دونوں اُس مقام پر پہنچے جہاں کل رات کو آگ کی دیوی کی پوجا کی گئی تھی۔ آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ وہاں صرف کچھ راکھ پڑی تھی تتلی کی نظر اس آگ کے ڈھیر پر پڑی۔ اُسے اس

راکھ کے ڈھیر میں کوئی لال لال چیز دکھائی پڑی۔ وہ ڈھیر کے پاس گئی اور اُس چمکتی ہوئی چیز کو دیکھ کر چلاکر کہنے لگی۔" اہا۔ میری گائے! اور جھک کر اس نے اُسے اُٹھالیا۔ سچ مچ یہ چیز اُس کی مٹّی کی گائے تھی جسے اُس نے کل رات کو جلتی ہوئی آگ میں چھوڑ دیا تھا۔ یہ مٹّی کی گائے آگ میں پک کر لال ہوگئی تھی۔ تتلی کے باپ نے جب اُس گائے کو دیکھا تو اُسے بڑا تعجب ہوا۔ یہ مٹّی کی گائے آگ میں پک کر پتھر کی طرح سخت ہوگئی تھی۔ چونکہ اُس نے تتلی کی گائے دیکھی تھی اور کل اُسے جلتی ہوئی آگ میں چھوڑتے دیکھا تھا۔ اس لئے اُسے یقین ہوگیا کہ آگ میں پڑے رہنے کی وجہ سے ہی مٹّی کی گائے پتھر کی طرح ہوگئی ہے۔ اُس نے مٹّی کی راکھ کو ہٹایا تو اُس میں کئی ایک مٹّی کے کھلونے نکلے۔ سب آگ میں پک گئے تھے اور پتھر کی طرح سخت ہوگئے تھے۔ اُس نے ان کھلونوں کو اُٹھالیا اور لاکر ڈیرے والوں کو دکھایا۔ اُنھیں دیکھ کر ڈیرے والے بہت خوش ہوئے

تتلی کے باپ نے کہا۔" ہمیں پتھر کے پیالے بنانے میں بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ایک پیالہ کئی دن میں تیار ہوپاتا ہے۔ اب آپ نے دیکھ لیا کہ مٹّی کے کھلونے آگ میں پڑے رہنے سے پتھر کی طرح ہوگئے۔ اب ہم گیلی مٹی کا پیالہ بناکر سکھالیں گے اور پھر آگ میں پکالیں گے۔ اس طرح سے آسانی سے پیالہ بن جائے گا۔"

اُسنے ایسا ہی کیا۔ وہ ندی کے کنارے گیا اور وہاں سے تھوڑی گیلی مٹّی لے آیا۔ اس گیلی مٹّی سے اُس نے کئی ایک پیالے بنائے اور اُنھیں سوکھنے کو رکھدیا۔ جب وہ سوکھ گئے تو اُس نے پتیوں اور لکڑیوں کو جلاکر آگ بنائی اور ان میں پیالوں کو رکھ دیا۔ جب آگ جل کر ٹھنڈی ہوگئی تو اُس نے ان پیالونکو اپنے ساتھیوں کو دکھایا۔ انکو دیکھ کر ڈیرے والے بہت خوش ہوئے اُنھوں نے بھی تتلی کے باپ کی طرح مٹّی کے پیالے بنائے اور اُن کو پکالیا۔

(باقی دارد)

پرنٹر و پبلشر
رائے صاحب لالہ رام دیال۔ اگروالا کٹرہ۔ الہ آباد

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبۂ مولانا مہیش پرشاد صاحب، مولوی، فاضل - ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربی، فارسی، اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس - قیمت ۲ آنہ -

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولس کے لیے مرتب کیا ہے - انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے - اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلیٰ درجے کا انتخاب ہے -

سونے کا نوالہ — مترجمۂ مولوی عابد حسن صاحب فریدی، ایم، اے - ال، ٹی - ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور -

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے - زبان نہایت صاف اور شستہ ہے - قیمت ۲ آنہ -

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفۂ رام رگھبیر پرشاد - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۶۰ - قیمت ۴ آنہ -

الہ دین اور اس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں -

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفۂ ملسکھ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۴۴ - قیمت ۴ آنہ -

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں -

---

گنجینۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسن صاحب ماضی ٹیچر پارکر ہائی اسکول مرادآباد -

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق ہے - یہ اسم بامسمی ہے - اس میں مختلف قسم کے ۶۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین محققین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں - مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستہ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے - اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۳۷۰ ہیں - باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے -

---

"فرہنگ امثال" — مولفۂ سید مسعود حسین صاحب رضوی - ایم، اے - لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی - لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم جیبی سائز، صفحات ۲۳۷ - قیمت ۱۰ آنہ -

یہ اردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں - ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے ان کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے - ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے - طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے -

---

خطوط نویسی — مرتبۂ مولوی محمد رفیع بجنوری، فاضل دیوبند - قیمت ۲ آنہ -

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں - عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے - بچوں کے لیے بہت مفید ہے -

رائے صاحب رام دیال اگروالا، پرنٹر و پبلشر الہ آباد

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad

Registered No. 467-A

جولائي سنه ۱۹۴۳ع

ایڈیٹر
ڈاکٹر عباد الرحمٰن خاں
پی ایچ - ڈی - (لنڈن)

سررشتہ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۳ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اردو اور ہندی زبان میں الگ الگ راے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر، الہ آباد، سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں کے پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم، مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں، ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم، اشارات، سائنس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں، قدرتی و طبعی مناظر، تعلیم نسواں، نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے معوض مضمون‌نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت براے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ راے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد، سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جاے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۳۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے، یہ یاد رکھیے -

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک راے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد، سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

پبلشر- راے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد

"تتلی"

دوسرا حصہ۔ مٹی کے برتن بنانا

(گذشتہ سے پیوستہ)

(از جناب سیتارام نگم۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی الہ آباد)

آہستہ آہستہ وہ طرح طرح کے مٹی کے برتن بنانے لگے خاص طور پر انھوں نے پانی رکھنے کے لئے ایک برتن بنایا جسے اب گھڑا کہتے ہیں۔ کچھ چھوٹے برتن بھی بنائے گئے جنھیں اب ہانڈی کہتے ہیں عورتیں ابھی تک چمڑے کے تھیلے میں پانی بھرکر لاتی تھیں۔ اب وہ ندی کے کنارے جاتیں اور اس مٹی کے گھڑے میں پانی بھر لاتیں۔ پہلے گوشت پکانے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک بڑے پتھر میں ایک گڈھا کیا جاتا تھا۔ اس میں پانی بھرا جاتا تھا۔ پھر کئی پتھر کے ٹکڑے آگ میں گرم کئے جاتے تھے اور انکو پانی میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ گرم پتھر کے ٹکڑوں کی وجہ سے پانی اُبلنے لگتا تھا۔ اسی پانی میں گوشت کے ٹکڑے چھوڑ دئے جاتے تھے۔ مگر اب مٹی کی ہانڈی بن جانے سے یہ کام آسان ہوگیا۔ ہانڈی میں پانی بھرکر آگ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اسی میں گوشت کے ٹکڑے ڈال دئے جاتے تھے اور بڑی آسانی سے گوشت پک جاتا تھا۔ مٹی کے پیالوں میں رکھ کر ان جروا ہوں کی عورتیں یہ اُبلا ہوا گوشت سب کو کھانے کو دینے لگیں اب وہ دودھ بھی ہانڈیوں میں رکھ کر اُبالنے لگیں اور پیالوں میں بھرکر سب کو پینے کو دینے لگیں۔ اب

جب تلی کے باپ کو پیاس لگی تو وہ مٹی کے گھڑے سے پیالے میں پانی لیکر پینے لگا۔

کچھ دنوں کے بعد ان چرواہوں نے سوچا کہ ان مٹی کے برتنوں کو خوبصورت بنایا جائے۔ اس لئے وہ ان برتنوں پر تصویریں کھودنے لگے۔ کبھی کبھی ان پر بیل بوٹے کھودتے تھے۔ پھر ان کو پکالیتے تھے۔ دھیرے دھیرے ان کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر ان برتنوں پر رنگین مٹی پوت دی جائے اور تب انکو پکایا جائے تو ان برتنوں کا رنگ بھی رنگین مٹی کی طرح ہوجاتا ہے۔ پھر یہ رنگ پانی میں نہیں چھوٹتا۔ ایسا کرنے سے ان کے برتن اور بھی خوبصورت ہوگئے۔ اس طرح سے ان چرواہوں کی زندگی اور بھی زیادہ آرام دہ ہوگئی۔

بیج بونا

(مشر ہرش موہن پانڈے بی۔ اے ایل۔ ٹی)

یہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ہم بیج بوتے ہیں مگر وہ اُگتے نہیں اور اگر اُگتے بھی ہیں تو بہت کم یعنی پچاس بیج بونے پر صرف بتیس یا پچیس بیج اُگتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان بیجوں کے نہ اُگنے کا کیا سبب ہے۔ بیجوں کے نہ اُگنے کے بہت سے اسباب ہیں جو مختصراً ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ بیج میں اُگنے کی طاقت کا نہ ہونا:۔ کچھ بیج کیڑوں کے کھاجانے سے خراب ہوجاتے ہیں۔ کیڑے بیج کے اندر کا حصہ کھالیتے ہیں جس سے بیج میں پھر نشو ونما پانے کی طاقت نہیں رہتی۔ ایسے بیج اندھے (Blind Seeds) کہے جاتے ہیں۔ یہ بیج پانی میں ڈالکر بآسانی نکالے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ صرف سطح پر ہی بہتے رہتے ہیں اور اچھے بیج پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔

۲۔ اگر بیج وقت پر نہ بوئے جائیں تو بھی وہ اچھی طرح نہیں اُگتے۔ جیسے اگر گل مہدی کے بیج بجائے برسات کے جاڑوں میں بوئے جائیں تو اُن کی نشو ونما ایسی نہ ہوگی جیسی کہ ہونا چاہئے۔

۳۔ بہت پرانے بیج بھی نہیں اُگتے۔ کیونکہ بیج جتنے ہی پرانے ہونگے اُتنی قوتِ نمو اُنمیں کم ہوگی ایک [illegible] سے زیادہ پرانے بیج قطعی نہیں بونے چاہئیں۔

۴۔ بُرے طریقہ سے اکٹھا کئے ہوئے بیج (Store Seeds) بھی اچھی طرح نہیں اُگتے۔ بیج جمع کرنے کے قبل اُنھیں خوب اچھی طرح دھوپ میں سکھا لینا چاہئے۔ پھر سوکھی جگہ کاغذ یا شیشی میں رکھ لینا چاہئے۔ اگر ہوسکے تو انہیں نیپھتالین کی گولی رکھنی چاہئے۔ تاکہ بیج کیڑوں سے محفوظ رہ سکیں۔

۵۔ زمین کا بھی کافی اثر بیج پر پڑتا ہے۔ اچھی اور گہری کھدی ہوئی بھر بھری مٹی میں نیز کھاد ملائی ہوئی مٹی میں بیج اچھی طرح اگیں گے۔

اسلئے بیج بونے سے قبل ہمیں یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ بیج اچھے ہیں یا نہیں۔ عمدہ قسم کے بیج چھانٹ کر بونے کی تیاری کرنی چاہئے۔ بیج یا تو کیاریوں میں بوئے جا سکتے ہیں یا گملوں نیز لکڑی اور ٹین کے صندوقوں میں بوئے جا سکتے ہیں۔ مختلف اقسام کے بیجوں کے لئے مختلف اشیا کام میں لانی چاہئیں۔

جہاں پر بڑی بڑی باغیچوں یا فارم کے لئے پھولوں اور ترکاریوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہاں پر اگر بیج کیاریوں میں بوئے جائیں تو بہت مفید ثابت ہونگے لیکن چھوٹے باغیچوں یا پائیں باغوں کیلئے بیج بونے یا لگانے ہیں تو وہاں پر بیجوں کو گملوں یا صندوقوں میں بونے چاہئے کیونکہ یہ چیزیں تھوڑی دور پر بڑی آسانی کے ساتھ اُگائی جا سکتی ہیں اور دھوپ اور پانی سے اُن کا تحفظ بھی بآسانی ہو سکتا ہے۔

اگر گملوں میں بیج بونا ہے تو برسات سے قبل گملے منگا لینا چاہئے اگر گملے نہ مل سکیں تو مٹی کے تیل کے ٹینوں کو برابر برابر دو حصوں میں کاٹ کر استعمال میں لا سکتے ہیں۔ لیکن اُن کے پیندوں میں کچھ سوراخ ضرور کر دینا چاہئے تاکہ پانی کا نکاس اچھی طرح ہو سکے۔ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے کھلے ہوئے صندوق بھی کام میں لائے جا سکتے ہیں اُن کے پیندے میں بھی چھید کر دینا چاہئے۔

بیج بونے کا طریقہ:۔ (الف) گملوں، صندوقوں اور ٹینوں میں سب سے پہلے پیندوں کے چھیدوں میں بالخصوص گملوں میں، ٹوٹے گملوں کے ٹکڑوں نیز اینٹوں میں ٹکڑوں کو رکھ دینا چاہئے۔ یہ ٹکڑے اسطرح رکھے جائیں تاکہ چھید بند نہوں۔ لیکن چھیدوں کا زیادہ کھلا رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے چھیدوں میں ٹکڑوں کو اس طرح پر رکھنا چاہئے جس سے پانی، ہوا بآسانی آجا سکے اور پودے کی نشوونما بخوبی ہو سکے ٹکڑے رکھ دینے کے بعد اس میں مٹی یا پتیوں کی کھاد بھر دینی چاہئے اور اوپری سرے سے نصف انچ نیچے خوب بھر دینا چاہئے۔ ایسا نہ کرنے پر جب پانی دیا جاویگا تب بیج اور کھاد گملوں سے باہر بہ جاویگی کھاد بھر لینے کے بعد اُسے ہموار اور مساوی کر لینا چاہئے۔ بیج یا تو قطاروں میں بوئے جا سکتے ہیں یا چاروں طرف پھیلا کر کے بوئے جا سکتے ہیں اس قسم کے طریقے کو انگریزی میں براڈ کاسٹنگ کہتے ہیں۔ بڑے بیج جیسے ویسٹرشیئم کو ہاتھ سے مٹی میں ایک انچ نیچے کھاد میں دبا دینا چاہئے۔ لیکن اگر بیج چھوٹے ہوں۔ جیسے لونیا کے بیج، تو انکو براڈ کاسٹنگ طریقے سے بونا چاہئے۔ بونے کے بعد اُن کے اوپر ایک پتلی تہ مٹی کی ڈال دینی چاہئے تاکہ بیج ڈھکے رہیں اور جانوروں سے بھی محفوظ رہیں۔

ب:۔ کیاریوں میں۔ پہلے کیاریوں کو خوب کھود کر

تیار کر لینا چاہیے۔ اگر ڈھیلے موجود ہوں تو انھیں پھوڑ کر مٹی کو بھر بھری اور ملائم کر لینا چاہیے اور اس میں پتیوں کی کھاد ملا کر ہموار بنا لینا چاہیے۔ بعدہٗ ایک کیلی لکڑی سے اس میں نصف انچہ گہری قطاریں بنا لینی چاہئیں دو قطاروں کے بیچ میں کم از کم چھ انچہ کا فاصلہ ہونا ضروری ہے۔ تاکہ بعد میں پودے اکھاڑتے وقت آسانی ہو۔ پھر ان قطاروں میں بیج بو دینا چاہیے۔ بیج بو دینے کے بعد انکو کھاد یا مٹی سے بند کر دینا چاہیے۔

پانی دینا:۔ بیج بو دینے کے بعد پانی دینا بہت ضروری ہے۔ اسکے متعلق لوگوں کے دو خیال ہیں کچھ تو بیج بونے کے بعد ہی پانی دیتے ہیں اور کچھ کا کہنا یہ ہے کہ پانی تبھی دینا چاہیے جبکہ بیج اُگ آئیں۔ لیکن میری رائے میں پانی کا دینا یا نہ دینا مٹی کی حالت پر مبنی ہے۔ اگر کوئی پہلے سے سینچی ہو اور اسمیں کافی نمی ہو تو پانی بعد ہی میں دینا چاہیے۔ اگر کوئی بالکل سوکھی ہو تو بیج بونے کے بعد ہی پانی سینچ دینا چاہیے۔ پانی ہزارے میں فوارہ لگا کر آہستہ آہستہ ڈالنا چاہیے تاکہ کھاد اور بیج کے بہ جانے کا احتمال نہ رہے۔ پانی کا دینا یا نہ دینا موسم پر بھی منحصر ہے۔ گرمیوں میں تو بلا ناغہ روزانہ پانی دینے کی ضرورت ہے۔ پانی ہمیشہ شام کو دینا چاہیے اور دن میں کسی بھی حالت میں نہ دینا چاہیے۔ دھوپ میں پانی دینے سے پودے کمزور اور پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ اگر مٹی میں کافی تری ہو تو پانی دینے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ مٹی کو اچھی طرح سوکھنے کا موقعہ نہیں دینا چاہیے۔ جوں ہی کچھ سوکھا پن دکھائی دے پانی دیدینا چاہیے۔ بہت اچھا ہو کہ اُگتے ہوئے بیجوں میں زیادہ پانی نہ دیا جائے بلکہ وقت وقت پر تھوڑا تھوڑا پانی دیا جائے۔ سب سے اچھا طریقہ تو پانی دینے کا یہ ہے کہ بیج بونے کے قبل مٹی کو سینچ لینا چاہیے تب اس میں بیج بونا چاہیے پھر اس بیج والے گملے کو دوسرے گملے میں جسکا نصف حصہ پانی سے بھرا ہے اس طریق پر مٹی نیچے سے پانی لے گی۔ لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ نیچے والے گملے میں پانی ہر وقت رہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بیج والا گملا روزانہ اٹھایا جائے اور کچھ گھنٹے علیحدہ رکھا جائے۔ نیچے والے گملے کا پانی بدل دیا جائے اس طریقہ سے یہ فائدہ ہے کہ مٹی اتنا ہی پانی لیگی جتنی کہ اُسے ضرورت ہے اور بیجوں اور کھاد کے بہ جانے کا احتمال بہت کم رہ جاتا ہے۔ لیکن یہ طریقہ بڑا پیچیدہ ہے اور بڑے باغیچوں کے کام میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اکثر بہت سے گملوں میں ایسا کرنا پڑیگا جس سے بہت سا وقت ضائع ہوگا۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے۔ اگر مذکورہ بالا بیج بونے کے طریقوں سے چھوٹے بیج جیسے کارنیشن یا بیگونیا نہیں اُگتے یہ بیج گراں بھی ملتے ہیں اور نہ اُگنے پر روپیہ بھی

بیکار ہوجاتا ہے۔ آجکل انکو اگانے کا ایک نیا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے اسکے لئے ایک ٹین کی ناند کی ضرورت پڑتی ہے جو تقریباً ۳ یا ۴ انچ گہرا ہو نیز اتنا بڑا ہو کہ اس میں ایک معمولی اینٹ بآسانی اسکے پاس پلا کنارہ چھوٹے ہوئے رکھا جاسکے۔ پھر باغ کی مٹی اور ریت کی مخلوط مٹی کہ جس میں دو حصہ مٹی ہو اور ایک حصہ ریت ہو لی جاوے اور چھلنی سے چھان کر کچھ پانی سے بھگو دینا چاہئے بھگو دینے کے بعد اسے اینٹے کے اوپر اتنا ہی رکھدینا چاہئے کہ اسکی اونچائی نصف انچ یا ایک انچ ہو۔ بعدہٗ اس ناند میں اتنا پانی ڈالدیا جاوے کہ ایک انچ تک اس میں ڈوبا رہے اسکے بعد بیجوں کو مٹی میں بو دیا جائے اور وہ ناند معہ اینٹے کے سائے میں رکھدیجئے اگر کسی وقت مٹی بہت گیلی معلوم ہو تو اینٹہ اٹھاکر ایک دو گھنٹے کے لئے علیحدہ رکھ دینا چاہئے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس طریقہ پر چھوٹے بیج بہت اچھی طرح سے اگائے گئے ہیں اور قوت نمو ان میں کافی سے زیادہ پیدا ہوگئی ہے۔

بیج بوتے وقت قابل توجہ بات یہ ہے کہ بیجوں کو قریب قریب نہ بوئیں بہت زیادہ نزدیک ہوجانے کی وجہ سے مندرجہ ذیل نقصانات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

۱۔ پودے کے ردوبدل کرنے میں بڑی مشکل پڑتی ہے اور ایک پودا نکالنے کے بجائے بہت سے پودے ایک ساتھ اکھڑ جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ سب پودوں کی جڑیں ایک دوسرے سے آپس میں جکڑی رہتی ہیں۔ اکثر اکھاڑتے وقت پودوں کی جڑیں ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔ اور پودے پژمردہ ہوکر بالکل ختم ہوجاتے ہیں۔

۲۔ ایک ہی جگہ پر بہت سے پودے ہونے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہوجاتے ہیں کیونکہ تھوڑی سی جگہ سے ہر ایک پودا اپنے لئے پوری خوراک کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔

۳۔ بہت پاس پاس ہونے سے پودوں کو سورج کی روشنی برابر نہیں ملتی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پودے لمبے اور پتلے ہوجاتے ہیں ان کا تنہ اچھی طرح بڑھ بھی نہیں پاتا اور وہ کمزور پڑجاتے ہیں۔

۴۔ اگر ایک پودے میں بیماری پھیل جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو وہ دھیرے دھیرے سب پودوں میں پھیل جاتی ہے اور وہ اکثر مرجاتے ہیں۔

اس لئے پودوں کو محفوظ رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل تراکیب کرنی چاہئے۔

۱۔ بیج بہت پاس پاس نہیں بونے چاہئیں۔

۲۔ پودوں کو کافی ہوا اور روشنی ملنے کا انتظام کرنا چاہئے۔

۳۔ پانی ہوشیاری سے دینا چاہئے۔ مٹی اور پودوں کی حالت دیکھکر پانی کا صحیح استعمال کرنا چاہئے۔ پودوں کو کبھی پانی کے سوکھنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔

۴۔ جیوں ہی پودے مرنے لگیں تیوں ہی اچھے پودے

کی تبدیلی دوسری جگہ جہاں کی مٹی اچھی ہو کردینی چاہئے تاکہ ان کو کھلی ہوئی جگہ پر ہوا اور روشنی بھی بخوبی مل سکے۔

۵۔ وہ پودے جن میں بیماری ہو جائے اور جو کسی قلت میں گرفتار ہو کر ختم ہو جائیں انھیں فوراً اکھاڑ ڈالنا چاہئے بعدہٗ انھیں جلا دیا جائے یا کسی گڑھے میں ڈال دیا جائے تاکہ دوسرے اچھے پودوں میں بیماری لگنے کا احتمال نہ رہے۔

اتنا بیج بونے کے بارے میں معلومات دینے کے بعد یہ بھی تحریر کردینا مناسب ہوگا کہ بیسک اسکولوں میں نیز دوسرے اسکولوں میں جہاں بچوں کو باغبانی سکھائی جاتی ہے وہاں مدرس کے کیا فرائض ہیں۔

مدرس کو چاہئے کہ ہر ایک بچے کو ایک چھوٹی کیاری ۲ فیٹ لمبی اور ایک فیٹ چوڑی تقسیم کردینی چاہئے اور بچوں سے یہ کہا جائے کہ وہ اپنی اپنی کیاری کھود ڈالیں اور مٹی برابر اور ہموار کرکے اس میں کھاد ملائیں اس قسم کی تمام تیاریاں ہوجانے کے بعد مدرس بچوں کو پھول یا ساگ ترکاریوں کے بیج دیں اور ہر ایک بچے سے یکہیں کہ وہ اپنی اپنی کیاریوں میں مذکورہ بالا طریق پر بیج بوئیں۔

بعدہٗ بچوں کو دفتی کاٹ کر دے دی جائے اس میں انھیں بیج کا نام، بونے کی تاریخ، اور اپنا نام معہ درجہ لکھ دینا چاہئے۔

اور ان دفتی کے ٹکڑوں کو بانس کی کھپانچی میں پھنسا کر اپنی اپنی کیاریوں گاڑ دینا چاہئے۔ اس کام میں بچے بڑی دلچسپی لیں گے اور اس طریقہ پر اپنی اپنی کیاریوں کی دیکھ بھال بھی بخوبی کرینگے۔ آپس میں لڑنے جھگڑنے کا موقع بھی نہیں ملیگا۔

اس کے بعد ان سے درجے میں اپنی اپنی کاپی پر مندرجہ ذیل چارٹ تیار کرانا چاہئے۔

نام طالبعلم	بیج کا نام	بونے کی تاریخ	اُگنے کی تاریخ
نصیرالدین حیدر	گُل مہدی	۲ر جولائی ۱۹۴۳ء	۸ر جولائی ۱۹۴۳ء

بچوں کو روزانہ باغ میں بھی گھمانا چاہئے اور ان سے یہ کہنا چاہئے کہ وہ اپنی اپنی کیاریوں کا مشاہدہ کریں اگر پانی کی ضرورت ہو پانی دیں۔ گھاس پھوس اکھاڑ ڈالیں اگر بیج اُگ آویں تو اپنی کاپی کے بنے ہوئے چارٹ پر تاریخ درج کردیں۔ علاوہ بریں مدرس کا فرض اوّلیں یہ ہوگا کہ وہ بچوں کو بیجوں کی بابت کافی معلومات کرادیں۔

اس طرح بچوں کی درجہ کی پڑھائی اور باغیچے کا کام علمی اور عملی ساتھ ساتھ چلتا رہیگا اور انکو باغبانی کی تعلیم بہت عمدگی کیساتھ مل جائیگی۔ اسطرح سے انکے قوت مشاہدہ میں کافی اضافہ ہوجائیگا۔

بذریعۂ مٹی آزادانہ اظہار جذبات

س :- آزادانہ اظہار جذبات، سے ہمارا مقصد ڈزائن یا ماڈل میں متقابل و متضاد خطوط ظاہر کرنا ہی نہیں ہے بلکہ ماڈل کو خوبصورت بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسکا کوئی حصہ ضرورت سے زیادہ بھاری اور بھدا نہ معلوم ہونے لگے یا یہ کہ بڑا ہوکر ہی رہ جائے۔ اُس ماڈل کو برابر کرنے کے لئے اُسکے دوسری طرف کوئی دوسری چیز اُسی شکل کی بنائی جا سکتی ہے۔ ایسا کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ دوسری چیز پہلی چیز کے برابر یا بڑی ہو بلکہ ایک چھوٹی چیز بھی بڑی چیز کو برابر کر سکتی ہے۔ بطور مثال ہم نے دیکھا ہے کہ ایک معمولی ترازو میں دونوں پلڑے برابر ہوتے ہیں اور برابر ہی وزن کی چیز دونوں پلڑوں میں رکھنے پر ترازو کی ڈنڈی سیدھی رہتی ہے لیکن اگر ترازو کی تنی ڈنڈیاں سے ہٹادی جائے تو الگ الگ وزن کی چیزیں بھی ترازو کی ڈنڈی کو سیدھا رکھ سکیں گی۔ اسی طرح ماڈل یا ڈزائن میں بھی دو مختلف اقسام کے خطوط نیز اشکال ایک دوسرے کو سنبھال کر کے توازن ٹھیک کر سکتے ہیں۔ یہی حالت آزادانہ اظہار جذبات کی ہے کہ جسے بذریعہ خطوط، بذریعۂ اشکال نیز رنگوں کے ذریعۂ بھی کیا جا سکتا ہے۔ مدرس کی توجہ اس طرف خاص طور سے مبذول ہونی چاہئے۔ اس آرٹ کے ظاہر کرنے میں اسی دوسری چیز کو بہت زیادہ اہمیت دیگئی ہے

سادہ اور آسان سوال و جواب اس موقعہ پر کوئی معنی نہیں رکھتے۔

د :- نمایاں ہونا، خصوصیت کے ساتھ ہر ایک ماڈل نیز ڈزائن میں ایک جذبہ اور بناوٹ ایسی ہوتی ہے جو کہ ہمارا خاص مقصد ہے اور اسی مقصد کو پورا کرنا ہمارا فرض اولیں ہے۔ ایسا کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ماڈل یا ڈزائن میں بنے ہوئے خطوط یا مختلف قسم کے دوسرے خطوط اس خاص شکل پر آکر ملیں یا یہیں پر سے باہر کیطرف جائیں جس سے ناظرین کی آنکھوں کو یہ خطوط خاص مقصد پر پہونچانے کا راستہ بن جائیں اور ناظرین بآسانی سمجھ سکیں کہ اس مخصوص ماڈل یا ڈزائن کا خاص خیال و مقصد کیا ہے۔ اگر آرٹسٹ یا دستکار اتنا کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اُس نے کافی کامیابی حاصل کرلیا ہے۔ یہ نمایاں ہونے کی خصوصیت ماڈل نیز ڈزائن میں خاص شکل جیسے دوسری چھوٹی شکلیں بناکر مخصوص خطوط کو خاص شکلوں کے چاروں طرف دوہرا کر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ی :- تقابل یا تضاد، ہر ایک ماڈل نیز ڈزائن کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ ناظرین کی توجہ اپنی طرف کھینچ سکیں اور مبذول کر سکیں اور جبتک ماڈل یا ڈزائن ناظرین کے مقابل نہ رکھی جائے تا ظرین اسکی خوبصورتی کو کسی بھی حالت میں نہیں

دیکھ پائینگے ایسا کرنے کے لئے ماڈل نیز ڈزائن میں بھی مختلف خطوط، مختلف اشکال نیز رنگوں کا لانا ضروری ہے۔ مدوّر خطوط کے ساتھ سیدھے خطوط اور سیدھے خطوط کے ساتھ مدوّر خطوط یا زاویے بناتے ہوئے خطوط، اختلاف و تضاد پیدا کرکے ایک کشش پیدا کردیتے ہیں۔ یہ بات رنگوں کے باب میں بتلائی جا چکی ہے۔

مذکورہ بالا عناصر خمسہ کے سہارے پر مدرس اور طلبار متعدد نئے نئے ماڈل اور خوبصورت ڈزائن بنا سکیں گے۔ اُن کو دوسرے بنے ہوئے ماڈل نیز ڈزائنوں کی نقل کرنے کی ضرورت نہ پڑیگی وہ از خود ایسے ماڈل اور ڈزائن تیار کرسکینگے جنکو دیکھ کر دوسرے لوگ نمونہ تصور کرینگے اور اُن سے متاثر ہوکر دوسرے اور عمدہ ماڈل اور ڈزائن بنانے کی کوشش کرینگے۔

انھیں عناصر کے ماتحت خصوصیت کے ساتھ دستکاری کو مستحکم بنانے کے لئے یہ بھی جاننا ضروری اور لابدی ہے کہ انواع و اقسام کے خطوط اور رنگ کس طرح پر مختلف خیالات و جذبات منکشف کرتے ہیں اور کس طرح سے دماغ پر مختلف اثرات ڈالتے ہیں۔

خطوط کی ماہیت کا انکشاف

۱۔ | عمودی خطوط: ہمیشہ سچائی، حشمت و شرافت نیز بڑائی ظاہر کرتے ہیں کیونکہ یہ خطوط آدمی کے سیدھے کھڑے ہونے کی علامت ظاہر کرتے ہیں۔ تیاری اور ہوشیاری کی حالت میں ایک سپاہی کو کھڑی حالت میں دیکھنے پر اسمیں کافی سے زیادہ رُعب نیز حشمت اور دبدبہ دکھلائی پڑتا ہے۔

۲۔ ——— بیڑے خطوط: خاموشی، خوشی و فرحت ظاہر کرتے ہیں کیونکہ یہ خطوط جبکہ آدمی آرام سے سیدھا لیٹا ہوتا ہے تبھی دکھائی دیتے ہیں۔ پانی جب ایک جگہ رکا ہوتا ہے تو اسمیں ایک قسم کی خاموشی ظاہر ہوتی ہے اور اسکی پوری سطح ایک پڑا ہوا خط بناتی ہے۔ مستقیم اور ہموار زمین کی سطح دکھانے کے لئے بیڑے خطوط ہی استعمال کئے جاتے ہیں۔

۳۔ / ترچھی لائن: رنج و غم نیز غصّے کی حالت ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ جب انسان دوڑتا ہے تو اسکی رفتار کے ساتھ بدن یا جسم کی حالت بھی ترچھی ہوجاتی ہے اور انسان کی یہ حالت اُس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ غصہ میں ہوتا ہے یا ڈرتا ہے۔ بجلی کی کڑک میں بھی ترچھے خطوط دکھائی پڑتے ہیں جنسے اسکی حالت اور رفتار بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ عمودی، بیڑے یا ترچھے خطوط زمانۂ حال کی ڈزائنوں یا ماڈلوں میں بہت زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

۴۔) اُبھرا اور مدوّر خطوط: زور اور ٹھوس پن ظاہر کرتے ہیں کیونکہ انسان جب زور لگاکر کسی بھاری چیز کو زمین سے اٹھاتا

ہے۔ تو اسکا جسم قدرے جھک کر خمیدہ ہوگیا ہے۔ آندھی
چلنے پر درختوں کے خطوط بھی جھک جاتے ہیں جن سے کہ ہم
ہوائی طاقت کا بھی پتہ لگا سکتے ہیں۔ اس قسم کے خطوط مصری
باشندے اپنی ڈزائنوں، گڑیوں نیز برتنوں میں اکثر استعمال
کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے ماحول نیز ہیئت اجتماعیہ میں بہت
سی ٹھوس اور بڑی بڑی اشیا بہت زیادہ پائی جاتی ہیں

۵۔ دوہرے گھماؤ اور نیز مدور خطوط
"نزاکت، ملاحت ظاہر کرتے ہیں
کیونکہ ایسے خطوط رقص و سرود کی
حالت، گلکاری نیز درختوں کی پتیوں میں زیادہ تر دکھلائی
پڑتے ہیں۔ اِن خطوط کو یونانی، رومی باشندے اپنی ڈزائنوں،
ماڈلوں نیز برتنوں میں اکثر و بیشتر کام میں لاتے اور استعمال
کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے ماحول کے مطابق اُن کے یہاں کی
انگور، بیل اور پتیوں نے وہاں کے باشندوں پر کافی اثر
ڈالا ہے۔

۶۔ گول گھماؤ اور نیز مدور خطوط
ایسے خطوط راز و بھید نیز حقیقت
واصلیت ظاہر کرتے ہیں کیونکہ
جب ہمیں کوئی چیز کسی سے پوشیدہ کرنی ہوتی ہے تو ہم اسکو
اپنے ہاتھ و گردن کو گھما کر گود میں چھپانے کی کوشش کرتے
ہیں۔ اس قسم کے پُر اوصاف خطوط کو ہندوستانی باشندے
اپنی ڈزائن وغیرہ میں بحسن و خوبی استعمال کرتے تھے کیونکہ
اُن کا مذہب نیز تمدن و معاشرت اوصاف حمیدہ سے
پُر ہے۔ جو بھی خطوط ہم ماڈل یا ڈزائن میں استعمال کرتے
ہیں۔ وہ مذکورہ بالا خطوط ہی کے ماتحت ہوتے ہیں یا کہ
ایک دوسرے کی مواصلت سے بنے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت
میں اُن کے خیالات بھی اُنھیں خطوط کے ساتھ ساتھ ملا کر
پڑھنے چاہئیں۔

ماڈل یا ڈزائن کے جذبات و اثرات: ۔ انکشاف
صرف اُن اَشکال کے خطوط پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ انکی
ٹھوس شکل بھی ناظرین کی آنکھ کو مخصوص حالت میں گھما کر
مختلف خیالات و جذبات پیدا کرتی ہے اور ان کا انحصار
آنکھوں کی حرکت پر مبنی ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل ٹھوس اَشکال کے جذبات و خیالات
ظاہر کرنے اور سمجھنے سے ہم مختلف ماڈل یا ڈزائنوں میں
اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں کافی سے زیادہ کامیابی
حاصل کر سکیں گے۔

۱۔ ٹھوس اشیاء کے اثرات و جذبات کا انکشاف: ۔
مدوّر ٹھوس شکل ہمیشہ صبر و سکون نیز
غصہ و فکر ظاہر کرتی ہے۔ یہ مدور
ٹھوس شکل ناظرین کی آنکھ کو چاروں طرف گھماتی رہتی
ہے اور اسکو کسی ایک جگہ ٹھہرنے کیلئے قرار نہیں ہوتا۔
کیونکہ یہ خود ایک جگہ ٹھہرا نہیں رہ سکتا ہے اگر اس مدور
شکل پر آنکھ کو قائم رکھنے کے لئے کوئی چیز اور لگا دیجائے

اسکا خیال بالکل متضاد ہوجاویگا۔ اور متحرک کی جگہ قائم غصہ کی جگہ خوشی، فکر کی جگہ بے فکری ظاہر کرنے لگے گا۔

اسی لئے معمولی گھڑا بہت سی خوشی اور فرحت کے مقامات پر کام نہیں لایا جاتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ گھڑا بہت سے اوصاف حمیدہ سے پُر ہے۔

بیضاوی ٹھوس شکل میں آنکھ پتلے سرے کی طرف ٹھہر سکتی ہے پھر وہ ایک لحاظ سے مدور ہوتے ہوئے ویسے ہی خیالات وجذبات ظاہر کرنے لگتی ہے۔

۲۔ زاویہ مسطح، ٹھوس قطع دائرہ:۔ یہ شکل سکون، خوشی و فرحت نیز تسلیم و رضا کی حالت ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ یہ خود ایک مقام پر کھڑا رہ سکتا ہے اور اس کے سرے پر آنکھ چاروں طرف گھوم کر قائم بھی رہ سکتی ہے۔ جب ہمارے آنکھ نیچے سے چاروں طرف گھوم کر قائم بھی رہ سکتی ہے۔ جب ہماری آنکھ نیچے سے چاروں طرف گھوم کر اوپر اٹھتی ہے اور سرے پر آکر ٹھہر جاتی ہے تو ہمکو وہ ایک طرح سے اوپر سے نیچے کو اٹھا دیتی ہے اور اسی سے ہمیں روحی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ گرجا گھر کے اوپر کے مینار زیادہ تر اسی طرح کے بنائے جاتے ہیں جس سے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمکو تمام دنیاوی تعلقات سے بری ہوکر صرف ایک خدا ہی کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے کیونکہ وہ خدا ہر جگہ ہے اور سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مینار بہت اونچا بنایا جاتا ہے اور اسکا سرا اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۳۔ پریڈس میں حشمت و دبدبہ، مستقل مزاجی نیز ثروت و جبروت کے انداز و آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسمیں آنکھوں کو اِدھر اُدھر گھمانا نہیں پڑتا اور پریڈس کے کنارے کنارے وہ بآسانی اُس کے بالائی حصہ پر آکر ٹھہر سکتی ہے پریڈس کے کنارے آنکھوں کو صبر و سکون کی جگہ پر لیجا کر ٹھہرانے کا کام کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین کو سکون و فرحت نصیب ہوتی ہے۔ یہ بھی زاویہ مسطح ٹھوس قطع دائرہ کی طرح صوفیانہ پن ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اس میں ایک قسم کا استقلال، احتمال نیز رضا و تسلیم کا پہلو مضمر ہے جو کہ پریڈس کے کناروں سے ظاہر ہوتی ہے۔ منادر کے بالائی حصے کو دیکھنے سے یہ بات ظہور پذیر ہوتی ہے اور ا۔ جد میں بھی مدور۔ بیضاوی، گنبدوں پر پریڈس کے ایسے کنارے بنے ہوتے ہیں۔

۴۔ یہ شکل آنکھوں کو چاروں طرف گھماکر گول سرے پر لاکر ساکن کردیتی ہے۔ آنکھوں میں حرکت ہونے کے بعد سکون کی حالت ظہور پذیر ہوجاتی ہے جس سے کہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ عیش و آرام کی حالت میں آرام ملنے کی بہ نسبت تھوڑا سا آرام زیادہ اچھا لگتا

ہے۔ اسی لئے ٹھوس شکلیں اکثر و بیشتر صبر و سکون کی حالت ظاہر کرتی ہیں۔ جیسے نما ٹھوس کو عمودی حالت میں کرنے یا بیڑے کنارے کرنے پر دلی فرحت ہوتی ہے اور اس سے سچا سکون ظاہر ہونے لگتا ہے۔

۵۔ مربع نما ٹھوس:۔ یہ شکلیں آنکھوں کو ایک ایک سطح پر قائم رکھنے کی طاقت رکھتی ہیں اسی لئے ان کے جذبات کا ظہور بھی اُن کے الگ الگ سطح کے خطوط کے اوپر منحصر ہوتا ہے۔ گو عمودی، بیڑے نیز ترچھے خطوط کے جذبات نیز خیالات مذکورۂ بالا پیراگراف میں بتائے جا چکے ہیں۔

۶۔ مثلث نما، مستطیل نما نیز دیگر ٹھوس اشکال کے جذبات و خیالات بھی اِن کی الگ الگ سطحوں کے اوپر منحصر ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ماڈل یا ڈزائنوں میں زیادہ زاویے نہ آنے پاویں۔ ان شکلوں کی باہری حالت اور بناوٹ بالکل سادی ہونی چاہئے۔ باہری بناوٹ کے خطوط کو جگہ جگہ دوہرانا آرٹسٹ یا دستکار کے جذبات و خیالات میں کمزوری کا نشانہ بنتا ہے۔ صاف اور یکساں نیز سادے خطوط آرٹسٹ یا دستکار کے جذبات و خیالات کو مؤثر اور مؤثر بناتے ہیں جس سے آزادانہ اظہار جذبات کا کام بہت ہی آسان اور سہل ہو جاتا ہے۔

ہمارا آرٹ

(از جناب عبدالرحمن خاں ہیڈ مدرس۔ مدرسہ بیچواڑہ)

تعلیم بیسک کے نصاب میں "آرٹ" کا مضمون بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مضمون اسقدر دلچسپ بھی ہے کہ زیادہ سے زیادہ دیر تک بچے کام کرنے پر بھی نہیں گھبراتے میرا خیال اگر غلط نہیں ہے تو کہہ سکتا ہوں کہ بیسک کے سارے مضامین میں اسکو سب سے زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ کیوں کہ اس کا دوسرے تمام مضامین سے بہت گہرا تعلق ہے۔ جس سے بیسک ماسٹر صاحبان بخوبی واقف ہیں۔ اسلئے آرٹ کا تعلق دیگر مضامین سے تفصیلاً بیان کرنا اس مضمون کو طول دینا اور تضیع اوقات کرنا ہے۔ لہٰذا آمدم بر سر مطلب۔

موجودہ پُر آشوب زمانہ میں سامان کی گرانی و کمیابی کے باعث جو تکالیف و پریشانیاں ہو رہی ہیں۔ ان سے ہر فرد بشر واقف ہے۔ ان کمیاب اشیاء میں سے ایک "کاغذ"

بھی ہے جس کے بغیر ہمارا آرٹ بدنما سا رہتا ہے۔

ماہ دسمبر سنہ ۴۱ء میں بیسک ٹریننگ کے واپسی کے بعد برش دستیاب نہ ہونے پر مختلف ذرائع سے برش کا کام لیتا رہا۔ پر صفائی و خوبصورتی جو دراصل آرٹ کی جان ہے وہ بلا برش کہاں؟ آخر ترکیب سوجھ ہی تو گئی۔ بقول کسے "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ بس اسی ضرورت کی بنا پر اس خاکسار نے برش بنائے ہیں۔ جو کام دینے میں بازاری برش سے کسی طرح کم نہیں اور قیمت میں تو بالکل ہی مفت ہیں۔

یہ خاکسار کئی ماہ تک خود ساختہ برشوں سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ ماہ دسمبر سنہ ۴۲ء کے ایجوکیشنل گزٹ میں تجویز کے برش سے کام لینے کے متعلق دیکھا جو دراصل مفت تو ہیں۔ لیکن بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں یہ درخت ہی نہیں پایا جاتا۔ اسلئے وہاں کے طلباء بیچارے اس سے بھی محروم ہیں۔ لہذا دل میں یہ احساس کرکے کہ جسطرح ابتک میں خود بلا برش پریشان ہو رہا تھا ویسے ہی دوسرے بندگان خدا بھی پریشان ہو رہے ہونگے چنانچہ "خلق خدا کی خدمت سب سے اچھا کام ہے" کی حدیث سامنے آئی تو دل نے کہا کہ یہ بھی تو انسان ہی کی خدمت ہے؟ اسلئے برش بنانے کا طریقہ ایجوکیشنل گزٹ میں شایع کراکر انسان کی خدمت کرکیوں کہ تیرے بنانے والے برشوں کا سامان تو ہر گاؤں و گھر میں موجود ہے۔ اسلئے بیسک ماسٹر صاحبان و طلباء کے لئے خاص طور پر اور دیگر حضرات کے لئے عام طور پر ذیل میں برش بنانے کا مفصل طریقہ لکھکر شایع کیا جاتا ہے۔ امید کلی ہے کہ لوگ ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔

برش بنانے کا سامان

۱۔ بال۔ گائے۔ بیل۔ بکری کے دام، گھوڑے کے دم و گردن، اونٹ کے کوہان۔ بھیڑ یا کسی دیگر جانور مثل بلّی۔ گلہری وغیرہ کے بالوں سے برش بنائے جاسکتے ہیں۔ جو کم ازکم پون انچ لمبے ضرور ہوں اور بڑے چاہے جسقدر بھی ہوں۔ جانوروں کے بچوں کے بال زیادہ نرم اور ملائم ہوتے ہیں۔ بال جس قدر نرم اور ملائم ہوں گے برش اچھا بنے گا اور رنگ اچھا چڑھیگا۔ ایسے بال دار جانور غالباً ہر جگہ اور ہر گھر میں پائے جاتے ہیں۔

۲۔ پَر۔ جو بڑے پرندکے ہوں یہ بھی ہر مقام پر بہ آسانی مل سکتے ہیں۔

۳۔ دستہ۔ کسی لکڑی یا بانس کو چھیل کر بنایا جاسکتا ہے۔ نفاست کے لئے رنگ کروارنش بھی کی جاتی ہے اگر خار پشت (ساہی یا سیہی جو ایک جانور ہے) کا کانٹا دستیاب ہوسکے تو پھر اچھا خاصہ بنا بنایا قدرتی و خوبصورت دستہ بن سکتا ہے۔

۴۔ تاگا۔ تاگا یا سوت بالوں کو باندھنے کے لئے لیکن باریک ہو تو بہتر ہے۔

۵۔ لیئی۔ لیئی یا گوند جس سے سوت یا تاگا بھگوکر

بالوں کو باندھا جاسکے تاکہ بال چپک جائیں اور نکل
نہ سکیں۔

برش بنانے کا طریقہ
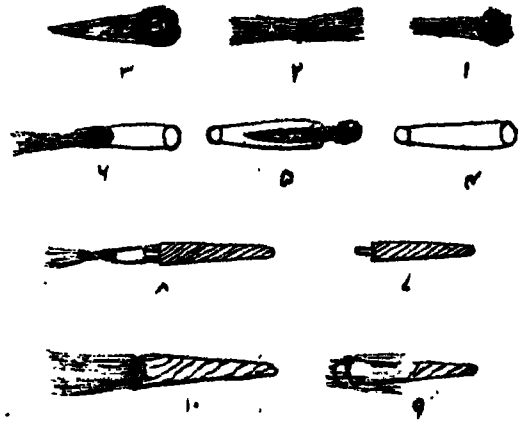
۱ ۲ ۳

۴ ۵ ۶

۷ ۸

۹ ۱۰

چوڑا سادہ برش

بال چھوٹے ہوں تو حسب ضرورت لیکر سرے ہی
سے ملا ورنہ درمیان سے لیئی یا گوند سے بھیگا ہوا
تاگا لیکر تین چار پھیرے لپیٹ دیا جائے مٹ پھر دیں
سے موڑ یا دُہرا کر اوپر سے اُسی جگہ اس طرح تاگا
لپیٹا جائے کہ لٹو نما ایک گھنڈی سی بن جائے۔
مٹ لیکن یہ گھنڈی ایسی بنائی جائے کہ اس کا
اوپری سرا موٹا نیچے کا سرا پتلا رہے مٹ یہ خیال
رکھنا ضروری ہے کہ گھنڈی پر کے سوراخ سے اس
قدر چھوٹی رہے کہ اندر بہ آسانی چلی جاسکے اور

دوسری طرف سے نکل بھی نہ سکے۔ اور دوسری طرف سوراخ
سے باہر تاگا بھی نہ دکھائی دے ورنہ برش بدنما معلوم ہوگا مٹ
پروں کے نیچے کا پولا حصہ جو چڑیوں کے جسم سے لگا
ہوتا ہے انچ سوا انچ یا حسب منشا کم و بیش کاٹ لیا جائے
نیچے کی طرف نشان پر سوئی یا آلپین یا کسی نوکدار چیز
سے سوراخ کرلیا جائے (سوراخ بہ آسانی ہوجاتا ہے)
اندر کا حصہ صاف کرلیا جائے اگر موٹا برش بنانا مقصود ہو
تو بڑے پر میں سے موٹا پولا کاٹا جائے اور نیچے کا حصہ بھی
تھوڑا سا کاٹ کر سوراخ فراخ کردیا جائے۔ مٹ

بعد ازاں ان بالوں میں ذرا سی لیئی یا گوند لگا دیجائے
تاکہ بال ایک دوسرے سے چپکے رہیں اور سوراخ میں سے
بہ آسانی نکل جائیں ورنہ منتشر رہنے کی صورت میں بال
اندر اڑ جاتے ہیں اور ذرا دقت سے نکلتے ہیں۔ بالوں کو
پر کے پولے کے چوڑے سوراخ کی طرف سے ڈالا جائے
مٹ دوسرے سوراخ کی طرف سے بال کا سرا کھینچ لیا جائے
لیکن کھینچنے میں اتنا زور بھی نہ لگایا جائے کہ سب کا سب
باہر نکل آئے یا پر کے پولے کا سوراخ ہی پھٹ جائے
جب بال نکل آئیں تو نصف انچ یا حسب دلخواہ کم و بیش
بالوں کو کاٹ کر سڈول بنا لیا جائے مٹ اور بالوں کو دھوکر
لیئی یا گوند چھٹا دی جائے۔ پھر لکڑی کا دستہ جو بنایا ہے
مٹ پر کے موٹے سوراخ سے مثل ہولڈر لگا دیا جائے۔ بس
برش تیار ہوگیا مٹ

سادہ برش | اگر پر نہ مل سکے اور ٹین کا پورا بھی نہ بن سکے تو کسی لکڑی کے دستہ کے سرے پر ذرا چاروں طرف گڑھا کر دیا جائے پھر سرے پر لئی لگا کر بالوں کے سرے دستہ کے سرے کے برابر رکھکر مضبوط باریک تاگے سے باندھ دیا جائے نمبر۹۔ پھر بالوں کو بندش کے اوپر سے پلٹ کر دوبارہ تاگا باندھ دیا جائے اور تاگے پر لئی یا گوند لگا دی جائے تاکہ تاگا نہ کھسک سکے اس طرح سادہ برش تیار ہو جائے گا نمبر۱۰ ایسا برش حسب منشا پتلا۔ موٹا۔ چوڑا ہر قسم کا بنایا جا سکتا ہے۔

اسٹینسل کا برش | اسٹینسل کے برش کے لئے زیادہ موٹے پر کے پولے کی ضرورت ہوگی ایسا برش بھی نمبر۹ یا نمبر۱۰ کی طرح بنایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس کے بال برش تیار ہو جانے کے بعد چھوٹے اور برابر سطح کے کاٹے جائیں تاکہ بال ٹیڑے نہیں اور رنگ برابر چھوڑے۔

نوٹ ۔ پر کے بجائے پتلی ٹین کا ذرا موڑ کر کام میں لائی جا سکتی ہے۔

۲۔ بالوں کی جگہ مونج باریک کوٹ کر کام میں لائی جا سکتی ہے اسی طرح دیگر ریشہ دار چیزوں سے بھی برش بنایا جا سکتا ہے۔

۳۔ موٹے بالوں کے برش تختی وغیرہ اور باریک و نرم بالوں کے برش کاغذ و برتنوں پر کام کے لئے موزوں ہوں گے۔ نرم بال کے برش چھوٹے پروں کے اور موٹے بالوں کے برش موٹے پروں کے پولوں کے ساتھ بنائے جانا چاہیئے۔

۴۔ مذکورہ اشیاء کے حاصل کرنے کے لئے کسی پرند یا گلہری وغیرہ جانور کا ناحق خون نہ کیا جائے۔

۵۔ اس توضیح و تشریح کے بعد بھی اگر اس تحریر سے کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو علاوہ ڈاک محصول کے ایک آنہ کے زائد ٹکٹ بھیجنے والے حضرات کی خدمت میں صرف ایک برش کے لئے تیار شدہ اس کے اجزاء بطور نمونہ الگ الگ ارسال کئے جا سکتے ہیں تب تو ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے پھر کوئی امر برش بنانے میں مانع نہیں۔

اسکولوں میں آرٹ اور کرافٹ کی تعلیم

(مسٹر برجموہن گپتا بی۔اے ایل ٹی)

آرٹ اور دستکاری کا طریق تعلیم بحسن و خوبی سمجھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے اسکولوں میں آرٹ اور دستکاری کی تعلیم کے مقاصد پر کچھ خیالات مختصراً بتلا دینے چاہئیں۔ بچہ آفرینش یا پیدائش ہی سے کچھ نہ کچھ کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ آپ اُسے خاموشی کیساتھ چپ چاپ بیٹھا ہوا بہت ہی کم پائیں گے اسیں توڑنے پھوڑنے کی جبلت بہت زیادہ رہتی ہے اور ہمیشہ نقل و حرکت ہی میں لگا رہتا ہے وہ اپنے ہاتھوں کو کسی بھی حالت میں نہیں روکتا اور برابر کچھ نہ کچھ کرتا ہی رہتا ہے جب اُسے مناسب اور مفید کاموں کے کرنے کا موقعہ نہیں ملتا ہے تو وہ اپنی طاقت نیز وقت کو غیر مناسب اور نقصان دہ کاموں کے کرنے میں صرف کرتا ہے۔ آرٹ اور دستکاری کی مدد سے اُس کی ان جبلت و رجحانات کا صحیح استعمال، مناسب اور مفید حالتوں میں ہونے لگتا ہے۔

کتابوں کے مطالعہ میں بچہ کے دماغ کو کام کرنے کا موقعہ کافی سے زیادہ ملتا ہے۔ لیکن اُس سے بچے کے ہاتھوں اور آنکھوں کی ٹریننگ عمدگی کے ساتھ نہیں ہوپاتی یہی وجہ اسکا ارتقا و نمو نقص میں رہ جاتا ہے

حقیقی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہاتھوں، آنکھوں اور دماغ کو صحیح معنوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ دستکاری اور حرفہ کی تعلیم سے بچوں کو اس طریق پر کام کرنے کی ٹریننگ بہت عمدہ ملتی ہے۔

انسان ایک سوسائٹی کا فرد ہے اور اپنی سوسائٹی یا ماحول میں رہ کر ہی اُسے اپنی زندگی گزارنی پڑتی ہے بذریعۂ تعلیم آرٹ اور دستکاری بچوں میں اہلیت نیز اوصاف حمیدہ پیدا کرسکتے ہیں۔ آرٹ و سائنس کے گھنٹے میں بغیر میل جول کی جبلت کے قطعی کام نہیں چل سکتا۔ اسطرح پر بچوں میں میل جول کی جبلت نیز آپس میں ملکر کام کرنے کا خیال رونما ہوسکتا ہے اور وہ ایک ساتھ ملکر کام کرنا سیکھتے ہیں آرٹ اور دستکاری کے گھنٹے میں جو کام انھوں نے اپنی محنت سے کیا اُس محنت کو دوسرے کی محنت پر ترجیح نہ دے کر دوسروں کی عزت و توقیر کرنا سکھاتا ہے۔

آرٹ اور دستکاری کی تعلیم کے ذریعۂ بچوں میں انواع و اقسام کے خیالات نیز متعدد اوصاف انفرادی طریقہ پر پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ اس گھنٹہ میں اُن کا تعلق مٹی اور لیئی سے پڑتا ہے۔ اس سے بچوں میں صفائی سے

کام کرنے کی عادت پڑجاتی ہے۔ کیونکہ ان کو دفتی، کاغذ، کپڑا وغیرہ محدود مقدار میں ملتا ہے۔ اسلئے اُن کو ہمیشہ اس بات پر توجہ کرنی پڑتی ہے کہ سامان بیکار نہ خراب ہونے پائے بچے جبلّی طور پر اپنی بنائی ہوئی چیزوں کا مقابلہ و موازنہ دوسرے بچوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے کرتا ہے اور اس عمل سے بچوں میں مقابلہ اور موازنہ نیز تقلید و تبصرہ کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور یہی جبلّت آگے کو ترقی کرتی ہے آخیر میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آرٹ اور دستکاری کی تعلیم سے بچوں کو بڑے ہونے پر آئندہ زندگی میں قدم بڑھانے کا خاطر خواہ موقعہ مل سکتا ہے۔ اسطرح پر وہ خود دوسروں کا سہارا نہ لیکر اپنے پیروں کھڑے ہوسکتے ہیں۔ آرٹ اور دستکاری کی تعلیم دینے والے استادوں کا فرض اوّلیں یہ ہے کہ وہ آرٹ اور دستکاری کے بنے ہوئے اصولوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے تعلیم دیں۔

آرٹ اور دستکاری کی تعلیم کا کام دو صورتوں میں بہت اچھی طرح سے کیا جا سکتا ہے۔ نمبر۱ حرفے کی تعلیم کو دوسرے مضامین کی بنیاد مان کر، نمبر۲ حرفے کی تعلیم کو خود آخری مقصد مان کر۔

جب حرفہ یا دستکاری کی تعلیم کو خاص صورتوں سے دیگر مضامین کی تعلیم کا مطمح نظر مانا جائے تو اس کے خاص مقاصد یہ ہونگے کہ اس کے ذریعہ دوسرے مضامین کی تعلیم بچوں کے لئے دلچسپ ہوسکتی ہے۔ ذیل کی مثال سے یہ بات بخوبی واضح ہوجائیگی .... فرض کیجئے ہمیں درجے کے بچوں کو لباچوکور بنانا سکھانا ہے۔ یوں تو معمولی لباچوکور بنانا سیکھنے میں بچوں کے لئے کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئیگی لیکن اگر وہ کلینڈر بنارہے ہوں تو اُن سے دریافت کیا جاوے کہ اسکی شکل کیسی ہے؟ اِسے کیسے بناؤگے؟ اور اس کے بنانے کے متعلق اُن کو لباچوکور بنانا سکھایا جائے تو بچے اُس کے سیکھنے میں بہت زیادہ دلچسپی لیں گے جب آرٹ اور دستکاری کی تعلیم کو ہم اس مقصد سے لیتے ہیں تو ہمیں اس بات پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے کہ ناپ تول کاٹ چھانٹ، انچ کے سویں حصہ وغیرہ ٹھیک ہیں یا نہیں۔ لیکن جب دستکاری و آرٹ کی تعلیم کو آخری مقصد مان کر آگے چلیں تو یہ بات قابل توجہ ہے کہ پیمائش، کٹنگ وغیرہ زیادہ سے زیادہ جتنا صحیح ہونا ممکن ہوسکے ہونا چاہیئے۔

بچوں کی عمر کا اندازہ کرکے نیز مضامین کی تعلیم کو نظر تعمق سے دیکھکر مدرس کو یہ مناسب ہے کہ انفینٹ کلاس، درجہ اول، درجہ دوئم میں دستکاری اور آرٹ کی تعلیم کے خاص مقصد کو مدّنظر رکھتے ہوئے دیگر مضامین متعلقہ کی تعلیم دیجائے درجہ سوئم و درجہ چہارم میں دونوں میں بتائے ہوئے ہر دو مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے درجہ پنجم، درجہ ششم، درجہ ہفتم میں طلبہ

حرفوں میں سے صرف ایک حرفہ منتخب کریں اور اسی میں کافی مشق و مہارت بہم پہونچائیں۔

یہاں پر ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اسکول میں پڑھانے کے لئے کون کون سے حرفے منتخب کئے جاویں؟ حرفوں کے انتخاب میں کچھ باتوں کا خیال رکھنا بہت ہی ضروری و لابدی ہے۔ اسکولوں میں وہی حرفے منتخب کئے جانے چاہئیں جنکا کہ زندگی نیز ضروریات سے خاص تعلق ہو۔ یعنی اُن کی اپنی ہی قدیم تاریخ ہو جو دنیاوی مشکلات نیز انقلابات سے ٹکر کھاتی اور محفوظ ہوتی چلی آ رہی ہو۔ جس گاؤں یا شہر میں اسکی تعلیم دیجاتی ہے وہاں کی زندگی نیز ماحول سے انکا تعلق ضرور ہو اُن کے لئے جس سامان کی ضرورت ہے وہ سامان اُس جگہ آسانی کے ساتھ مل سکے۔ لیکن جو سامان خریدا جا ے وہ بہت گراں نہ خریدا جاے اور سامان ایسا ہو کہ اُس کے ذریعہ مختلف مضامین کی تعلیم دی جا سکے اور علیحدہ علیحدہ درجات کے لئے اُن کا طریقۂ تعلیم بھی بنایا جا سکے نیز بچے کافی دلچسپی بھی لے سکیں اور بچوں کی صحت پر توجہ رکھتے ہوئے مدرسین ایسی تعلیم دیں کہ وہ آگے چل کر اُن کے لئے نقصان دہ ثابت نہوں۔

کتائی، بنائی، باغبانی، کلڑی، ٹین اور پیتل وغیرہ کا کام، چمڑے کا کام، مٹی کے برتن بنانا، جلد سازی، گتّہ سازی وغیرہ وغیرہ حرفے اسکولی نقطۂ نظر سے بہت ہی ضروری اور مناسب ہیں۔ اپنی سہولیت کے مطابق اِن میں سے کچھ کام اسکولوں کے لئے منتخب کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ابتدائی درجات کے لئے ایسے حرفے انتخاب کئے جائیں جنکے استعمال میں آنے والے سامان اور اوزار ایسے ہوں کہ اُن میں چھوٹے بچوں کے ہاتھ، پیر نیز دوسرے اعضاء پر چوٹ لگ جانے کا احتمال نہ ہو۔

فرض کیجئے ہمیں درجہ میں کیلنڈر بنانا سکھانا ہے بنانے اور سکھانے کے قبل مناسب اور ضروری سوالات کرکے نیز دوسرے اشیاء سے تعلق دیکر بچوں کی توجہ سبق کی طرف مبذول کیجائے اور اس طریق پر دلچسپی پیدا کرتے ہوئے ان سے دریافت کیا جاسکے اُن کی آئندہ تعطیلات کن کن تیوہاروں میں پڑیں گی؟ یہ تیوہار کس تاریخ کو پڑیگا؟ تاریخ کس چیز سے معلوم کریں گے؟ وغیرہ اسی قسم کے سوالات متعلقہ کرکے بچوں کو اپنے مقصد خاص یعنی (کیلنڈر) پر لے آنا چاہئے۔ بعدہٗ انھیں کچھ پہلے کے بنے ہوئے ماڈل (کیلنڈر) دکھا دینے چاہئیں اور جن کو بچے پسند کریں ویسا ہی کیلنڈر درجہ میں بنوانے کے لئے منتخب کرلینا چاہئے۔ پورے کیلنڈر کو دو یا تین حصوں میں منقسم کرلینا چاہئے اور اس طرح اسکو پیدا کرنے کے لئے دو تین دن لے لینا چاہئے۔ پہلے دن دستکاری کے

گھنٹے میں بچوں سے دفتی اور اسکے دونوں طرف چپکانے کے لئے کاغذ کے ٹکڑے صحیح پیمانے سے کٹوا لینے چاہئے۔ دوسرے دن بچے دفتی کو اُن کاغذ کے ٹکڑوں سے منڈھ دیں اور تیسرے دن اُن پر تاریخوں کے کاغذ صحیح پیمانے سے کاٹ کر چپکا دیں۔

کام شروع کرانے سے پہلے بچوں سے دریافت کرلینا چاہئے کہ کیلنڈر بنانے میں تعیں کس کس سامان کی ضرورت پڑے گی؟ جو سامان وہ بتائیں اُن کی فہرست مدرس کو تختہ سیاہ پر بنا ہی چاہیے اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ اسمیں دفتی، کاغذ، لیئی وغیرہ سب ضروری اشیاء آگئی ہیں یا نہیں۔ اگر سب چیزیں نہ آئی ہوں تو بچوں سے کچھ ضروری اور مناسب سوالات اور کرنے چاہئیں جس سے کہ فہرست مکمل ہو جائے۔

بعدہٗ بچوں سے سوالات کرنے چاہئیں کہ کلنڈر کی شکل کیسی ہے؟ اس کی لمبائی چوڑائی کتنی ہے؟ ایک ... طالب علم کو بلا کر لمبائی چوڑائی ... شکل صورت میں ... جواب ہو اسے ... تختہ سیاہ پر لکھدینا چاہئے بچوں سے یہ سوالات کرنے پر کہ وہ کلینڈر بنانا کیسے شروع کرینگے؟ بچے بتائیں گے کہ پہلے دفتی پر دی ہوئی لمبائی چوڑائی کا لمبا چوکور بنالیں گے اور پھر اُن کو قینچی یا چاقو وغیرہ کی مدد سے کاٹ لیں گے پھر دوسرے طالب علم کو بلا کر تختہ سیاہ پر لمبا چوکور بنوانا چاہئے اِس طریقہ سے بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ طالب علم لمبا چوکورا بنانے کا صحیح طریقہ جانتے ہیں یا نہیں :
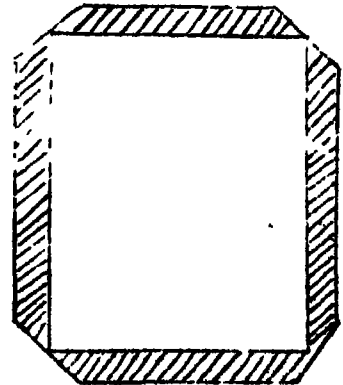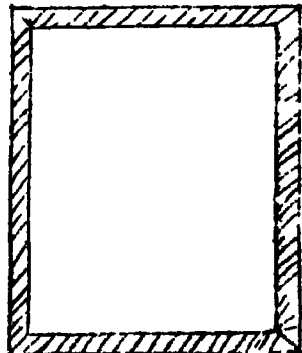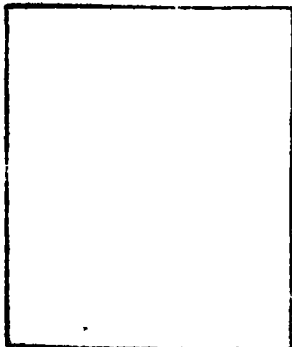
کیلنڈر کی بناوٹ ... کے لئے یہ ضروری ہے کہ علیحدہ علیحدہ شکلوں سے بنے ہوئے کیلنڈر جیسا کہ نمونہ ذیل سے واضح ہوگا، بچوں کو دکھانے چاہئیں۔
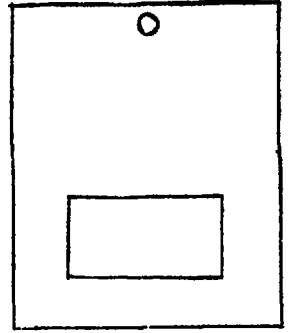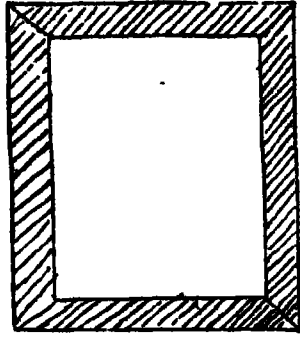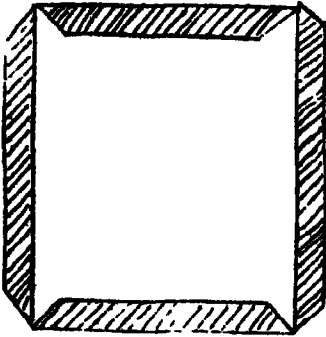
شکل ۱ میں صحیح پیمانے کی کٹی ہوئی دفتی کا ٹکڑا ہے۔

شکل ۲ میں اسکے ایک طرف اسکی ناپ سے تقریباً نصف انچ بڑا کاغذ چپکا ہوا ہے۔

شکل ۳ میں اس کاغذ کے چاروں کونے دفتی کے کونوں کے برابر جگہ چھوڑ کر کاٹ دیئے گئے ہیں۔

شکل ۴ میں چوڑائی کی طرف کا کاغذ موڑ کر دوسرے طرف چپکا دیا گیا ہے۔

شکل ۵ میں بقیہ دو طرف کے بڑھے ہوئے کاغذ ہی اسی طرح چپکا دیئے گئے ہیں۔

اسکے بعد کلینڈر کے دوسرے جانب یعنی پشت میں چاروں طرف چوتھائی چوتھائی انچ جگہ چھوڑ کر ایک کاغذ چپکا دیا جاتا ہے۔

شکل ۶ میں تیار کلینڈر دکھایا گیا ہے۔

جب مناسب اور مفید سوالات کے ذریعہ طلبہ سے دفتی کے دونوں طرف آگے پیچھے چپکانے کیلئے کاغذوں کی لمبائی اور چوڑائی نکلوا لینی چاہیئے۔ تب کلینڈر کی بناوٹ کے متعلق کچھ سوالات کرکے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ کلینڈر بنانے کا طریقہ انکی سمجھ میں صحیح معنوں میں آجائیگا نہیں۔ درجہ سوئم اور اس سے اوپر درجات میں تو جو اشیاء بنوانی ہیں انکی شکل تختہ سیاہ میں ایک طالب علم سے بنوا کر دکھا لینے سے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اس سے نیچے درجات کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک طالب علم کو اپنے پاس بلا کر اس سے اس چیز کی ایک کاپی درجہ کے سب طلبہ کے سامنے بنوانی چاہیئے ایسا کرنے سے اس چیز کے بنانے کا طریقہ سب طلبہ کی سمجھ میں بخوبی آجائیگا بعدہٗ درجہ کے طالب علموں کو کام شروع کرنے کے لئے سب ضروری سامان تقسیم کر دینا چاہیئے۔

مدرسین کو ان باتوں پر ہمیشہ زور دینا چاہیئے کہ دفتی اور کاغذ کے کنارے بہت صفائی کے ساتھ کاٹے جائیں اور چپکاتے وقت ہر ایک کام میں طلبہ نیچے رکھنے

کیلئے ردی کاغذ کا استعمال کریں جس سے ان کی چیزیں لیئی وغیرہ لگ جانے سے گندی نہ ہوجائیں۔

جب کیلنڈر بن کر تیار ہو جائے تب طلبہ ہی سے تمہیدی سوالات کی مدد سے محاسن و معائب پر تنقید کرنی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے طالب علم ایک اچھا نقاد اور مبصر ہو جائے گا اور اپنی آئندہ زندگی میں وہ زیادہ صفائی اور عمدگی سے کام کرنے کی کوشش کرے گا۔

"ایک جیون کہانی"

از

(ایم۔ حسن پرویز ایم۔ اے)

یوں تو بچپن ہی سے وتن بڑا نٹ کھٹ اور شرارتی تھا مگر مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے پات۔ وتن جو شرارتیں سوچتا تھا وہ عجیب عجیب قسم کی ہوتیں اور دل سے نت نئی چالیں اور ترکیبیں نکالتا۔ اڑوس پڑوس کی بڑی بوڑھیاں جب اسکو دیکھتیں تو کہتیں یہ چھوکرا آفت کا پرکالہ ہے یہ تو آسمان میں ٹیکلی لگائے گا۔ محلے بھر کے لڑکے اور لڑکیاں سب اسی کا دم بھرتے اور آس پاس کے گاؤں والے اُسے خوب پہچانتے تھے' باغ کے مالی، گوالے اہیر، خوانچے والے اور کھلیان کے رکھوالے سب اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتے تھے کیونکہ وتن کی ٹولی سے سب کو کچھ نہ کچھ دکھ ضرور پہونچا تھا۔

وتن کا باپ جتنا بیچارہ جتنا نیک نفس تھا اتنا اس کا لڑکا شرارتی نکلا۔ وتن کو پڑھانا لکھانا تو دور رہا غریب یونہی اپنے مولی پتے سے ایسا بھاری تھا کہ دو وقت پیٹ پالنا دو بھر تھا۔ اس نے لاکھ چاہا کہ سیانا لڑکا کچھ ہاتھ بٹائے مگر وتن نے اپنی دل میں ٹھان لی تھی کہ اپنی ہی من مانی کرے۔ بستی بھر کا اُس کی شرارت سے ناک میں دم آگیا تھا اور گاؤں بھر سر پہ اٹھا لیا تھا۔ کسی کا انڈا چوری گیا، کسی کی مرغی غائب۔ کسی کی خوانچہ سے مٹھائی کم ہوئی۔ کبھی باغ میں ہلڑ مچی۔ وتن کیا تھا ایک بھونچال تھا بھونچال جس سے مکان کے بجائے لوگوں کے دل ہلتے تھے۔ اُڑتے اُڑتے گاؤں کے زمیندار کو خبر لگ گئی۔ لوگوں نے دہائی دی۔ خوب کان بھرے ادھر وتن میاں نے بھی تجسے گھر نوتہ دیا کہ زمیندار

ہی سے کے یہاں چھاپہ مارا، دھرے گئے اور خوب ہی مرمت ہوئی۔ سمجھ دار، اونچی ناک والے اور ذرے تنک مزاج اسی وقت سے ٹھانی کی زمیندار سے بدلہ چکائیں گے بس ایک ہجو لکھ ڈالی اور گاؤں بھر کے لڑکے اسے گاتے پھرتے اور زمیندار کی ہنسی اڑاتے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ زمیندار کے ڈر سے وتن میاں بھاگے۔ جب گاؤں سے دور ہوئے تو لگی رہ رہ کے گاؤں والوں کی یاد ستانے یاد آنے والوں میں سے گاؤں کی ایک بھولی بھالی لڑکی بھی تھی جس کا نام تھا اکو جو وتن میاں کے بچپن کی ساتھی۔ اس کی یاد نے جو تڑپایا تو وتن نے کئی گیتیں لکھ ڈالیں۔ یہ چاہتے تھے اسے اپنا جیون ساتھی بنائیں۔ مگر وتن کے ماں باپ کو یہ ناتا پسند نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ لڑکی وتن سے بڑی تھی۔ مگر یہ تھے ہمیشہ کے من مانی کرنے والے۔ چپکے سے گاؤں میں آئے اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور وتن نے شادی رچالی۔ شادی ہونی تھی کہ بس جیسے سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا۔ وتن میاں کی طبیعت ابھری اور دل میں سمائی کہ اپنا نام اجاگر کرنے اور پیٹ پالنے کی کوئی راہ نکالیں بس تھوڑے ہی دنوں میں اپنی نئی نویلی دلہن کو مائیکہ پہونچا راجدھانی کی طرف منہ موڑا اور شہر میں آکر براجمان ہوگئے۔

راجدھانی میں ان دنوں بڑی چہل پہل تھی ہر طرف رنگ رلیاں ہوتیں اور لوگ چین کی بنسی بجاتے تھے۔ ملکہ زیبا کے راج میں پرجا کو بڑا سکھ تھا۔ جیون ایک سہانا سپنا تھا۔ بیفکری میں دن عید رات شب برات تھی ملکہ تھی تو عورت ذات مگر بڑی سنجلی، چتر اور سمجھدار تھی دربار تھا اندر سبھا اور درباری کیا جیت کے نورتن جن کی جگمگ سے ہیرے جواہرات پھیکے پڑ جائیں اور چاند تاروں کی چمک ماند ہو جائے۔ اس جتھے کے کھیا اور گروہ کے سردار ان دنوں نواب کبن میاں تھے جو تلوار اور قلم دونوں کے دھنی تھے۔ بڑے آن بان کے آدمی تھے اور ملکہ کے یہاں بھی ان کی بڑی مان دان تھی۔ کبن کے ساتھیوں میں گنیش اور مرلی بھی تھے جو دربار کی ناک تھے ان سب کو گیتیں کہنے اور ناٹک لکھنے میں بڑی مہارت تھی اور ان کے لکھے ہوئے ناٹک ملکہ زیبا اور راج کے سب درباری بڑے شوق سے دیکھتے تھے اور ناٹک لکھنے اور کھیلنے والے دونوں مٹھیوں میں سونا بھر بھر کے لیجاتے تھے۔

وتن میاں نے جب یہ رنگ دیکھا تو ان کے من میں بھی سمائی کہ اگر نام اجاگر کرنا ہے اور چین سے جیون بتانا ہے تو بس اپنا تن من اسی کام میں لگا دیا

مگر وہی مثل ہے کہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز
کون سنتا ہے انھیں ایسا کیا سہارا تھا کہ دربار
اُن کی رسائی شنوائی ہو۔ بڑے سوچ بچار کے
بعد انھوں نے ناٹک کھیلنے والوں میں اپنا نام
لکھایا اور بڑی محنت سے کام کرنا شروع کیا آدمی
تھے تیز تھوڑے ہی دن میں نامی کام کرنے والوں
میں گنے جانے لگے اور ہر ناٹک کی ٹولی انھیں
اپنے ساتھ رکھنے لگی اور درباری سب پہچاننے
لگے۔ جب سب گُر سمجھ گئے تو ہمت کرکے قلم اُٹھایا
اور لکھ مارا ایک چھوٹا سا ناٹک۔ ناٹک کی کہانی تو
اپنی نہ تھی مگر لکھا اس تیور سے تھا کہ جب وہ کھیلا
گیا تو سب نے واہ واہ کی۔ اب کیا تھا جس کے
منہ سنو وِلّن کی تعریف۔ ہر ایک اُن کا گن گا رہا
اور ہر طرف سے انھیں کے کھیلوں کی مانگ تھی۔
ادھر وِلّن میاں کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔
روپیوں سے کتابیں لیں کچھ آنو کے لئے تحفے بھیجے
تھوڑا بوڑھے باپ کو بھیجا اپنے لئے بھڑک دار
کپڑے بنوائے اور بجائے وِلّن کے اب ذرا
بھاری بھرکم نام شیخ پیرو سے مشہور ہوئے۔
ہر ایک اپنی اپنی سمجھ سے شیخ پیرو کو پرکھتا کوئی
کہتا کہیں سے لکھوا لاتا ہے۔ کوئی کہتا بڑا قابل ہے
غرض جتنے منہ اتنی باتیں مگر بات کی تہ کو کوئی

نہ پہنچا اور شیخ پیرو بھول بھلیاں کی پہیلیاں
[illegible] رہ گئے۔ بات یہ ہوئی کہ تھے عقل کے تیز
سنتے فوراً تاڑ جاتے اور کام کی بات گرہ
[illegible]کر رکھ لیتے اور ناٹک میں کام لے آتے
[illegible] جانتے بڑا بدھیاں ہے گُر کی بات یہ تھی
شیخ پیرو جب وِلّن تھے تو انھیں بڑی
[illegible]ن کٹھنائی کا سامنا کرنا پڑا ور ہر طرح کے
دکھ سکھ جھیلے تھے۔ اسی سے دل کا درد من
کی بات جیون کی سنگیت اُن کے ناٹکوں میں
جگہ جگہ جگنو کی طرح چمک چمک اٹھتی اور سننے
والے کے دل میں میٹھی چٹکی لیتی لوگ سمجھتے
بڑی دور کی کوڑی لایا ہے مگر سچ پوچھو تو
آپ بیتی اگر جگ بیتی بنا کر سنائی جائے تو
من کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ پُروائی چلنے
سے دبی چوٹیں اُبھرتی ہیں مگر لوگ یہ نہیں
جانتے کہ یہ پُرانی چوٹیں کب اور کیسے لگیں۔
شیخ پیرو اپنے ناٹکوں اور گیتوں میں وہ راگ
چھیڑتے جس کی مدھر الاپ کانوں میں
پہلے سے گونجی ہوتی اور تاروں کی جھنکار وہ
لہر پیدا کرتی جو دل کی دھڑکن کو تیز کرتی
کر دیتی۔ اُن کے آئینہ میں جو جھلک
دکھائی دیتی اسے لوگ بڑی للچائی ہوئی

نظرے دیکھتے مگر یہ نہ جانتے کہ وہ جھلک
انھیں کے چہروں کی ہے جو کبھی انھوں
نے سوانگ رچاکر روپ بھرے تھے۔
جب ایسی چیزیں ناٹک میں آئیں تو ملکہ زیبا
سے لے کر راجہ پرجا۔ امیر غریب۔ نر ناری
بوڑھے بچے سب وَلّن شیخ پیرو کے ناٹک
ہی دیکھنے کو تڑپتے اور ہر طرف انھیں کا
چرچا ہوتا۔ راجدھانی میں شیخ پیرو نے
کئی برسیں گزاریں اور بڑی دھن دولت
جمع کی۔ کل ملاکے سینتیس ناٹک اور ایک
سو اسی گیتیں لکھیں۔ اب مرلی اور گنیش
مرچکے تھے۔ نواب بکن بھی بالکل بڈھے
ہو چلے تھے۔ وَلّن شیخ پیرو نے سوچا کہ کچھ
دن پھر گاؤں کی ہوا کھائیں اور پرانے یاروں
کی ٹولی میں چلیں۔ یہ سوچ کر اپنے گاؤں
میں آگئے۔ بوڑھے ماں باپ نے گلے لگایا
گھروں میں شہنائیاں بجیں اور خوشی کے
آنسو کتنی آنکھوں میں جھلملاکر رہ گئے۔
بڑی بوڑھیاں وَلّن کی بلائیں لیتیں اور کہتیں
دیکھو نہ ہم کہتے تھے یہ چھوکرا آفت کا پرکالہ
ہے اور وَلّن کے ساتھی جو اب بال بچوں
والے ہوگئے تھے ایک دوسرے کی طرف
مسکراکر دیکھتے اور آنکھوں میں پرانی شرارتوں
کی جھلک دکھائی دے جاتی۔ گاؤں کے
زمیندار نے بڑی آؤ بھگت کی۔ غرض گاؤں
والوں کے لئے وہ چھوکرا جو دل کی کھٹک تھا
اب آنکھوں کا تارا راج دلارا بن چکا تھا
اور اسی گاؤں کا کیا اس دیش کا سپوت
اور سنسار کا چہیتا ہے۔ یہ تھی وَلّن شیخ پیرو
کی کہانی جو پوری پوری تمھیں سنائی۔ ہاں ایک
بات البتہ کہنا بھول گیا تھا وہ بھی سن لو وہ
یہ کہ یہ کہانی ہمارے دیس اور سمے کی نہیں
ہے اور نہ وَلّن ہمارے دیس کا تھا۔ بلکہ یہ
کہانی انگلستان کی ہے اور وَلّن شیخ پیرو
دراصل ولیم شیکسپیر ہے جو آج سے تین سو
برس پہلے ہو چکا ہے تو تم اب یہ پوچھوگے
کہ اچھا تو پھر یہ آنو۔ ملکہ زیبا۔ نواب بکن
مرلی اور گنیش کون تھے تو یہ بتانے کی کوئی
ضرورت نہیں کہ آنو آین یعنی شیکسپیر کی
چہیتی بیوی ملکہ زیبا کوئن الیزا نواب بکن
لارڈ بیکن تھے مرلی اور گنیش کو تو اب سمجھ
ہی گئے ہوگے یہ ناٹک لکھنے والے گرین اور مارلو تھے تو تم
نے دیکھا ایک لڑکے نے اپنا جیون کیسے سدھارا اور کیسا نام
اجاگر کیا جیسے وَلّن کے دن پھرے خدا چاہے تمھارے اور سب کے بھی دن پھریں

پرنٹر و پبلشر

رائے صاحب لالہ رام دیال اگروالا

کٹرہ الہ آباد

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب، مولوی، فاضل — ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربی، فارسی، اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس — قیمت ۲ آنہ —

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولوں کے لیے مرتب کیا ہے — انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے — اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلیٰ درجے کا انتخاب ہے —

سونے کا نوالہ — مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی، ایم، اے — ال، ٹی — ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور —

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے — زبان نہایت صاف اور شستہ ہے — قیمت ۲ آنہ —

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفہ رام رگھبیر پرشاد — لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۱۰ — قیمت ۴ آنہ —

الہ دین اور اس کے عجیب و غریب چراغ " مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں —

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفہ منسکھ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی — لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۴۴ — قیمت ۴ آنہ —

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں —

گنجینۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسن صاحب عاصی ٹیچر پارکر ہائی اسکول مرادآباد —

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق ہے — یہ اسم بامسمی ہے — اس میں مختلف قسم کے ۲۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین محققین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں — مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستۂ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے — اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۴۷۰ ہیں — باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے —

"فرہنگ امثال" — مولفہ سید مسعود حسن صاحب رضوی — ایم، اے — لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی — لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم جیبی سائز، صفحات ۲۳۷ — قیمت ۱۰ آنہ —

یہ اردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے — عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں — ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے ان کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے — ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے — طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے —

خطوط نویسی — مرتبہ مولوی منہ رفیع بجنوری، فاضل دیوبند — قیمت ۲ آنہ —

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں — عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے — بچوں کے لیے بےحد مفید ہے —

رائے صاحب رام دیال اگروالا پرنٹر و پبلشر الہ آباد

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad

Registered No. 467-A

اگست سنہ ۱۹۴۳ع

ایڈیٹر
ڈاکٹر عباد الرحمٰن خاں
پی ایچ۔ ڈی۔ (لنڈن)

سررشتۂ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودہ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ اگست سنہ ۱۹۴۳ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ راے صاحب رام دیال اگروا
پبلشر' الہ آباد' سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپ
مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینو
ں پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم' مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہو
ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم' اشارات' سائنس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں' قدرتی
طبعی مناظر' تعلیم نسواں' نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حا
وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے
نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کئے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے مضو
مضمون‌نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا
کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خ
کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت براے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ راے صاح
رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے
ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ اُن کی واپسی
لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جاے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ض
لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۳۹۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے' یہ یاد رکھ

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ
راے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں
سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

شرح اُجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۲۵ روپیہ	۶۲ روپیہ ۸ آنہ	۱۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	۱۵ روپیہ	۳۷ روپیہ ۸ آنہ	۶۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۲۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۱۰ روپیہ	۲۵ روپیہ آنہ	۴۵ روپیہ	۸۰ روپیہ

یہ اُجرت دونی ہوجائے گی جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے گا - ہر حا
میں اُجرت پیشگی لی جائے گی - پبلشر- راے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد

جلد ۳۵ | اگست ۱۹۴۳ء | نمبر ۵

پرائمری اسکولوں میں تمدن و معاشرت کی تعلیم

حصہ اوّل

تعریف، مقاصد، طریقۂ تعلیم

(از جناب برجموہن گپتا۔ ایم۔ اے۔ ایل ٹی)

انسان ایک سماجی فرد ہے۔ وہ اسی میں پیدا ہوتا ہے اور اسی ماحول میں اس کی پرورش و پرداخت بھی ہوتی ہے اور مرتے دم تک اس کی ساری زندگی گھر، اسکول، ہمسایہ، گاؤں، شہر و نیز ملک کے دیگر لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے بسر ہوتی ہے۔ مجلسی ممبر ہونے کے رشتہ سے انسان کے اس مجلسی ماحول کے متعلق کچھ فرائض وابستہ ہو جاتے ہیں اور سوسائٹی سے اس کو کچھ اختیارات بھی مل جاتے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی، ہر دو کی ارتقا کے لئے یہ ضروری ہے کہ سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ ممبروں کو سوسائٹی کے متعلق اپنے فرائض اور ملے ہوئے اختیارات کا صحیح صحیح پتہ ہو۔ اور انہیں کے مطابق عمل بھی ہو۔ جب سوسائٹی کے ممبران کو اپنے فرائض و نیز ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہوتا یا اپنے فرائض کی بنا پر صحیح طریقے سے عمل پیرا نہیں ہوتے تو سوسائٹی کے اندر انواع و اقسام کی خرابیاں اور نقائص رونما ہو جاتے ہیں۔ لوگوں میں خود غرضی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ باہم جنگ و جدال کی نوبت آجاتی ہے اور پوری اجتماعیت منتشر

ہوکر درہم و برہم ہو جاتی ہے اور ہم ارتقاء کے زینہ سے گر کر تنزلی
کے عمیق دلدل میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔

انسان آفرینش سے ہی کسی نہ کسی سوسائٹی کا ممبر
تو ہوتا ہی ہے۔ علاوہ بریں وہ کسی نہ کسی سیاسی سوسائٹی
کا بھی ممبر ہوتا ہے۔ سیاسیات پر اُس کی زندگی اور مالی حالت
کے تحفظ کا انحصار ہوتا ہے۔ ملکیت کے متعلق بھی کچھ انسانی
فرائض ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اُسے کچھ اختیارات
بھی ملتے ہیں۔ اجتماعی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسانوں
کو اِن فرائض اور اختیارات کا بھی صحیح اندازہ ہو جائے اور
اُنھیں کے مطابق وہ عمل بھی کریں۔

طلبہ کو انھیں سب باتوں کی معلومات کرانے کے لئے
اسکولوں اور کالجوں میں شہریت یا علم تمدن کی تعلیم دی جاتی
ہے۔ علم تمدن اُن اصولوں کا متلاشی ہوتا ہے جن کی روشنی میں
انفرادی اور اجتماعی ترقی کا راستہ بآسانی مل سکے۔ وہ ذاتیات
اور سوسائٹی نیز ایک دوسرے کے اغراض میں مساوات
قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور انسانوں کا ممد و معاون
ہوکر ہمدردانہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

علم تمدن جماعت کے سب اداروں کا مطالعہ کرتا ہے۔
ہر جماعت میں تعلیمی، مذہبی، تفریحی، اقتصادی، سیاسی وغیرہ
متعدد اقسام کے ادارے کسی نہ کسی صورت میں قائم ہوتے ہیں اور
بہت سے اداروں میں باہم انسانی تعلقات بھی ہوتے ہیں۔
علم تمدن، اِن مختلف اداروں کے کارکنان کی مناسب نقل و حرکت
و نیز حدود کو ظاہر کرتا ہے، اور اُن کے مختلف اغراض میں
مساوات نیز مؤانست پیدا کرتا ہے۔

یہ علم سوسائٹی کے پورے ڈھانچہ کا مشاہدہ تو
کرتا ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت اور سیاست
کا بھی مُشرّح ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے
کہ ملک میں قانون سازی کا کام کس طرح پر ہوتا ہے اور اُن کا
نفاذ ملک میں کس طرح پر ہوتا ہے۔ ملک میں عدل و انصاف
اور جرمانے کے لئے کیا اہتمام ہے۔ اس طرح حکومت کی
داغ بیل میں حصہ لینے کے قابل بننے کے لئے علم تمدن
و معاشرت کی معلومات نہایت ضروری ہے۔

علم تمدن کا علاقہ صرف شہری زندگی ہی سے
نہیں ہے۔ زمانۂ سلف میں یونان اور روم ممالک میں صرف
شہر ہی تہذیب و تمدن نیز علم ادب کی آزادانہ زندگی کے مراکز
تھے اور یہی شہری زندگی تمام علماء کے مطالعہ کا موضوع تھا۔
یہی وجہ ہے کہ چونکہ اس کا تعلق مدنیت سے ہے اسلئے اس کا
نام علم تمدن و معاشرت رکھا گیا اور ابتک اسی نام سے
موسوم ہے آجکل علم تمدن، دیہی زندگی و نیز دیہاتی مشکلات
کا اُسی طرح مطالعہ کرتا ہے جس طرح شہری زندگی اور شہری
مشکلات کا۔ حقیقتاً ہندوستان بجائے شہروں کے زیادہ تر
دیہاتوں میں ہی آباد ہے۔ اس لئے اس ملک میں تو علم تمدن
کے لئے دیہی زندگی اور دیہی مشکلات کا مطالعہ اور بھی
زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

ہندوستان میں مختلف اقوام، مختلف مذاہب نیز مختلف فرقوں کے لوگ آباد ہیں۔ اس لئے باہمی جھگڑے فساد بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ملک میں متعدد اجتماعی برائیاں پوری طرح سے قابض ہیں۔ یہاں کے اکثر باشندے جاہل اور علم سے بے بہرہ ہیں۔ علاوہ بریں پردے کی رسم، صغیر سنی کی شادی ترقی میں حائل ہیں اور یہاں اجتماعی برائیوں کے شکار ہیں۔ اسلئے ہندوستان کے لئے علم تمدن کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے۔ آج کل کے طلبہ آئندہ زندگی میں اچھے شہری بنیں گے اور اُن کے دوش پر جماعت اور ملک کی ارتقا کا بار ہوگا۔ اُن میں سے بہت سے ڈسٹرکٹ بورڈ میونسپل بورڈ نیز دیگر اداروں کے ممبر ہوں گے اور اس طرح ملک کے نظام اور حکومت میں حصہ لیں گے۔ اس لئے اُن کے لئے تو یہ اور بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے کہ وہ اپنے فرائض اور اختیارات نیز سیاست سے بحسن وخوبی متعارف ہوں۔ اس طرح اسکولوں میں علم تمدن کی تعلیم کا خاص مقصد یہی ہے کہ طالب علم اپنے ہمسایہ، گاؤں، شہر صوبہ اور ملک کی زندگی نیز ترقی میں دلچسپی لینا سیکھیں۔ اُس کے اندر رحملی، ایثار، خدمت خلق کے خیالات رونما ہوں اور اپنی آئندہ زندگی میں وہ ایک اچھا شہری بن کر سوسائٹی نیز ملک کی ترقی میں ممد ومعاون بن سکے۔

یہاں ہمارے سامنے ایک قابل غور اور اہم مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ پرائمری اسکولوں میں طالب علم کی عمر اکثر سات سال سے گیارہ سال تک کی ہوتی ہے۔ اس کی معلومات نیز دلچسپی کا احاطہ محدود ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر علم تمدن کا وہی حصہ اُن کے سامنے رکھنا چاہیے جس کو وہ بخوبی سمجھ سکیں اور جس میں کافی دلچسپی بھی لے سکیں۔ اس لئے پرائمری اسکولوں کے اس موضوع کے طریقۂ تعلیم کا نام اجتماعی بود وباش کی تعلیم رکھا گیا ہے۔

سات سال سے گیارہ سال تک کا وقت صرف اپنے گھر، اسکول، پڑوس، گاؤں اور اپنی شہری زندگی ہی میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ اُس سے آگے کے مسئلے اُس کی سمجھ سے باہر ہیں۔ پرائمری اسکولوں میں اس مضمون کی تعلیم کا خاص مقصد بچوں میں اجتماعی زندگی کا احساس پیدا کرنا ہے اور ساتھ ہی اس کے اس کا عادی بھی بنانا ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے اہم اور ضروری عادتوں میں مخصوص صفائی، معاونت، مساوات اور محبت ہے۔

یہی چاروں خواص پرائمری اسکولوں کے اس مضمون کی ترتیب اسباق کے مستحکم ستون ہیں۔ اور انہی اصول ومقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس موضوع کے ماتحت اپنا طریقۂ تعلیم بھی متعین کرنا ہوگا۔

طالب علموں کو فطری طور پر اپنے استادوں کی تقلید بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اس مضمون کے استاد کے لئے سب سے اہم ضروری بات یہ ہے کہ جن اجتماعی خصوصیات کی ضو طلبہ کے اندر تک پہنچانا ہے سب سے پہلے

اپنے اندر ان خصوصیات کو جگہ دیتے ہوئے اپنی نقل و حرکت و نیز چال چلن کو درست کرے اور خود صراط مستقیم پر چلنے کا عادی بنے۔ اگر مدرسین چاہتے ہیں کہ طلاب صفائی کے عادی بنیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کریں تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خود صفائی و پاکیزگی کا خیال رکھیں اور اُن کا برتاؤ و نیز واسطہ طلبہ کے ساتھ رحمدلانہ اور ہمدردانہ ہو۔

کسی بھی جماعت کی حالت کو سُدھارنے اور اسکو بام ترقی پر چڑھانے کے لئے ہزارہا پند و نصائح اتنا کام نہیں کرتے اور نہ موثر ہوتے ہیں جتنا کہ خود عمل بن جانے میں ہوتے ہیں۔

چھوٹے بچے اہم مسائل کو بآسانی نہیں سمجھ سکتے اور نہ اُن کے دل پر کچھ اثر ہی ہو سکتا ہے۔ اگر وہی باتیں اُن کے سامنے چھوٹی چھوٹی دلچسپ حکایتوں کی صورت میں رکھی جائیں تو وہ بچوں کی سمجھ میں بھی بحسن و خوبی آجاتی ہیں اور اُن سے بچے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ بچوں کا فطری خاصّہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دلچسپ کہانیوں کے ایکٹر اور قابلِ تعریف ہیرو کی شکل میں دیکھنے لگتا ہے۔ اور وہ ہیرو۔ ایثار و نیز جماعت کے اوصاف حمیدہ کا سرچشمہ بنتا ہے اور مدرس نے اُسے کلاس کے سامنے اس ڈھنگ سے پیش کیا ہے کہ وہ بچوں کی تعریف اور تحسین کا مرکز بنکر حقیقی معنوں میں اُن اوصاف حمیدہ کو بچوں کے اندر ودیعت کر دیتا ہے۔

اس قسم کی کہانیوں کے بناتے یا انتخاب کرتے وقت اس بات کی طرف توجہ مبذول کرنا ضروری ہے کہ اِن کہانیوں کے ایکٹر تقریباً اُس عمر کے ہوں جیسی کہ کہانی سن رہیں اور جو کہانیاں بچوں کو درجے میں سنائی جائیں وہ اُن کی عمر کے مطابق ہوں۔ اگر اُن کہانیوں کے ایکٹر بڑی عمر کے ہوں گے تو درجہ کے طلبہ اُن کے ساتھ مناسب تجربہ نہیں کر پائیں گے۔ اور اپنے دل میں یہ خیال کریں گے کہ شاید یہ بڑی عمر کے لوگوں کیلئے ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرہلاد کی کہانی بچوں کو جتنا متاثر کرتی ہے اُتنا راجہ ہریشچندر کی کہانی نہیں کرتی۔

کہانی سنانے کے بعد بچوں ہی سے اُس کا ڈرامہ بھی کرایا جاسکتا ہے۔ ڈرامے سے اس کی سطح و نیز اندرونی باتوں کا مکمل نقشہ بچوں کے دماغ میں منقش ہو جاتا ہے۔ اور وہ اُس میں دلچسپی بھی خوب لیتے ہیں۔

کبھی کبھی معمولی سی لاپرواہی سے بھی بہت زیادہ خطرناک نتائج رونما ہو جاتے ہیں۔ صرف سمجھانے ہی سے بچوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ایک معمولی سی لاپرواہی سے اتنا پُر خطر معاملہ پیش ہو سکتا ہے۔ اگر اُس کا بیان کسی حقیقی یا فرضی واقعات کی بنا پر کیا جائے تو اُس کا خاکہ بچوں کی نظروں میں

صاف کھنچ جائے گا۔ بطور مثال ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیا سلائی
کی سینک استعمال میں لانے کے بعد لاپرواہی سے پھینک دینے
جانے پر بعض اوقات گاؤں کا گاؤں جلا کر خاکستر کردیتی ہے۔
اس بات کو پوری تقویت کے ساتھ ہم کسی حقیقی یا غیر حقیقی
واقعات کو بذریعہ بیان ہی سمجھا سکتے ہیں۔ بہت سی باتوں
کو سمجھانے کے لئے تصاویر کا استعمال بہت مفید ثابت
ہوتا ہے۔ مرقوم الذیل مثال سے یہ بات پوری طور پر
واضح ہوجائے گی۔ فرض کیا کہ بچوں کو یہ سمجھانا ہے
کہ کسی موضع میں ہیضہ کس طرح پھیلتا ہے اور اس سے
حفظ ماتقدم کے لئے کون کون سی تدابیر عمل میں لائی جاسکتی
ہیں۔ ان جملہ باتوں کو سمجھانے کے لئے صرف سات یا
آٹھ تصاویر کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ایک تصویر میں
یہ دکھایا جاسکتا ہے ایک آدمی کے گھر پر کھانا کھلا ہوا
رکھا ہے اور گندگی سے مکھیاں آکر اس پر بیٹھ رہی
ہیں۔ بقیہ دوسری تصاویر میں یہ دکھایا جاسکتا ہے کہ
اس گھر کے آدمی اس کھانے کو کھا رہے ہیں ۔ اور
ان میں ہیضہ پھیلنا شروع ہوتا ہے۔

کچھ تصاویر میں یہ بھی دکھایا جاسکتا ہے کہ ایک
آدمی کا گھر صاف شفاف ہے اور کھانے کی سب
چیزیں مکھیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے نعمت خانے
وغیرہ ہوادار میں بند رکھی ہیں۔ پینے کا پانی بھی فلٹر سے
صاف کرکے لال دوا ملا ہوا رکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہی
جملہ اسباب ایسے ہیں کہ جن کی بدولت اس گھر کے
سب لوگ تندرست اور توانا نظر آتے ہیں۔

ابتدائی درجات میں اس مضمون کے تعلیمی
مقاصد نیز اصولوں کو سمجھانے کا مفید اور خاص منشا
یہ ہے کہ بچوں میں اچھے اوصاف نیز مل جل کر کام کرنے
کی عادت پیدا ہوجائے۔ اور وہ عملی صورت میں اسکے
عادی ہوکر کارہائے نمایاں کرنے میں پیش رو رہیں۔
اس لئے اس موضوع کے طرز تعلیم میں ہاتھ ہی سے
کام کرنے و نیز آراستہ و پیراستہ کرنے کا خاص مقام
ہونا چاہئے۔ مدرسین کو اس امر کی طرف خاص توجہ
رکھنی چاہئے کہ بچے ایک دوسرے کے مابین مکالمہ
اور درجے کے روزانہ کام میں مناسب طور پر پوری
پابندی قواعد اور آئین کی کررہے ہیں یا نہیں۔
بچوں کو اسکولی زندگی میں عملی کام میں حصہ لینے کا کافی
موقع ملتا ہے۔ مدرسین اس موقع کو غنیمت جان کر
اس سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔
ہمارا ذمہ دار، رفیق کار اور سب سے بڑا مونس
و دمساز یہی مدرس ہے۔ ایسی حالت میں مدرسین
کا خاص فرض ہے کہ اپنا جیسا بچوں کو بھی بنانے
کی کوشش کریں اور اسکولوں میں ایک ادارہ قائم
کرکے چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں۔ بچوں کے اوپر ضرور
عائد ہونی چاہئیں۔ (آئندہ رپورٹ میں ان میں سے

ہر ایک بات کی پوری پوری تشریح کافی طور سے کی جائیگی۔ جماعت سوئم اور چہارم کے طلبہ کچھ زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ سمجھدار ہو جاتے ہیں۔ اُن کے ترتیب اسباق میں دیہاتی زندگی و نیز شہری زندگی کا مطمح نظر ۔ دیہاتی پنچایت، ڈسٹرکٹ بورڈ، میونیسپل بورڈ وغیرہ بھی ہیں۔ اُن کی تعلیم کے لئے یہ ضروری ہے کہ طلبہ کو اس بات کا موقع ملے کہ وہ دیہات اور شہر میں جاکر وہاں کے ڈاکخانے، اسپتال وغیرہ کو جن سے انسانی مفاد کا خاص تعلق ہے۔ بغور مشاہدہ کریں۔ دیہاتی پنچایت کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو خود وہاں جاکر مقدمے کی کارروائی کو دیکھیں اور اس کی تجویز کو بغور سُنیں اور اگر ممکن ہو تو انتخاب کے موقع پر جاکر ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونیسپل بورڈ کے انتخابات دیکھیں۔

(باقی آئندہ)

بیسک تعلیم کی کہانی

(ایک سب ڈپٹی انسپکٹر کی زبانی)

(از جناب خلیل الرب صاحب بی۔اے (آنرز) ایل۔ٹی لکچرار بیسک ٹریننگ کالج الٰہ آباد)

اگست ۱۹۳۸ء کا مہینہ ہے اور پانیر پریس کی پرانی عمارت ہے۔ عمارت کی بوسیدہ چھتیں بارش کے ایک قطرہ کو بھی باہر جانے دینا شان قدامت کے خلاف سمجھتی ہے۔ میدان میں چاروں طرف پانی بھرا ہے اور در و دیوار پر سبزہ اُگا ہے۔ عمارت کی ویرانی دیکھ کر دل پر وحشت طاری ہوتی ہے۔ یہ جگہ بیسک ٹریننگ کالج کے قیام کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ ۴۵ مسافروں نے ڈاکٹر عبادالرحمٰن خاں صاحب کی سرکردگی میں بیسک کی کشتی پر قدم رکھا ہے۔ قافلہ کا ہر مسافر اپنی منزل اور جادہ منزل دونوں سے بے خبر ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے ع

"شبِ تاریک و بیم موج و گرداب چنیں حائل"

مگر ہر مسافر کو اپنے رہنما پر اعتماد ہے اور یہی اعتماد اُن کی سلامتی کا ضامن ہے۔ کشتی کا ملاح آزمودہ کار تھا اور بے پناہ شان خود اعتمادی کا حامل تھا۔ وہ مخالف ہواؤں سے لڑتا اور تمام حوادث سے بچتا بچاتا اپنی کشتی کو آہستہ آہستہ کھیتا رہا۔ بالآخر کشتی کنارے آلگی۔ دریا کے اس پار کچھ روشنی تھی۔ اسی روشنی میں راستہ کی جھلک نظر آئی اور بیسک کا یہ قافلہ اپنے ہمدرد اور پختہ کار سالار قافلہ کی قیادت میں نئے عزم

اور نئے حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ قافلہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا منزل کی روشنی اور صاف ہوتی گئی۔ ہر قافلہ نے اپنے بعد کے آنے والے قافلے کے لئے کچھ راستہ صاف کیا اور بعد میں آنے والا ہر قافلہ اپنے پہلے والے قافلے سے کچھ آگے بڑھا۔ ایک سال گذرا۔ دو سال گذرے اور اسی طرح ایک ایک کرکے کالج کے قیام کو پانچ سال ہوگئے۔

اوپر کی یہ چند سطریں کسی عبارت آرائی کے خیال سے نہیں لکھی گئیں۔ ان کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ ایک نئے تعلیمی تجربہ کی حیثیت سے بیسک اسکیم کو بہت سے ارتقائی منازل سے گذرنا پڑا ہے۔ ان منازل سے گذرنے میں کیا کیا نشیب و فراز آئے ہیں اس کا صحیح اندازہ صرف ان لوگوں کو ہوسکتا ہے جو اسکیم کی نشوونما سے ذاتی طور پر متعلق رہے ہیں۔ آج ٹریننگ کالج ایک جگمگاتی ہوئی شمع کے مانند ہے جسکی روشنی چھن چھن کر صوبہ کے گوشہ گوشہ میں پہنچ رہی ہے لیکن کم لوگوں کو اس کا احساس ہے کہ پانیر پریس کی ویران اور تاریک عمارت کو شمع کی مانند روشن کرنے میں ڈاکٹر صاحب موصوف اور اُن کے رفقائے کار کو کتنی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام کرنا پڑا ہے۔

اس ضمن میں ایک چیز اور سامنے رکھنی چاہئے۔ بیسک اسکیم ڈاکٹر صاحب کو صرف ایک ڈھانچہ کی صورت میں دی گئی تھی اس ڈھانچہ میں جان ڈالنا کافی مشکل کام تھا اور پھر اس سے زیادہ مشکل کام یہ تھا کہ اس روح کی وساطت سے دیہاتی مدارس میں آثار حیات پیدا کئے جائیں۔

اس گفتگو کے سلسلہ میں ایک چیز اور ضمناً سامنے آگئی ہے۔ اس کا عرض کر دینا برمحل نہیں تو بے محل بھی نہیں کہا جاسکتا۔

میں نے اکثر حضرات کو یہ کہتے سنا ہے کہ اسکیم اپنی روح کھو بیٹھی۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہیں ضروری اور غیر ضروری کے امتیاز کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر آئندہ قسط میں بحث ہوگی۔ اسوقت مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ حالات زمانہ کے لحاظ سے معاشرتی اصلاحوں کے خدوخال بدلنا لازمی ہیں اس سے اُن کا اصلی جوہر فنا نہیں ہوتا بلکہ اور نمایاں ہوجاتا ہے۔ جنگ کے اس پُرآشوب زمانے میں اسکیم کو اس اطمینان اور شان کے ساتھ چلالیجانے میں کامیاب ہوجانا ڈاکٹر صاحب کی زبردست کامیابی اور خدمت ہے۔

بیسک اسکیم پر مختلف حلقوں سے مختلف قسم کے اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر اعتراضات اسکیم کے عملی پہلوؤں سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں اور بعض اعتراضات انتہائی لچر اور چھچھلے قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ پیشہ ور اعتراض کرنے والے ایسے ہیں جن کو بدقسمتی سے اپنی

ہمہ دانی پر اتنا مغالطہ ہے کہ کسی اسکیم کو سمجھنے اور دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ ان کو ہماری "فریب سازی" اور ہم کو ان کی ہمہ دانی پر رونا آتا ہے۔

اس گروہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو "مشککین" کے لقب سے یاد کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ان کو اس بارے میں کافی شک و شبہ ہے کہ بیسک اسکیم کو دیہاتی مدارس میں بھی کوئی کامیابی ہوئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بیسک کی ساری چمک دمک کالج اور "سنٹرز" تک محدود ہے۔ ایسے حضرات کو یہ سمجھنا چاہئے کہ بیسک اسکیم ہمارے ملک کے لئے ایک نئے تعلیمی تجربہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تعلیمی تجربہ کسی صوبہ میں سال بھر چلا۔ کسی میں ۲ سال لیکن ہمارے صوبہ میں آج پانچ سال سے جاری ہے اور اتنے وسیع پیمانے پر کیا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کچھ انتظامی اور تعلیمی خامیاں رہ جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ساری اسکیم ناکامیاب ہوگئی۔

بیسک اسکیم کو دیہاتی مدارس میں جاری ہوئے چار سال ہوگئے۔ بیسک اسکولوں میں انفینٹ سے لے کر درجہ چہارم تک بیسک طریقۂ تعلیم رائج ہے۔ امسال بہت سے درجہ چہارم کے بچوں نے بیسک نصاب میں امتحان دیا ہے۔

اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے کام کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ مجموعی حیثیت سے کس حد تک ہم کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ اس قسم کا جائزہ دو حیثیتوں سے لیا جاسکتا ہے۔

۱۔ جہاں تک اسکیم کا تعلق ٹریننگ کالج اور "سنٹرز" سے ہے۔

۲۔ جہاں تک اس کا تعلق دیہاتی مدارس سے ہے۔

یہ دو حیثیتیں اس نہج سے قائم کی گئی ہیں کہ کالج اور دیہاتی مدارس کے ماحول میں بہت بڑا فرق ہے۔ کالج ایک قسم کی (Laboratory) معمل ہے۔ یہاں کے تجربوں سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں، اُن کو دیہاتی مدارس تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہاں موافق و ناموافق حالات اور بدلے ہوئے ماحول کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے۔

میں دوسری حیثیت سے اسکیم کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تاثرات مفید مطلب اور حقیقت پر مبنی ہونگے۔ اس لئے کہ دیہاتی مدارس سے تقریباً ۲½ سال تک میرا براہ راست تعلق رہا ہے۔ میں نے اپنے دماغ میں ان تاثرات کے اظہار کے لئے دو شقیں قائم کی ہیں۔ اسکیم دیہاتی مدارس میں کس

حالت میں ہے۔ کون کون سے مضامین میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے کن مضامین کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ ان عنوانات پر آئندہ اقساط میں بحث کی جائے گی۔ اس مضمون میں اس چیز سے بحث کرنا چاہتا ہوں کہ ان مدارس میں کام کرنے والوں کو کیا کیا دقتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں اور ان کی موجودگی میں کس طرح کام کیا جا سکتا ہے۔

یہ دقتیں اور دشواریاں جن کا ذکر اوپر کی سطر میں آیا ہے دو طرح کی ہو سکتی ہیں۔

۱۔ انتظامی۔
۲۔ تعلیمی۔

انتظامی دقتوں سے میری مراد وہ دقتیں ہیں جو سرکاری افسران معائنہ کو اسکولوں کے نظم ونسق کے سلسلہ میں آئے دن پیش آیا کرتی ہیں۔ یہ دقتیں اور الجھنیں اس لئے اور زیادہ تکلیف دہ ہو جاتی ہیں کہ دو عملی نظام کی وجہ سے انھیں مدارس کی اصلاح اور انتظامی معاملات پر پوری قدرت حاصل نہیں ہے۔ اس خرابی کا عملی اثر کیا پڑتا ہے۔ اسکا اندازہ ایک معمولی سی مثال سے ہو سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی بیسک اسکول کی ترقی کے لئے کسی ٹیچر کے قیام یا ٹرانسفر کی ضرورت ہے۔ لیکن اس ٹیچر کے ٹرانسفر یا قیام پر سرکاری افسران کو اختیار کلی حاصل نہیں ہے۔ بعض انسپکٹروں نے بیسک انتظامات پر پابندیاں لگانی کی کوششیں کی ہیں۔ لیکن بورڈ والے حسب ضرورت ان پابندیوں کو توڑ مروڑ کر اپنی خواہش کے مطابق ہی کام کرتے ہیں۔

اوپر کی چند سطور کا مقصد بورڈ کی انتظامی خرابیوں کی نہ کوئی تنقید ہے اور نہ نکتہ چینی۔ اس لئے کہ اس کوشش سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں تو صرف یہ مصرعہ پڑھ کر خاموش ہو جانا چاہئے۔ ع

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

ہاں یہ ضروری ہے کہ جب تک مملکت خویش کی اصلاح کی طرف خسروان وقت کی نگاہیں پھریں ہم اپنے لئے اس "مملکت خویش" میں کام کرنے کی مناسب اور باعزت راہیں تلاش کریں۔

میں اپنے سابق رفقائے کار سے یہ گذارش ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ صرف انتظامی خرابیاں کام کی کمی یا خرابی کے عذر کے لئے کافی نہیں ہیں۔ کام کرنے کی لگن مشکل سے مشکل ضرورت میں بھی کام کرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتی ہے۔ ہم اس مسئلہ پر ایک اور حیثیت سے نگاہ ڈال سکتے ہیں۔ ہمارے دیہاتی مدارس کی بہتری بہت بڑی

حدتک معاشرتی اور سیاسی حالات کی تبدیلی پر مبنی ہے اور معاشرتی اور سیاسی حالات کی بہتری بہت بڑی حدتک تعلیم پر منحصر ہے۔ ایسی حالت میں صورت حال پر پورا قابو نہ ہو سکنے کی وجہ سے بددل یا پریشان ہوکر کام چھوڑ دینا قوم اور ملک کے مفاد کے خلاف ہے۔

بے موقع تبادلے بسا اوقات اسکول کی تعلیمی حالت پر خراب اثر ڈالتے ہیں۔ خاص طور پر وہ تبادلے جو جلدی جلدی ہوتے ہیں یا دوران سال میں ہوتے ہیں۔ لیکن تبادلوں سے پریشانی یا کام کی خرابی کی ایک اور بھی وجہ ہے جس کی طرف کم لوگوں کی توجہ جاتی ہے اور میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ادھر توجہ کی جائے تو تبادلے کی مصیبت بلائے بے درماں نہیں رہ سکتی۔

ہمارے اسکولوں میں شخصی کام بہت زیادہ نظر آتا ہے اور ہم بسا اوقات مخصوص مدرسوں کو مخصوص اسکولوں کے لئے ناگزیر سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے عموماً تبادلے اسکولوں کے لئے مضر ثابت ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس اصول کی صداقت پہ ایمان لے آئیں کہ افراد آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ اُن کے آنے یا جانے سے نظام عالم درہم برہم نہیں ہوجاتا۔ تو ہماری بہت سی الجھنیں دور ہوجائیں۔ بعض افراد اپنی اعلیٰ قابلیت اور استعداد کے نقوش ضرور مرتسم کرجاتے ہیں لیکن ذہن نشین کرنے والی یہ حقیقت ہے کہ نظام عالم کی ترقی کا راز اجتماعیت میں ہے انفرادی کوششوں میں نہیں۔

اگر ہم اپنے معائنوں میں انفرادی کام پر زور دینے کے بجائے کام کی اجتماعی صورتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں تو تبادلہ کی مصیبت زیادہ پریشان کن نہ ہوگی۔ اسکول کی فلاح اور ترقی کو کسی مخصوص استاد کے کام سے کبھی استقامت میسر نہیں آسکتی۔ یہ سچ ہے کہ کام کرنے کی صلاحیت اور ذہنی استعداد ہر شخص میں یکساں نہیں ہوتی۔ مگر ایک مقصد کو سامنے رکھ کر کام کرنے کی متحدہ کوششیں انفرادی کوششوں سے ہمیشہ زیادہ مفید اور مستقل اثر پیدا کرنے والی ہوتی ہیں۔

میں نے ہمیشہ اس اصول پر کام کرنے کی کوشش کی اور میرے کام کے دیکھنے والوں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ یہ کوشش لاحاصل ثابت نہیں ہوئی۔ اس مقصد کی حصول یابی کے لئے میں نے دو صورتیں اختیار کیں اور دونوں سے خاطرخواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اول تو یہ کہ معائنہ کے وقت میں نے

اچھے اساتذہ کو ہمیشہ یہ پُرزور تلقین کی کہ وہ اپنے کمزور ساتھیوں کو ساتھ لے کر چلیں اور اُن کے کام کا اندازہ بھی اسکول کے مجموعی کام کو سامنے رکھ کر کیا گیا۔ دوسری چیز اساتذہ کی کانفرنسیں ہیں۔ کانفرنس سے میری مراد اس قسم کی کانفرنس نہیں ہے جس میں لیڈر اور لاؤڈ اسپیکر کا ہونا ضروری ہو۔ کانفرنس کا اصول یہ ہوتا تھا کہ ۵ - ۷ اسکولوں کے معاینہ کے بعد وہاں کے کچھ اساتذہ کو کسی ایسے وقت میں مرکزی اسکول پر بلالیا جب کہ تعلیم کا زیادہ نقصان نہ ہو۔ ۲ - ۳ گھنٹہ جملہ مضامین کے بارے میں اُن سے گفتگو کی۔ ان کی دشواریاں سنیں اور ان دشواریوں کو اجتماعی طور پر دور کرنے کی صورتیں بتاکر آگے بڑھنے کا راستہ دکھایا۔ اس قسم کی کانفرنسیں انتہائی مفید ثابت ہوئیں۔ اس طرح سے کام کرنے کے بعد کچھ دنوں میں ایسی فضا پیدا ہو سکتی ہے کہ ہر اسکول میں اجتماعی کام کا رنگ اور شوق غالب آجائے۔ اور کوئی استاد کسی اسکول کی ترقی یا تنزلی محض اپنے ساتھ وابستہ نہ رکھے۔ ایسی فضا پیدا ہو جانے کے بعد بے موقع تبادلے اسکول پر بعض بعض صورتوں میں اثر تو ڈال سکتے ہیں مگر وہ اثر اتنا گہرا نہ ہوگا کہ اسکول سنبھل نہ سکے۔

دوسری بہت بڑی دقت سامان کی کمیابی ہے۔ ضلع کے اندرونی حصوں میں بہت سے اسکول اب بھی ایسے ملیں گے جہاں فرنیچری سامان ابھی تک نہیں پہنچا۔ اس سلسلہ میں عموماً بورڈوں کو مورد الزام قرار دیا جاتا ہے کہ انھوں نے بیسک اسکیم کو چلانے کے لئے اخراجات کی کوئی مستقل صورت اور مد نہیں نکالی۔ یہ الزام بے بنیاد نہ سہی۔ لیکن اس کو سراسر بورڈوں کے سر تھوپ دینا بھی انصاف کے خلاف ہے۔ بورڈوں کی آمدنی محدود اور اخراجات بندھے ہوئے ہیں۔ جب تک گورنمنٹ اپنی امداد میں اضافہ نہ کرے۔ خرچ کی کوئی مستقل اور نئی مد نکالنا بورڈوں کے لئے کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سال گذشتہ سے گورنمنٹ نے ۵۰ روپے فی اسکول اس شرط پر دینا منظور کیا ہے کہ بورڈ اپنا حصہ ۲۵ فی اسکول کے حساب سے شامل کرے اگر یہ انتظام جاری رہا اور بورڈ گورنمنٹ کے شرط کی پابندی کرتے رہے تو اخراجات اور سامان کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو جائے گا۔

لیکن مجھے اپنے ساتھیوں سے یہ گذارش کرنی ہے تمام آسانیاں میسر آجانے پر کام کرنا کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے۔ ناموافق حالات میں کام چلاتے جانا تعریف کی بات ہے۔ جہاں تک

دیہاتی مدارس کا تعلق ہے۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اسکیم کو اخراجات سے جہاں تک ہوسکے بے نیاز بنایا جائے۔ یہ صورت میرے نزدیک انتہائی مایوس کن ہے کہ سامان و اخراجات کی کمی تعلیم کی کمی یا خرابی کا عذر بن جائے۔ میرے ذاتی تجربہ میں یہ چیز آئی ہے کہ بہت کچھ کام بغیر بورڈ کے سامان و اخراجات کے بھی چل سکتا ہے۔ اس لکھنے سے میرا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ بورڈ یا گورنمنٹ کی امداد غیر ضروری ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بورڈ سے سامان نہ مل سکنے کی صورت میں ہم ان مقامی چیزوں سے اپنا کام چلانے کی کوشش کریں جو دیہات میں آسانی سے دستیاب ہوسکتی ہیں۔ اگر کام کرنے کا شوق ہو اور اسی کے ساتھ ساتھ ملک کے سماجی اور سیاسی حالات کا صحیح احساس ہو تو کوئی خوددار انسان سامان کی کمیابی کو کام کی خرابی کا سبب نہیں کہہ سکتا۔

عام خیال کے مطابق "ضروری سامان" کے سلسلہ میں جو چیزیں آتی ہیں اُن کا زیادہ تر تعلق آرٹ اور کرافٹ کے مضامین سے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کرافٹ کے انتخاب اور آرٹ کے کام میں اتنی وسعت رکھی گئی ہے کہ دیہات میں آسانی سے اور اکثر بلا قیمت میسر آجانے والے سامان سے بھی کام چل سکتا ہے۔ یہ چیز کس طرح ممکن ہوسکتی ہے۔ اس کا تفصیلی بیان کسی آئندہ قسط میں آئے گا۔

تیسری بہت بڑی دقت یہ ہے کہ جن استادوں سے ہم کو بیسک کا کام لینا پڑتا ہے اُن میں سے اکثر اتنی محدود اور کم علمی اور ذہنی استعداد رکھتے ہیں کہ وہ بیسک نصاب کے مطابق کامیابی سے تعلیم نہیں دے پاتے۔ ان کے پاس نہ تو کوئی ایسی لائبریری ہوتی ہے جس میں اُن کو حوالہ کی کتابیں مل سکیں اور جن کی مدد سے وہ اپنی علمیت میں اضافہ کرسکیں۔ نہ اُن کو ایسی علمی فضا ملتی ہے جو اُن کی معلومات میں اضافہ کرے اور ان کو تازہ رکھے۔ اس کے علاوہ ٹریننگ کا زمانہ بھی بہت مختصر ہے۔ اس مختصر عرصہ میں وہ نئے مضامین از سر نو نہیں سیکھ سکتے۔ اس کمی کو دور کرنے کے لئے محکمہ کی طرف سے ایجوکیشنل گزٹ اور بہت سی متفرق کتابیں اساتذہ کی رہنمائی کے لئے اسکولوں میں پہنچ رہی ہیں۔

اس کمی کو دور کرنے میں ضلع کے افسران معائنہ کافی امداد دے سکتے ہیں۔ ہمارے بیسک اسکولوں کے معائنے بھی عموماً رسمی اور پرانے ڈھرّوں کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ ایسے معائنے ان مدارس میں سالہا سال سے ہوتے

آئے ہیں لیکن ان سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بیسوں برس پہلے کے چھپے ہوئے فارم پر مقررہ سرخیوں کے ماتحت ایک صفحہ بھر دینے سے معائنہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ایسے معائنے کم از کم بیسک اسکولوں کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

میرے خیال میں عام طور پر ایک بیسک اسکول کے معائنہ کے لئے دو دن درکار ہیں۔ تمام مضامین کو اپنے سامنے پڑھوا کر دیکھا جائے۔ افسران معائنہ نمونہ کے سبق دیں۔ بچوں کے کام کو دیکھیں اور اُن سے بات چیت کرکے یہ اندازہ لگائیں کہ کلاس نے مجموعی حیثیت سے کتنی ترقی کی ہے۔ اساتذہ کی دقتیں دور کریں اور اس کے بعد جملہ بیسک مدرسوں کو باری باری سے کسی مرکزی اسکول پر جمع کرکے ان کی معلومات کو تازہ رکھنے اور ان میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں۔

اس قسم کے معائنے ظاہر ہے کہ تن آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے افسران معائنہ کو بھی عرق ریزی کرنا ہوگی۔ ان کو لکھنا پڑھنا پڑیگا۔ اور نئے تجربات سے اپنے کو نا آشنا رکھنا پڑے گا۔

جو افسران معائنہ اس تن دہی اور لاگ سے کام کرتے ہیں وہ تمام دقتوں کے باوجود اپنی کوششوں میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

بورڈ کے ماتحت کام کرنے والوں کو ایک چیز ہمیشہ سامنے رکھنی چاہئے۔ ایک طرف دو عملی نظام سے پیدا ہونے والی دقتوں اور دشواریوں کا تیز دھارا ہے۔ دوسری طرف فرض اور اس کا احساس ہے۔ فرض کے احساس کا دشواریوں کے دھارے میں بہ جانا۔ ذہنی اور اخلاقی موت ہے۔ اس تیز رو دھارے کا مقابلہ کرکے اپنے فرض کے احساس کو زندہ رکھنا زندگی کا پیغام ہے۔

میں اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہوں کہ باوجود دنیا بھر کی زحمتوں اور مصیبتوں کے افسران معائنہ دیہاتی مدارس کی حالت کو بہت بہتر اور خوشگوار بنا سکتے ہیں اور اس کام کے لئے صرف ایک چیز کی ضرورت ہے اپنے مقصد پر اعتماد اور کام کا شوق۔ اس لئے کہ بقول اقبال ؎

"جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں"

(باقی دارد)

"جماعت کے کمرہ کی آراستگی کیلئے کاغذ کی ضرورت نہیں ہے"

(وال ٹیبل)

(از جناب علی مظفر باقی۔ مدار دروازہ فری اسکول میونسپل بورڈ مین پوری۔ یو۔ پی)

موجودہ عالمگیر جنگ کی وجہ سے ہر چیز حد سے زیادہ گراں ہو رہی ہے۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ یہ گرانی کس حد تک ترقی کرے اور کب تک جاری رہے۔ بیسک ایجوکیشن میں دیگر اشیاء کے ساتھ ساتھ کاغذ کی گرانی و کمیابی کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ اس دقت کو قطعی طور پر حل کئے جانے کی پیہم کوششیں کی جارہی ہیں۔ اس سلسلہ میں بیسک ٹریننگ سے واپس آکر مجھے جس قدر عملی تجربات حاصل ہوئے اس وقت انھیں سپرد قلم کرنا مناسب سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان چند الفاظ کے مطالعہ کے بعد اساتذہ کی موجودہ دقتیں کسی حد تک حل ہوجائیں گی ۔

بیسک ٹریننگ سے واپسی پر مجھے درجہ کی آراستگی کے لئے بڑے سائز کے ڈبل کاغذ کی ضرورت پیش آئی۔ کاغذ دستیاب نہ ہونے پر میں نے اس کا فوری علاج یہ کیا کہ درجہ کی دیواروں کو پیلی مٹی یا پیوریا سے حسب ضرورت لمبائی چوڑائی میں پوت دیا اور کوئلہ وغیرہ سے حاشیہ کی لائنیں ڈال دیں اور ان رنگین چوکٹوں میں کھریا، کوئلہ، گیرو وغیرہ سے منتخب کردہ کہانیوں کی تصاویر تیار کیں۔ اس کے بعد جغرافیہ و تاریخ کے متعلق مختلف سینری۔ ملابار کا ساحل اور وہاں کی پیداوار۔ ملک بنگال اور دھان کی کاشت کلکتہ کے کارخانے۔ پنجاب اور دریائے سندھ کی تصاویر۔ بڑے پیمانہ پر قصبہ کا نقشہ جس میں باغ، تالاب و نہر، پل، ریل۔ کھیت۔ بازار اور سڑک اور سمتیں سمجھانے کے لئے طلوع و غروب آفتاب اور مختلف جانور وغیرہ۔ طلبار سے یہ کام لیا کہ ہر بچہ سے اس کی تختی کا خاکہ دیوار پر کھنچوا کر پیلی مٹی سے رنگوا دیا اور تکونہ، چوکور اور گولے سے مختلف ڈیزائن تیار کرائے۔ اس طرح میرے درجہ کا کافی حصہ وال ٹیبلس یا دیواروں کی تصاویر سے آراستہ ہوگیا۔

چٹائی۔ کیونکہ یہ نقشے و تصاویر مٹی کے رنگوں میں ہلکے گوند کی آمیزش سے تیار کئے
گئے تھے۔ اس لئے جلد خراب ہونے کا احتمال نہ رہا۔ درجہ کی دیواروں کے خام و پختہ ہونے پر
موقوف نہیں۔ مٹی کے رنگ ہرایک دیوار پر یکساں کام کرتے ہیں صرف سطح کا یکساں ہونا لازمی
ہے۔ اگرچہ اس طرح تمام مضامین کے چارٹ دیوار پر تیار کئے جا سکتے ہیں لیکن ایک بڑی
دقت یہ پیش آئی ہے کہ حسب مرضی ہٹائے نہیں جا سکتے۔ اور ساتھ ہی دیواریں چٹائی یا طلبی
کے کام کی نہیں رہتیں۔ یہ چیز میرے لئے غور طلب تھی چنانچہ میں نے دیگر ممالک کی دستکاری
اور خاص طور پر چٹائیوں سے سبق حاصل کیا۔ جاپانی چٹائیاں چیڑ کی لکڑی کو مشین
کے ذریعہ تراش کر تیار کی جاتی ہیں۔ اس کی جگہ میں نے کالسی کی ملی ہوئی وہ سرکی جن کی
کنجڑ قوم پال تیار کرتی ہے استعمال کیں۔ سرکی کو تراش کر دو برابر حصے کر لئے بعدہ ترشی
ہوئی تیلیوں کو جاپانی چٹائیوں کی طرح مضبوط ڈورے سے باندھ دیا۔ ترشی ہوئی سمت میں
گوند کے پانی میں گھلے ہوئے مٹی کے رنگوں سے جغرافیہ کے متعلق تصاویر تیار کیں جو کاغذ پر
بنی ہوئی تصاویر کا مقابلہ کرتی ہیں۔ یہ چٹائیاں نہ صرف کاغذ کی دقت کو حل کر رہی ہیں،
بلکہ بیسک ایجوکیشن میں ایک صنعت کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس قدر آسان کہ بچے بہت
آسانی سے تیار کر سکتے ہیں۔ اِن تیار کردہ چٹائیوں کو دکاندار بغرض فروختگی خریدنے کو تیار
ہیں۔ مگر میرا منشاء تجارت نہیں بلکہ بیسک ایجوکیشن میں ایک صنعت کا اضافہ کرنا اور
حتی المقدور کاغذ کی قلت کو پورا کرنا ہے۔

غرضکہ جب پال کی سرکی بھی مجھے اس قدر افراط و آسانی سے حاصل نہ ہو سکی
تو مجھے مجبوراً اس سے بھی زیادہ آسان و ارزاں چیز کی طرف متوجہ ہونا پڑا اور وہ سن یا پٹ سن
کی سرکی ہے۔ سن ہمارے صوبہ میں افراط سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی سرکیاں ہر جگہ
آسانی سے بلاقیمت حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر قیمتاً بھی لی جائیں تو ایک پیسہ کی سرکیوں میں چار
بڑی چٹائیاں تیار ہوتی ہیں۔ ان سرکیوں [illegible] بھی تراش کر مندرجہ بالا کالس کی سرکیوں کی جگہ
کام میں لایا جا سکتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پال کی سرکی کی بہ نسبت ان میں فاصلہ زیادہ

رہتا ہے۔ مگر رنگے جانے کے بعد یہ فاصلہ یا درازیں بُری نہیں معلوم ہوتیں۔ سرکیوں سے چٹائی تیار کرنے کا عمل بتائے جانے کی چنداں حاجت نہیں ہے کیونکہ جاپانی چٹائیاں قریب قریب ہر جگہ پہنچ چکی ہیں اور ہر شخص کی نظر سے گذر چکی ہوں گی۔ مقصد یہ ہے کہ کانس یا سن کی تیلیوں سے چٹائیاں تیار کی جائیں اور درجہ میں سجاوٹ کے لئے کورس کے مطابق چارٹ کی جگہ استعمال کی جائیں تو بڑے اور ڈبل کاغذوں کی وہ دقت حل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ چٹائیاں حسب مرضی چھوٹی و بڑی بنائی جا سکتی ہیں۔

ڈزائن

مسٹر سرش چندر گرگ بی۔اے۔ایل ٹی

ریت کے کام نیز آزادانہ اظہار جذبات کے متعلق یہ بتایا جا چکا ہے کہ ڈزائن بنانا کس طریقے پر اور کس ترکیب سے بچوں سے شروع کرایا جائے اور ڈزائن بنانے کے خاص عناصر کیا ہیں؟ مدرسین بچوں سے بتائی ہوئی ترکیب سے کام لینے پر نئی نئی اور خوبصورت ڈزائنیں بنانے میں کافی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں لیکن نئی اور خوبصورت ڈزائنیں ہی بنا لینا کافی نہیں ہے۔

- - - - - - - - - - - - - -

اور نہ تنہا اس پر اکتفا کرنے میں اس کی کوئی اہمیت ہے۔ جب تک ڈزائن کسی حرفہ کے استعمال میں نہ لائی جائیگی اس وقت تک طریقہ تعلیم میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے اس وقت ہم صرف یہ بتائیں گے کہ ڈزائن کو کن کن باتوں کا خیال رکھتے ہوئے مختلف دستکاریوں نیز حرفوں میں استعمال کر سکتے ہیں۔

(۱) مادہ:۔ جس سے دوسری چیزیں بنائی گئی ہوں۔

(۲) اوزار:۔

(۳) استعمال:۔

(۴) ساخت:۔

(۵) رنگ:۔

مادہ:۔ کسی چیز پر ڈزائن بناتے وقت ہمیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ ڈزائن بنانے سے تیاری پر کسی دوسرے مادے کی بنی ہوئی نہ معلوم ہونے لگے۔ مٹی کی بنی ہوئی اشیاء میں پتھر، موم، یا دھات کا اثر ظاہر نہ ہونے لگے۔ یا ڈزائن سے اس کی سطح اتنی تبدیل کر دیجائے کہ ہم یہ نہ پہچان سکیں کہ وہ کس مادہ سے تیار ہوئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں اپنی توجہ اس طرف بھی رکھنا چاہئے کہ جو ڈزائن ہمیں بنانا ہے وہ مادہ پر بآسانی بنائی جا سکے۔ لکڑی کی بنی ہوئی چیزوں پر کچھ گہرا نشان کھود کر ڈزائن بنانا مٹی میں بہت باریک کھود کر یا اُبھری ہوئی ڈزائن بنانا یا چمڑے پر بہت سے رنگوں سے تصویر بنانا بہت ہی مشکل پڑیگا۔ اور انھیں مشکلات کے باعث اس قسم کی ڈزائنیں مفید بھی نہ پڑیں گی لکڑی کی چیزوں پر لکڑی کے ریشے اُبھرے ہوئے باہر دکھائی دیتے رہنا چاہئے۔ مٹی کی چیزیں پک جانے پر انکی سرخی بہت اچھی طرح ظاہر ہونے لگتی ہے۔

(۲) اوزار:۔ کسی چیز کے بنانے میں جو اوزار استعمال کئے جاتے ہیں وہ ایک بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ اُس چیز کو خوبصورت اور عمدہ بنانے

کا کام بہت کچھ اوزار ہی پر منحصر ہے۔ مختلف اوزاروں
سے متعدد قسم کی ڈزائنیں بنائی جا سکتی ہیں۔ جو اوزار
ایک چیز بنانے میں استعمال ہوئے ہیں انھیں اوزاروں
سے ڈزائنیں بھی بنانی چاہئیں۔ اس سے وہ چیز بھی
جلدی بن سکے گی اور خرچ بھی کم ہوگا۔ بطور مثال
بیدہی کو لے لیجئے کہ بُنتے وقت مختلف طریقوں سے متعدد
قسم کی ڈزائنیں نکالنا، لکڑی تراش کر ڈزائنیں کاٹنا،
چمڑے پر ٹھپے سے ڈزائنیں بنانا، مٹی جوڑ کر اُبھری
ہوئی ڈزائنیں اٹھانا یا ٹھپے سے نشان ڈال دینا
زیادہ آسان ہے کیونکہ اسطرح پر ڈزائن بنانا اور
اسی چیز میں کام کرنا یہ سب اوزاروں ہی پر منحصر ہے۔
اس لئے موجودہ زمانہ میں یہ زیادہ ضروری اور
مفید سمجھا جاتا ہے۔ بہت سی عمارات میں کنی کی
دھاریاں، بالو کا کھردراپن نیز مٹی کی مورتیوں میں
انگلیوں کے نشانات بُرے نہیں معلوم ہوتے بلکہ
آرٹ کا ایک خاص عنصر اور جزو سمجھے جاتے ہیں۔

(۳) استعمال:۔ یہ کوئی خاص ضروری نہیں ہے
کہ ہر ایک چیز پر ڈزائنیں ہی بنائی جائیں۔ بہت سی
چیزوں میں جنھیں کہ الگ الگ ٹکڑے سے جوڑ کر استعمال
نہیں کئے گئے ہیں سطح اور ہموار حالت میں اچھی
معلوم ہوتی ہیں اور جن چیزوں کو باہم ٹکڑے جوڑ کر
بنایا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں جوڑ کی جگہ اگر کوئی ڈزائن
بنادیجائے تو اس کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ ہوجائیگا۔
فرض کیجئے کہ ہمیں ایک بٹوا بنانا ہے اور اُسمیں ٹکڑوں
کو آپس میں سینا ہے۔ تو ایسی حالت میں اگر وہ سلائی
ایک ڈزائن کی شکل میں نکالی جائے تو زیادہ اچھا ہوگا
اور وہ بٹوا بھی مضبوطی سے سل جائیگا۔ ایسی اشیار کا
تعلق زیادہ تر استعمال ہی سے ہے۔ ڈزائن ایسی نہ ہونی
چاہئے کہ انمیں جلد ہی کثافت پیدا ہو جائے یا ہاتھ
لگانے سے چبھے۔ بہت سی اشیار میں یہ دیکھا گیا ہے
کہ ڈزائن بن جانے سے وہ کمزور بھی ہو جاتی ہیں۔
ڈزائن کا منشا ہمیشہ اُس کو مستحکم و استوار بنانے کا
ہونا چاہئے۔ مٹی کے برتنوں میں مڑی ہوئی
کنارے دار گردن کوئی عمدگی نہیں ظاہر کرتی
اور نہ اسکو مضبوط ہی بناتی ہے۔ ڈزائن سے
صرف خوبصورتی میں اضافہ کرنا کوئی خاص معنی
نہیں رکھتا۔

(۴) ساخت:۔ ڈزائن کی اہمیت کسی چیز کی
ساخت کو مخصوص کرنے میں ہے۔ اگر کوئی ڈزائن کسی
چیز میں جیسیں کہ لمبائی، اونچائی مخصوص ہے صرف
چوڑائی کے رُخ میں بنائی جائے تو وہ چیز کم اونچی
معلوم ہونے لگے گی۔ اس کے برعکس جو نتیجہ نکلتا ہے
وہ بھی صحیح ہے، لمبائی، چوڑائی اور اونچائی کے
علاوہ ہم کو اُس چیز کی گولائی میں رکاوٹ پیدا کریگا۔

وہ برتن چپٹا معلوم ہونے لگے گا۔ اس لئے برتنوں پر کی ڈزائن اگر بورڈر یا پٹی کی طرح ہوگی تو اسکی گولائی بڑھی ہوئی معلوم ہوگی اور اس چیز کی گولائی کو بھی قائم رکھے گی۔ اسی طرح ہر ایک چیز کی بیرونی ساخت کے خطوط کو بھی ہمیشہ مرکز ہی میں رہنا چاہئے جس سے ڈزائن ان خطوط کے محیط کو اور زیادہ بڑھاتے رہیں۔ ڈزائن سے یہ نہ معلوم ہونا چاہئے کہ بیرونی ساخت کے متعینہ خطوط منقطع ہو گئے ہیں۔ اس امر میں ہمیں مرقوم الذیل تین باتوں پر خاص توجہ دینی چاہئے۔

(۱) تناسب (۲) محیط (۳) بیرونی ساخت

ماسوا اسکے ہمیں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ڈزائن بہت زیادہ تعداد میں نہوں۔ ہوشیاری سے بنائی ہوئی تھوڑی سی ڈزائنیں، عجلت کے ساتھ بنائی ہوئی بہت زیادہ ڈزائنوں سے بدرجہا اچھی تصور کیجاتی ہیں۔

ڈزائنوں کا یہ منشاء قطعی نہیں ہے کہ وہ دوسری اشیاء کی ہیئت کو ایسا بدل دیں کہ وہ چیز کچھ اور ہی معلوم ہونے لگے۔ مثلاً برتن ایک برتن ہی معلوم ہونا چاہئے نہ کہ وہ مچھلی، بطخ، مرغی یا ہاتھی، گھوڑے کی شکل اختیار کرے۔ چراغدان کا کام ایک سانپ کے پھن یا کنول کے پھول سے لیا جائے اور قلمدان کا کام ایک کچھوے کی پیٹھ، چڑیوں کے پر یا مگر سے لیا جائے۔ مطلب یہ کہ جو چیز جس مقصد کے لئے بنائی جائے اس کی شکل اُسی سے متعلق اشیاء کی طرح ہونا ضروری ولازمی ہے۔ متذکرہ بالا اشیاء کا تعلق ان جانوروں کی شکلوں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی آجکل ایسی ہی بہت سی چیزیں بازار میں دیکھنے کو ملتی ہیں ایسا نہونا چاہئے۔ ڈزائن بہت سی چیزوں کی خرابیوں تیز نقائص دور کرنے کا بہترین آلہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کمرہ کم یا زیادہ اونچا ہے تو اس میں سیدھی یا پڑی پٹیاں درمیان درمیان ڈالدینے سے کمرے کی یہ کمی زیادتی دور ہوسکتی ہے۔ اسی طرح دروازے کی اونچائی یا چوڑائی بھی ضرورت کے مطابق گھٹائی بڑھائی جاسکتی ہے جس سے کہ آمدورفت میں آسانی ہو۔ دریؔ قالین اور پردوں کی ڈزائن بناتے وقت بھی اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے۔

(۵) رنگ :۔ رنگوں کے بارے میں یہ پوری طور سے بتایا جاچکا ہے کہ کن کن رنگوں کو ایک ساتھ لگانے سے خوبصورتی دوبالا کیجاسکتی ہے۔ پھر بھی یہاں پر یہ جان لینا ضروری ہے کہ ہر ایک چیز کو خوبصورت بنانے کے لئے اس میں قوت کشش اور آنکھ کو اپنے اوپر قائم رکھنے کی طاقت

ہونی چاہیئے دلکشی و دلآویزی کے لئے متناسب رنگ اور اسکو قائم رکھنے کے لئے برابر اور ساتھ نے رنگوں کا استعمال ہونا چاہیئے۔ اب تک ہم نے ڈزائن بنانے اور ان کو استعمال کرنے نیز بچوں کو شروع کرانے کے مخصوص مادّوں کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم یہ بتائیں گے کہ مٹی میں کن کن طریقوں سے ڈزائنیں بنائی جا سکتی ہیں۔ اور انکا استعمال کہاں کہاں ہو سکتا ہے۔ یہ ڈزائنیں مندرجہ ذیل اقسام کی ہوتی ہیں

نمبر ۱:۔ سطحی ڈزائن
نمبر ۲:۔ ڈبے کی ڈزائن
نمبر ۳:۔ کندہ کی ہوئی ڈزائن
نمبر ۴:۔ جالی دار ڈزائن
نمبر ۵:۔ بھری ہوئی ڈزائن (مجوّف ڈزائن)
نمبر ۶:۔ ابھری ہوئی ڈزائن ا۔ نشیبی
ب۔ درمیانی س۔ فرازی
نمبر ۷:۔ تاریخی ڈزائن جسکو انگریزی میں (Bas- [illegible]) کہتے ہیں۔
نمبر ۸:۔ رنگ کی ڈزائن (رنگین ڈزائن)

(۱) سطحی ڈزائن:۔ مٹی میں کسی چیز کو بنا لینے کے بعد اسکو یا تو چکنی کیجا سکتی ہے یا مختلف ذریعوں سے کھردری کیجا سکتی ہے۔ اور اس کھردراہٹ کی مقدار کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ جب ایک چکنی سطح اور زیادہ کھردری سطح پاس پاس بنائی جاتی ہیں تو اس سے کشش پیدا ہوتی ہے۔ اور جب چکنی سطح کے ساتھ ساتھ بالترتیب کھردراہٹ زیادہ کیجاتی ہے تو اس میں برابری پیدا ہو جاتی ہے اور یہی مساوات نیز برابری آنکھ کو قائم رکھنے کا کام کرتی ہے۔ سطح کو چکنا بنانے کیلئے چاقو کا دستہ نیز کوئی بھی چکنی چیز رگڑ کر بنائی جا سکتی ہے۔ اور مختلف اقسام کی کھردراہٹ پنسل کی نوک اور کنگھی و کیل وغیرہ سے بنائی جا سکتی ہے۔

(باقی دارد)

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب، مولوی، فاضل - ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربی، فارسی، اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس - قیمت ۲ آنہ -

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولس کے لیے مرتب کیا ہے - انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے - اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلیٰ درجے کا انتخاب ہے -

سونے کا نوالہ — مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی، ایم، اے - ال، ٹی - ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور -

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے - زبان نہایت صاف اور شستہ ہے - قیمت ۲ آنہ -

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفہ رام رگھبیر پرشاد - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۱۰ - قیمت ۴ آنہ -

الہ دین اور اُس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں -

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفہ منسکھ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۴۴ - قیمت ۴ آنہ -

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں -

---

گنجینۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسن صاحب، ماسٹر ٹیچر پارکر ہائی اسکول مرادآباد -

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق ہے - یہ اسم بامسمّی ہے - اس میں مختلف قسم کے ۱۰ سائنٹفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین محققین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں - مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اُس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستۂ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے - اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۴۷۰ ہیں - باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے -

---

"فرہنگ امثال" — مولفہ سید مسعود حسن صاحب رضوی - ایم، اے - لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی - لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم جیبی سائز، صفحات ۲۳۷ - قیمت ۱۰ آنہ -

یہ اردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے - عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں - ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے اُن کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے - ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے - طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے -

---

خطوط نویسی — مرتبہ مولوی محمد رفیع پھلوری، فاضل دیوبند - قیمت ۲ آنہ -

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں - عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے - بچوں کے لیے بیحد مفید ہے -

رائے صاحب رام دیال اگروالا، پرنٹر و پبلشر الہ آباد

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad

ستمبر سنہ ۱۹۲۳ع

ایڈیٹر
ڈاکٹر عباد الرحمن خاں
پی ایچ ڈی (لنڈن)

سررشتہ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودہ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۲ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اردو اور ہندی زبان میں الگ الگ رائے صاحب رام دیال اگروال پبلشر' الہ آباد' سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں پرچوں کی قیمت فی نمبر ۳ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم' مضامین بغرض اندراج رسالہ ہذا بھیج سکتے ہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں' ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم' اشارات' سائنس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں' قدرتی و طبعی مناظر' تعلیم نسواں' نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالہ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے معوض مضمون نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت برائے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ ان کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جائے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۳۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے' یہ یاد رکھیے -

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

شرح اجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۱۵ روپیہ	۲۲ روپیہ ۸ آنہ	۱۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	[illegible] روپیہ	۳۷ روپیہ ۸ آنہ	۶۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۲۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۱۰ روپیہ	۲۵ روپیہ آنہ	۳۵ روپیہ	۸۰ روپیہ

یہ اجرت دونی ہوجائے گی جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے گا - ہر حالت میں اجرت پیشگی لی جائے گی -

پبلشر- رائے صاحب رام دیال اگروال' الہ آباد

ایجوکیشنل گزٹ

جلد ۲۵ | ستمبر سنہ ۱۹۴۳ء | نمبر ۶

ڈزائن

مسٹر ستیش چندر گرگ بی۔اے۔ایل۔ٹی

گذشتہ سے پیوستہ
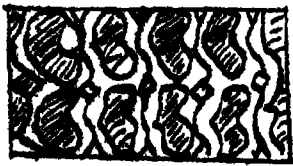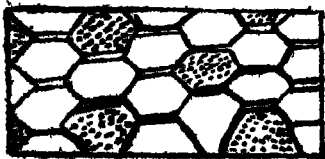
یہ کام اُس وقت تک ہو سکتا ہے جب کہ وہ چیز گیلی ہو۔ سوکھنے کے بعد پانی لگا کر یہ کام کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ اس قسم کی مختلف سطحوں پر اشکال کا بنانا نیز اس چیز پر نقش و نگار کرنے کا کام متذکرہ بالا قواعد و اصول کی بنا پر ہونا چاہیے۔ شکل نمبر ۱ میں ایسے دو ڈزائنوں کے نمونے دکھائے گئے ہیں جن میں پنسل کی نوک اور کنگھا استعمال کیا گیا ہے۔

شکل نمبر ۱

ا۔

ب۔

(۲) ڈبے کی ڈزائن:۔ مٹی کی گیلی سطح پر چھوٹی چھوٹی چیزیں دبا کر بہت خوبصورت

بورڈر یا آل اوور ڈزائنیں بنائی جاسکتی ہیں۔ اس کام کے لئے ٹین، کیل، پنسل کے سرے متعدد اقسام کے بیج و لکڑی کے ٹھپے بناکر استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ کچھ لکڑی کے ٹھپوں کے نمونے جن کو ہر ایک شخص چاقو سے چھیل کر بآسانی بنا سکتا ہے شکل نمبر ۲ میں دئے گئے ہیں جنکو مختلف ترتیب سے سجانے اور آراستہ کرنے سے نئی نئی ڈزائنیں بن سکتی ہیں۔ ان ٹھپوں سے بورڈر (Border) ڈزائن بہت اچھی بن سکتی ہیں

شکل نمبر ۲

ان اشیاء کے علاوہ طرح طرح کے بٹن انگوٹھی اور بازار کے بنے ہوئے لکڑی کے ٹھپے بھی کام میں لائے جا سکتے ہیں۔ مدرسین کو چاہئے کہ ان اشیاء کا انتخاب بچوں کی مرضی نیز قوت متصورہ پر چھوڑ دیں جس سے بچے عمدہ قسم کی بہت سی نئی نئی ڈزائنیں بنا سکیں۔

(۳) کندہ کی ہوئی ڈزائن:۔ مٹی کی گیلی یا سوکھی سطح پر تیز چاقو یا نہرنی (ناخون گیری) رکھانی سے کھود کر اچھے اور عمدہ قسم کے نقش و نگار بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ کام کچھ گیلی مٹی پر آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہاتھ اپنے قابو میں ہو جس سے ڈزائن صاف بنے۔ اس قسم کی ڈزائنیں بازار میں کانچ کی پیالیوں، قلمدان نیز دیگر اشیاء میں بخوبی دیکھی جاتی ہیں۔

(۴) جالی کی ڈزائن:۔ مٹی کی گیلی پلیٹ یا برتن کے اوپر کوئی بھی اسٹینسل کی ڈزائن کسی تیز لبے چاقو یا ناخن گیری سے کاٹا جا سکتا ہے۔ جس طرح اسٹینسل ڈزائن بنانے میں ٹائی وغیرہ کام میں لائی جا سکتی ہے اسی طرح یہ جالی کی ڈزائن کاٹنے میں بھی ٹائی وغیرہ کا خیال رکھنا چاہئے جس سے کہ ڈزائن مستحکم اور استوار رہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ بہت باریک ڈزائن نہ کاٹی جائے ورنہ اُن کے سوکھنے پر چٹک جانے کا احتمال ہے۔ یہ جالی دو طرح کی ہو سکتی ہے

ا- پورا بڑا بلاک
ب- چھوٹی اکائی

ا:- بڑے بلاک (Block) پختہ کرنے کے بعد روشندان و برآمدے کی جالی بنانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ برتنوں کے اوپر بھی اس قسم کی جالیاں کاٹ کر دیوالی کی قندیلیں بنائی جا سکتی ہیں۔ چھوٹی اکائیاں سیمنٹ سے جوڑ کر سائبان کے کٹہرے، بڑے بڑے روشندان و بڑی بڑی جالیوں کے بنانے کے کام میں لائی جا سکتی ہیں۔

(۵) **بھرائی کی ڈزائن:-** پہلے مٹی کی گیلی سطح پر کوئی بھی ڈزائن گہرا کھود کر بنا لی جاتی ہے اور اس میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ڈزائن کے اوپری کنارے بالکل صاف کٹے رہیں۔ سوکھنے کے بعد دوسرے رنگوں کی مٹی جیسے کھریا، ملتانی مٹی، گیرو وغیرہ بھر کر چاقو اور کرنی سے ہموار کر دینی چاہئے جو کہ پختہ کرنے کے بعد ڈزائن میں مضبوطی کے ساتھ بھر جاتے ہیں اور بہت خوبصورت ڈزائنیں آگ سے پک کر تیار ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کی ڈزائن مٹی کے برتن اور فرش کے ٹائلوں کے لئے بہت استعمال کی جاتی ہیں۔

(۶) **ابھری ہوئی ڈزائن:-** مٹی کی گیلی سطح پر ہاتھ سے یا کاغذ پر ڈزائن بنا کر عکس کر دیا جاتا ہے۔ ڈزائن عکس کرنے میں گیلی مٹی کی سطح کچھ ابھر سی جائیگی۔ جسکو کچھ تھوڑی سی اور مٹی لگا کر اس چیز کو قدرتی ابھار کے ساتھ بنایا جا سکتا ہے۔ بعدہٗ ڈزائن کے اندر کی سطح کو چاقو سے تراش کر ہموار کر دینا چاہئے اس طرح جو ابھری ہوئی ڈزائن تیار ہوتی ہے وہ نشیبی ابھری ہوئی ڈزائن کہلاتی ہے۔ یہ ڈزائن سکول دیوار کے ٹائل (Tile) پینلو (Panlow) اور برتنوں کے کام میں لائی جاتی ہے۔

ب:- نشیبی ابھری ہوئی ڈزائن کو اگر مٹی لگا کر اس ڈزائن کے قدرتی ابھار کے مطابق اور زیادہ ابھرا ہوا بنا دیا جائے تو وہ درمیانی ابھری ہوئی ڈزائن کہلائیگی۔ ایسی ڈزائن چھت کے ٹائل (Tile) وغیرہ بنانے کے کام میں آتی ہیں کیونکہ چھت پر لٹکے لگے رہنے پر وہ گرد آلود نہ ہو سکیں گی۔ نشیبی ابھری ہوئی ڈزائن اس کام کیلئے استعمال نہیں کیجا سکتی۔ کیونکہ وہ نیچے سے دکھائی نہ دے گی۔

س:- درمیانی ابھری ہوئی ڈزائن کو اگر کوئی مٹی لگا کر بالکل قدرتی ابھار کے مطابق بنائے تو وہ فرازی ابھری ہوئی ڈزائن بن جائے گی ایسی ڈزائن بنانے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مٹی تھوڑی

تھوڑی کرکے لگائی جائے۔

اس قسم کی ڈزائنیں بینا۔ر کی دیواروں اور مورتیوں کے بنانے کے کام میں لائی جاتی ہیں۔

(۷) تاریخی ڈزائن یا (Bas relief) Basdiznola) مٹی کی گیلی سطح پر دوسری مٹی کو پہلے پلیٹ کی ڈزائن کاٹ کر چپکا دیا جاتا ہے جس سے کنارے میں قدرتی اُبھار کے مطابق اُبھار رہجاتا ہے۔ایسی ڈزائنیں مصر کے پرینڈ کی دیواروں پر بہت پائی جاتی ہیں اور نام کی تختی نیز سائن بورڈ بنانے کے کام میں بھی لائی جا سکتی ہیں۔

(۸) رنگ کی ڈزائن:۔ رنگوں سے پینٹ کرکے متعدد اقسام کی ڈزائنیں بنائی جا سکتی ہیں جن میں آبری کے ڈزائن۔ انگلی، کنگھی، مار بلنگ اور اسپرے کے طریقے سے بنائی جاتی ہے۔اسٹینسل تو کنارے کاٹ کر پورے کئے جاتے ہیں اور ٹھپہ جنکو آلو، لکڑی، ربڑ کو کاٹ کر بنا سکتے ہیں۔یہ سب طریقے اس میں شامل ہیں۔پنسل سے کوئی بھی ڈزائن بنا کر مختلف رنگ بھرنے کا کام بہت آسانی سے مٹی کی سطح کے اوپر ہو سکتا ہے۔مختلف اقسام کے رنگوں کا بیان مٹی کے برتن پر رنگ کرنے کے متعلق بتایا جا چکا ہے۔ڈزائن کو خوبصورت اور دلکش بنانے کے لئے رنگوں کا استعمال بھی اسٹوالڈ رنگوں کے ساتھ بتایا جاچکا ہے۔

مدرسین کو چاہئے کہ ڈزائن بنانے کے ان مختلف طریقوں کو کام میں لاتے رہیں۔ اور کسی ایک طریقہ کا پابند بن کر نہ رہیں۔

اسکولوں میں اجتماعی زندگی کی تعلیم

:طریقہ تعلیم:

مسٹر برجموہن گپتا ایم۔اے۔ایل۔ٹی بیسک ٹریننگ کالج الٰہ آباد

گذشتہ سے پیوستہ

اجتماعی زندگی کی تعلیم اور اس کے طریقہ تعلیم پر غور کرنے سے قبل یہ بات واضح طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ یہ مضمون نصاب تعلیم دیگر مضامین سے کچھ مختلف قسم کا ہے۔ زبان۔ ریاضی یا تاریخ پڑھاتے وقت مدرسین کو عموماً اس بات پر توجہ رکھنی پڑتی ہے کہ وہ آسان سے آسان طریقہ سے اپنے مضمون کا پڑھاؤ

سے زیادہ علم دلچسپی کے ساتھ بچّوں کو کرادیں۔ اجتماعی زندگی کی تعلیم کا مقصد طلبہ کو اِس مضمون کا علم کرانا اتنا نہیں ہے جتنا اس کی تعلیم دینا یعنی عملی طور پر ان کی عادات کی نشوونما کرنا۔ ڈاکٹر جارج کرشن نشائینز نے (Education for Citizeship.) "مدنیت کی تعلیم" نامی کتاب میں تحریر کیا ہے "ہمارے اسکولوں میں سب سے اہم مسئلہ علم تمدن و معاشرت کی معلومات کرانا ہی نہیں ہے بلکہ بچّوں کو اجتماعی اوصاف حمیدہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عادی بنانا ہے۔"

چنانچہ اجتماعی زندگی کی تعلیم بچوں کو نصاب کا پورا پورا علم کرادینے پر بھی اگر ہر ایک کے روزمرّہ زندگی میں اجتماعی نقطۂ نگاہ کی وسعت نہیں کرپاتی تو اُس تعلیم کو ناکامیاب کہا جائیگا۔ اس لئے طریقۂ تعلیم کے لفظ کا جو مطلب دیگر مضامین کے سلسلہ میں ہوتا ہے وہ مطلب اس مضمون کے متعلق نہیں ہوتا۔

اجتماعی زندگی کی تعلیم دینے کے طریقہ کو ہم دو حصوں میں منقسم کرسکتے ہیں (۱) بالواسطہ (۲) بلاواسطہ

(۱) بالواسطہ:۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ دیگر مضامین کی تعلیم دیتے وقت ہم بچوں کو اجتماعی زندگی کی تعلیم بھی دے سکتے ہیں۔ تاریخ، جغرافیہ اور زبان کے مضامین اس نسبت سے بہت مفید ثابت ہوئے ہیں تاریخ کی تعلیم دیتے وقت ہم بچّوں میں وطن پرستی کے جذبہ کو رونما کرسکتے ہیں۔ ہم اُنھیں تاریخی واقعات کے ذریعہ یہ سمجھا سکتے ہیں کہ کس طرح حکومت کی ترقی و تنزلی ہر ایک فرد کی بھلائی برائی و نیز ترقی و تنزلی کے احساس پر مبنی ہوتی ہے۔ دنیائے تاریخ کی شخصیتیں ہمارے بچّوں کے سامنے اجتماعی اوصاف حمیدہ کی زندہ مثال پیش کرسکتی ہیں۔

جغرافیہ کی تعلیم بچوں کے نقطۂ نظر کو وسعت دینے میں ممدّ و معاون ہوتی ہے۔ اس مضمون کی تعلیم کے ذریعہ ہم بچوں کو بخوبی بتاسکتے ہیں کہ چھوٹے سے گاؤں یا مزرعہ کے ایک کونے میں رہنے والے انسان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے والا اجتماعی نظام کس طرح ضلع، صوبہ، ملک و نیز دنیا کے دیگر ممالک پر مشتمل ہے اور اس طرح سے کوآپریشن یا امداد باہمی کی جبلت کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ بھی سمجھا سکتے ہیں کہ انسانی زندگی اس اجتماعی نظام کے بغیر کس طرح ناممکن ہو جائے گی۔ جغرافیہ کی مناسب تعلیم بچوں کے دلوں میں ہمدردی اور شفقت باہمی کے جذبات پیدا کرتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ جذبات اپنے ماحول سے نکل کر ضلع صوبہ ملک اور دنیا کے دیگر ممالک کے بسنے والوں تک پہنچتے ہیں۔

زبان تو حقیقت میں اجتماعی زندگی ہی کا طفیل ہے۔ باہمی ارتباط اور خیالات کے اختلاط ہی نے زبان کو مبعوث کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُسے وسعت بھی دی ہے جب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر زبان کی تعلیم دی جاتی ہے تو اس سے بچوں میں اجتماعی زاویۂ نگاہ کی نشوونما ہوتی ہے۔

پروفیسر تن ریاضی کی تعلیم کو بھی تمدن و معاشرت سے متعلق کرنے کا حامی ہے اسکا قول ہے کہ طلبہ کو میونسپل ٹیکس (محصول) وغیرہ سے متعلق سوالات بھی کرائے جائیں۔ اس طرح انھیں بہت سی اُن باتوں کا بھی علم ہو جائیگا جنکی ضرورت انکو مدنی زندگی میں پڑتی ہے۔ اجتماعی زندگی کی تعلیم کے لئے چھوٹی کہانیاں و نیز اصلی یا فرضی واقعات کا بیان بھی جنکی طرف گذشتہ مضمون میں اشارہ کیا جاچکا ہے اسی مصدقہ و مستحکم طریقے کے تحت میں آتے ہیں۔ اس ضمن میں کہانی کے اسباق اُسی طرح لئے جائینگے جس طرح زبان کے اسباق لئے جاتے ہیں۔ پہلے مدرس سماج کی خصوصیات و نیز متعلقہ مسائل کے بارے میں جنکی طرف کہانی میں اشارہ کرتا ہے طلبہ سے کچھ سوالات تمہیدی طور پر کریگا اس طرح سے کہانی کے لئے درجے میں ایک مناسب ماحول تیار کریگا۔ بعدہٗ طلبہ کو کہانی سنائیگا۔ اگر سنانے کے لئے کہانی کو دو یا تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے تو ہر ایک حصے کے بعد اُسی سے متعلق کوئی تصویر طلبہ کو دکھائی جاسکتی ہے اور اُسی تصویر کے ماتحت بچوں سے سوالات بھی کئے جاسکتے ہیں لیکن وہ سوالات ایسے ہوں جو کہ اُس اجتماعی اوصاف حمیدہ کے مسئلے و نیز مثال کی طرف اشارہ کریں جو کہ کہانی میں آئے ہیں۔

اجتماعی زندگی کی تعلیم دینے کے لئے کہانی کا استعمال کرتے وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ کہانی سنانے کے بعد مدرس جماعت کے بچوں سے بھی وہ کہانی کہلوائے۔ پوری کہانی سنانے کے بعد اسکے اچھے اوصاف و نیز اہم مسائل پر درجہ میں بچوں سے بحث و تمحیص کرنی چاہئے۔ آخر میں اُن سے پوچھنا چاہئے کہ اگر ایسی صورت ہم لوگوں کے سامنے آجائے تو ہم لوگ کیا کریں گے۔

(۲) بلاواسطہ۔ اِس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ بچوں کو مفید عادت کا عادی بنانا جیسے (صفائی کے ماتحت) مسواک یا داتون کرنا۔ صاف رہنا وغیرہ وغیرہ

۲۔ اجتماعی زندگی کے کسی بھی پہلو کا مشاہدہ و نیز فیصلہ کرنا اور اُسمیں بچوں کو خود حصہ لینے کا موقعہ دینا۔

۳۔ گاؤں، شہر، صوبہ اور ملک کی اجتماعی حالت و نیز انتظام سلطنت سے علاقہ رکھنے والے قواعد و آئین کی معلومات کرانا۔

(۱) کسی بھی مفید عادت کا عادی بنانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس کا فائدہ بچوں کی سمجھ میں بخوبی آجائے۔ بطور مثال دانتوں کی صفائی کو لے لیجئے۔ سرسری طور پر صفائی کے اوپر سوالات کرتے ہوئے ہم منہ کی صفائی پر آسکتے ہیں اور مناسب سوالات کی مدد سے ہم طلبہ کو یہ سمجھا سکتے ہیں کہ منہ کی صفائی نہ کرنے سے دانتوں کو کیا کیا نقصانات پہنچتے ہیں اور ان سے کون کون سے امراض پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بعدہٗ منہ اور دانتوں کی صفائی کے لئے استعمال کی جانے والی مختلف اشیا کے متعلق کچھ سوالات پوچھے جاسکتے ہیں اور اسکے بعد کچھ مناسب سوالات کی مدد سے بچوں کو سمجھایا جاسکتا ہے کہ آسانی، فائدہ اور سستا ہونے کے لحاظ سے اس کام کے لئے استعمال کی جانے والی اشیاء میں سواک سب سے اچھی چیز ہے آخر میں طلبہ کو سواک دے کر بذریعہ عمل یہ سمجھانا چاہئے کہ سواک کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ کیا ہے مدرس کو دیکھنا چاہئے کہ ہر ایک طالبعلم کو سواک کرنیکا صحیح طریقہ آجائے۔ جو طالب علم ٹھیک طور سے سواک نہ کرتا ہو اُسے سواک کرنے کا صحیح طریقہ مدرسین کو خود بتانا چاہئے۔

(۲) اسکے علاوہ اسکول میں بچوں کا ایک چھوٹا سا بازار کھلوایا جاسکتا ہے۔ طلبہ کوآپریٹو اسٹور یا سیونگ بینک بھی کھول سکتے ہیں یا اسی قسم کا کوئی اور کام بھی منتخب کیا جاسکتا ہے اس قسم کے کاموں کو تیار کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا ذمہ دار بچوں کو ہی ہونا چاہئے۔ مدرسین کا کام یہ دیکھنا ہے کہ جملہ امور خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں۔ اس قسم کے کاموں سے طلبہ کو باہمی ارتباط و نیز دیگر باتوں کی تعلیم ملے گی۔ جو ان کے آئندہ معاشرتی زندگی میں کام آئے گی۔ اس قسم کے کاموں کے ذریعہ طلبا کو لین دین، خرید و فروخت اور حساب کتاب وغیرہ کے علاوہ روز مرہ زندگی کے دیگر امور کی تعلیم بھی دیجاسکتی ہے۔

(۳) علاوہ ازیں دیہاتی پنچایت سے لیکر پورے ملک کا انتظام و نیز حکومت کے طریقے بچوں کو بتائے جائیں۔ جیسے جیسے بچے اونچی جماعتوں میں پہنچتا جائیگا ویسے ہی ویسے اسکی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا جائیگا۔ طلبہ کو اس قسم کی معلومات کرانے کے لئے تعلیم کے وہی طریقے استعمال میں لانے چاہیں جو بآسانی تاریخ و جغرافیہ کے ماتحت مستقل ہوں۔

ای۔ اے۔ بی۔ کمیٹی نے ان مروجہ اور مفید طریقوں کے علاوہ اجتماعی زندگی کی تعلیم دینے کا ایک دوسرا عمدہ طریقہ بتایا ہے۔ مدرسین جماعت میں طلبہ سے سوالات پوچھ سکتے ہیں کہ اُن کے والدین اور وارث اپنے

ضروریات زندگی کس طرح پر مہیا کرتے ہیں نیز بہم پہونچاتے ہیں پھر سوال وجواب کی مدد سے اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ اس طرح سے درجہ میں ڈاکٹر، وکیل، کلرک، مدرس، کسان، بڑھئی، لوہار غرضیکہ سوسائٹی کے ہر ایک قسم کے مفید افراد، ممبر نیز اُن کے اور فرائض کے متعلق اجتماعی صورت میں سوچنے کا اچھا خاصہ موقع ملجائے گا۔

جے۔ ایچ۔ نکلسن نے اپنی "تعلیم اور موجودہ ضروریات" نامی کتاب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بقدر خواہش وضرورت قوت متخیلہ کو رونما کرنے کے لئے اجتماعی زندگی کی تعلیم کو کسی مفید اور مستحکم بنیاد پر مربوط کر دینا چاہئے۔ ہم اکثر خدمت کے جذبہ کو اُبھارنا چاہتے ہیں اور اسکے بعد اُس جذبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کسی کام کے متلاشی ہوتے ہیں لیکن یہ اصول نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے صحیح نہیں ہے طلبہ کے سامنے کوئی ایسی حالت یا مسئلہ پیش کیجئے جہاں اُن کی امداد ضروری و لازمی ہو۔ اس سے اُن کے اندر خدمت کا جذبہ بہت اچھی طرح سے رونما ہوجائے گا۔ سماج یا معاشرت کی خدمت میں لگے ہوئے افراد کی زندہ مثال طلبہ میں خدمت خلق کا جذبہ اُبھارنے میں کافی مدد دے سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی سماج یا سوسائٹی میں ایسا کوئی نمونہ نہیں ہوتا تو وہاں تھوڑی بہت مشکلات ضرور لاحق ہوتی ہیں۔ ایسی صورتوں میں کوئی کام ایسا لیا جا سکتا ہے جسمیں طلبہ کو خدمت کا عملی موقعہ مل سکے اور جوان کے لئے کافی دلچسپ بھی ہو۔ بطور مثال ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کسی موضع میں ملیریا یا فصلی بخار پھیلا ہو تو اسکے انسداد کا انتظام طلبہ کیلئے دلچسپ بھی ہوگا اور اُس سے ان کو خدمت کا عملی موقعہ بھی ملے گا۔

اسی طرح سے اچھوتوں کی پریشان حالی اور تنگ و تاریک زندگی کا پورا نقشہ پیش کر کے بچوں کی توجہ اُن کی بستی کی مضر صحت حالت کو سدھارنے کی طرف مبذول کرائی جا سکتی ہے۔ طلبہ کو میلوں، تماشوں اور پولنگ اسٹیشنوں وغیرہ پر لیجا کر ان کو سماجی باتوں سے عملی طور پر آشنا کرانا چاہئے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر بچوں کو اس امر کا بھی اندازہ ہوگا کہ کس طرح سماج کے مختلف افراد و حصے اپنی بقا اور ضروریات زندگی کے لئے امداد باہمی کے محتاج ہیں۔

سی۔ واشبرن نے "اسکول کو بچوں کی ضروریات کے مطابق بنانا" (Adjusting the School to the Child) نامی کتاب میں دکھایا ہے کہ کس طرح اسکول میں بچوں کی اسمبلی اور پارلیمنٹ، و نیز اسی قسم کی دیگر انجمنیں اور ادارے اجتماعی زندگی کی تعلیم دینے کا جتنا کام کرتے ہیں اتنا درجے میں پڑھاتے ہوئے متعدد اسباق بھی نہیں

تاژن کی کہانی

(از جناب سیتارام نگم بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی الہ آباد)

(کانسے کے ہتھیاروں کا بننا)

بچو! تم ابھی تک کئی کہانیاں پڑھ چکے ہو۔ ٹلو کی کہانی میں تم نے پڑھا ہے کہ شروع زمانے کا انسان بالکل جنگلی تھا۔ وہ جنگل میں رہتا تھا۔ اس جنگل میں بہت سے خوفناک جانور بھی رہتے تھے۔ اُن سے بچنے کے لئے وہ اپنا زیادہ وقت درختوں پر ہی گذارتا تھا۔ صرف بھوک لگنے پر ہی نیچے اترتا تھا۔ اس جنگل میں جو کچھ بھی مل جاتا اُس سے اپنا پیٹ بھر لیتا تھا جیسے کہ قندیں۔ جڑیں پھل اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کا کچا گوشت وغیرہ۔ ان جانوروں کا وہ شکار کرتا تھا۔ اُس کے ہتھیار بھدے ہوتے تھے اور پتھر کے بنائے جاتے تھے آہستہ آہستہ اس انسان نے ترقی کی۔ اُس نے بہت سی باتیں جان لیں۔ رفتہ رفتہ اُس نے اپنے ہتھیاروں کو اچھا کیا۔ اب ہتھیار چکنے۔ چمکیلے اور تیز ہونے لگے۔

آہستہ آہستہ اس انسان نے اور ترقی کی۔ اگنو کی کہانی میں تم نے پڑھا ہے کہ کس طرح وہ آگ بنانا جان گیا۔ جس سے اس کی زندگی میں کئی ایک تبدیلیاں ہوگئیں۔ اُس نے درختوں پر رہنا چھوڑ دیا اور رات کو بھی اب زمین پر ہی سونے لگا۔ پھر بارش اور سردی سے بچنے کیلئے کھوہ میں رہنے لگا۔ آگ بنانا جان لینے سے ایک اور فائدہ ہوا۔ اب اس زمانے کے لوگ گوشت کو بھون کر یا اُبال کر کھانے لگے۔ جگنو اور چپی کی کہانی سے تمھیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ کس طرح اُن کو تصویر بنانا آگیا اور کس طرح سے انھوں نے جانوروں کو پالنا شروع کر دیا۔

اسی طرح آہستہ آہستہ شروع زمانے کے انسانوں کی زندگی میں اور بھی تبدیلیاں ہوگئیں۔ ان لوگوں نے اب کھوہوں کا بھی رہنا چھوڑ دیا۔ یہ لوگ جھنڈ کے جھنڈ جانوروں کو لئے اور گھاس کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ جہاں کہیں بھی گھاس کا بڑا میدان دیکھتے ڈیرے ڈال کر رہ جاتے۔ گھاس ختم ہو جانے پر وہاں سے ڈیرے اُکھاڑ لیتے اور پھر اپنے چوپایوں کو لے کر اِدھر اُدھر گھومنے لگتے۔ اس طرح کھوہ کے رہنے والے خانہ بدوش چرواہے ہوگئے۔ تتلی کی کہانی سے تم جان گئے ہوگے کہ انسانوں کے کیسے کیسے عجیب عقیدے تھے۔ اس کہانی سے تم کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان لوگوں نے کس طرح مٹی کے برتن بنانا و پکانا سیکھ لیا۔

اب تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ اِس وقت تک شروع

زمانے کے انسانوں کی زندگی میں بہت کچھ تبدیلیاں آچکی تھیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ساری تبدیلیاں بہت کم دنوں میں ہو گئیں۔ نہیں۔ ان تبدیلیوں کے ہونے میں دس نہیں۔ بیس نہیں۔ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں سال لگ گئے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ شروع زمانے کے سب کے سب انسان چرواہے ہو گئے تھے۔ نہیں۔ کچھ مقاموں کے انسانوں میں زیادہ تبدیلیاں ہوئیں اور کچھ مقاموں کے انسانوں میں کم۔ اب بھی بہت سے ایسے انسان تھے جو کہ اپنی زندگی شکار کر کے گذارتے تھے۔ ان شکاریوں کا زیادہ وقت اب بھی جانوروں کا شکار کرنے اور اپنے ہتھیار بنانے میں لگتا تھا۔ اگر انکے پاس کافی ہتھیار نہ ہوتے تو وہ شکار کس طرح کرتے اور اپنا پیٹ کس طرح بھرتے۔ ہتھیار بنانے میں بڑی محنت کرنی پڑتی تھی۔ ایک ایک پتھر کے ٹکڑے کو کئی کئی دن تک گھسنا پڑتا تھا۔ ٹلو کی کہانی میں تم پڑھ چکے ہو کہ بعد میں ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک طرح کا پتھر ہوتا ہے۔ جسے چق مق کہتے ہیں۔ یہ نرم ہوتا ہے اور آسانی سے گھس جاتا ہے اور گھس جانے کے بعد اچھا کام کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں چمک بھی اچھی آتی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوئی تو یہ لوگ اس پتھر سے ہتھیار اور اوزار بنانے لگے۔ اس وقت کے شکاری بھی چق مق پتھر سے ہتھیار بناتے تھے۔ لیکن یہ پتھر آسانی سے نہ ملتا تھا۔ اس وجہ سے

یہ لوگ اس پتھر کی تلاش میں زمین کو بہت گہرائی تک کھودتے جاتے تھے۔ اور کھود کھود کر اس پتھر کو باہر نکالتے اور ہتھیار اور اوزار بناتے۔ ایک بات اور تھی جو چق مق پتھر زمین کے اندر سے نکلتا تھا وہ زمین کے اوپر پڑے ہوئے پتھر کے مقابلہ میں زیادہ ملائم ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اور بھی یہ لوگ زمین کے اندر سے ہی پتھر کھود کر نکالتے تھے اور آسانی سے اپنے ہتھیار بنا لیتے تھے۔ لیکن زمین کے اندر سے چق مق پتھر نکالنے میں بڑی محنت کرنی پڑتی تھی۔ وہ زمین کے اندر لمبی لمبی سرنگیں کھودتے تھے۔ مٹی کو کھودتے کھودتے بہت دور تک چلے جاتے تھے۔ کھودنے سے جو مٹی نکلتی تھی اُسے نکال کر باہر ڈالے جاتے تھے۔ اگر سرنگ کے اندر اندھیرا ہوتا تھا تو وہاں جانوروں کی چربی جلا کر اُجالا کر لیتے تھے۔ اس سرنگ میں جتنے بھی چق مق پتھر کے ٹکڑے ملتے اُن کو وہ نکال لیتے اور اُن سے وہ خوبصورت ہتھیار بنا لیتے تھے۔

انھیں شکاریوں میں ایک آدمی تھا۔ اُس کا نام تازن تھا۔ وہ اکیلا نہ تھا۔ اُس کے چار لڑکے تھے۔ ایک کا نام رازن۔ دوسرے کا نام قازن تیسرے کا نام فازن اور چوتھے کا نام عازن تھا۔ تازن زمین کھود کر چق مق پتھر نکالنے کا کام کرتا تھا۔ تازن اور اس کے چاروں بیٹے بڑی مشقت کے ساتھ زمین کھودنے اور اُس سے چق مق پتھر نکالتے تھے۔ اس کام میں ان کا

سارا وقت لگ جاتا تھا۔ اس وجہ سے یہ لوگ جنگل میں شکار کرنے نہ جا سکتے تھے۔ آس پاس کے شکاری اور چرواہے ان سے چق مق پتھر لے جاتے اور ان کو گھس کر اپنے ہتھیار اور اوزار بناتے۔ اس کے بدلے میں اُن کو کھانے کا سامان اور دوسری چیزیں جیسے چمڑے، کھالیں اور ہتھیار دئے جاتے تھے۔ کوئی شکاری ان کو کچھ گوشت شکار کرکے دے جاتا تھا۔ کوئی چرواہا ان کے لئے دودھ، دہی لے آتا تھا۔ اس طرح ان کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہوتی تھی۔ یہی لوگ انھیں پہننے کے لئے اور ڈیرے بنانے کے لئے کھالیں دے جاتے تھے۔ اسلئے تازن اور اُس کے لڑکوں کو زمین کے اندر سے چق مق پتھر نکالنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ ان کا تمام وقت اسی کام میں لگ جاتا تھا۔ ان کو بڑی محنت کرنی پڑتی تھی۔ کام اتنا زیادہ تھا کہ جب ان لڑکوں کی ماں کو گھر کے کام سے فرصت ملتی تو وہ بھی ان کے کام میں ہاتھ بٹاتی تھی۔

ایک دن کی بات ہے۔ تازن اور اس کے لڑکے سرنگ کھودنے میں لگے تھے۔ تازن زمین کے اندر مٹی کھودتا۔ رازن مٹی کو ڈلیوں میں بھرتا۔ قازن، فازن اور غازن مٹی سے بھری ہوئی ڈلیوں کو سر پر رکھ کر باہر لاتے اور مٹی کو باہر چھوڑ جاتے۔ اور پھر اندر چلے جاتے۔ جب کبھی کھودتے کھودتے کوئی چق مق پتھر کا ٹکڑا مل جاتا تو ان کو بڑی خوشی ہوتی۔ کچھ دیر تک تو ان لڑکوں کی ماں بھی ان کی اس کام میں مدد کرتی رہی لیکن جب سورج کافی اوپر چڑھ آیا تو وہ وہاں سے چلی گئی اور کھانا پکانے کا انتظام کرنے لگی۔ وہ نزدیک کے ایک درخت کے نیچے گئی۔ یہاں بھی سرنگ سے لائی ہوئی کچھ مٹی پڑی تھی۔ لیکن اُس نے دھوپ کی وجہ سے اس درخت کے نیچے کھانا پکانا پسند کیا۔ اُس نے اس مٹی کو برابر کیا۔ وہ کچھ سوکھی لکڑیاں توڑ لائی اور ان کو اسی جگہ پر رکھا۔ پھر اُس نے دو چق مق پتھروں کو رگڑ کر ان میں آگ لگادی۔ آج صبح ایک شکاری چق مق کے بدلے انھیں کافی گوشت دے گیا تھا۔ اس گوشت کو اس نے ایک ہانڈی میں پانی بھر کر اور اُسے اُس میں ڈال کر پکانا شروع کردیا۔ جب گوشت پک کر تیار ہوگیا تو اُس نے اپنے چاروں بیٹوں اور اُن کے باپ کو کھانے کے لئے بلایا۔ اُنھیں بڑی زور کی بھوک لگی تھی۔ انھوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ بعد کو ان کی ماں نے اُنھیں اپنے ڈیرے سے لاکر کچھ پھل کھانے کو دئے۔ سب نے ان پھلوں کو بھی کھایا۔ پھر ماں نے پیالے میں بھر کر پانی پینے کو دیا۔ سب کے بعد ماں نے بھی کھایا۔

اس وقت تک دھوپ بہت تیز ہوگئی تھی۔ اب سب لوگ کھا کر اسی درخت کے سایہ میں آرام کرنے لگے۔ دو تین گھنٹے تک یہ لوگ اس جگہ پر سوتے رہے۔ سب سے پہلے باپ کی آنکھ کھلی۔ اُس نے دیکھا کہ سورج

کافی نیچے جا چکا ہے۔ اب دھوپ تیز نہیں رہی تھی اور کافی ٹھنڈا ہو چکا
تھا اس لئے سب لوگوں کو جگایا اور کام پر چلنے کو کہا۔ سب لوگ جاگ گئے اور
کام پر چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ تاآزن نے اپنی پتھر کی کدالی پیڑ کے نیچے
سے اُٹھائی اور سرنگ کی طرف جانے لگا۔ اسکے پیچھے اُسکے لڑکے چلے۔ تاآزن
سرنگ کی طرف جاتے وقت اس مقام سے گذرا جہاں پر ان لڑکوں
کی ماں نے کھانا پکانے کے لیئے آگ جلائی تھی۔ اب
یہ آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ صرف کچھ راکھ پڑی تھی۔ تاآزن
جب اس راکھ کے ڈھیر کے پاس پہنچا تو اس کی نظر اس
راکھ کے ڈھیر پر گئی۔ اُس نے دیکھا کہ کنڈی کی سفید سفید
راکھ میں کوئی لال لال چمکدار چیز پڑی ہے۔ اس چیز کو
دیکھ کر وہ رک گیا اور اپنی کدال سے اُس نے اُس چیز کو
باہر نکال لیا۔ اب سب لوگ اس چیز کے چاروں طرف
جمع ہو گئے۔ تاآزن نے اُس چیز کو اپنے ہاتھ میں اُٹھایا
اس چیز کو دیکھ کر سب کو بڑا تعجب ہوا۔ یہ چیز پتھر نہ تھی۔
رازن دوڑتا دوڑتا اپنے ڈیرے کے اندر گیا اور پتھر کا
ہتھوڑا اُٹھا لایا۔ اُس نے اُس چیز کو اپنے باپ کے ہاتھ
سے لے لیا۔ اُس نے اسے ایک پتھر کی چٹان پر رکھا اور
اور اپنے پتھر کے ہتھوڑے سے پیٹنے لگا۔ مگر اس چیز
کے ٹکڑے نہ ہوئے۔ اُس نے تین چار وار اور کئے۔

اس طرح سے پیٹنے سے یہ چیز بڑھ گئی اور پتلی ہو گئی
لیکن ٹوٹی نہیں۔ آخر یہ چیز کیا تھی۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔
تاآزن نے لڑکوں کی ماں سے پوچھا کہ جب اُس نے
یہاں پر آگ جلائی تھی تو یہاں پر کوئی چیز پڑی تو نہ تھی۔
اُس نے جواب دیا کہ یہاں سرنگ سے نکلی ہوئی کچھ مٹی
پڑی تھی۔ اُس میں کچھ مٹی کے ڈھیلے تھے انھیں کو برابر
کرکے میں نے آگ جلائی تھی۔

تاآزن نے پاس پڑے کچھ مٹی کے ڈھیلے اُٹھائے
اور انھیں اُس نے رازن کی ماں کو دکھایا۔ اور پوچھا کہ
کیا وہ ڈھیلے اس طرح کے تھے۔ اُس کی عورت نے
جواب دیا کہ ہاں وہ ڈھیلے ایسے ہی تھے۔ یہ سنکر تاآزن نے
ان ڈھیلوں کو زمین پر رکھا اور ان کے اوپر سوکھی لکڑیوں
کو جمع کیا اور ان میں چق مق پتھر سے گھس کر آگ لگا دی۔
سب کے سب دیکھنے لگے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ تھوڑی
دیر میں آگ خوب زوروں سے جلنے لگی۔ جب آگ
خوب تیز ہو گئی تو یہ ڈھیلے بھی انگاروں کی طرح لال ہو گئے
تھوڑی دیر کے بعد یہ مٹی کے ڈھیلے بالکل سرخ اور پانی
کی طرح رقیق ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہ پانی بہہ کر آگ کے باہر
بھی آگیا۔ تھوڑی دیر میں یہ گاڑھا ہونے لگا اور کچھ دیر
کے بعد لال پتھر کی طرح ہو گیا۔ تاآزن نے اس لال پتھر کو
اُٹھانا چاہا لیکن جیوں ہی اُس نے چھوا اُس کا ہاتھ
جل گیا۔ یہ دیکھ کر تاآزن دوڑتا ہوا ڈیرے کے اندر گیا اور
ایک پیالے میں پانی بھر کر لے آیا اور اس کے اوپر چھوڑ دیا۔
اب یہ چیز ٹھنڈی ہو گئی اور ویسی ہی ہو گئی جیسی کہ
تاآزن کو راکھ کے ڈھیر میں ملی تھی۔ تاآزن نے اُسے

اُٹھا لیا اور تارزن سے پتھر کے اوپر پیٹنے کو کہا۔ اس دفعہ بھی ہتھوڑے سے پیٹنے سے یہ چیز ٹوٹی نہیں لیکن بہت پیٹنے سے پتلی ہو گئی۔ یہ دیکھ کر سب کو یقین ہو گیا کہ سرنگ کے اندر کے مٹی کے ڈھیلے بھی گرم ہونے اور پھر ٹھنڈے ہونے پر ایسے ہو جاتے ہیں۔

اس طرح کی چیز پاکر تارزن کو بڑی خوشی ہوئی۔ ابھی وہ اپنے ہتھیار اور اوزار پتھر کے بناتا تھا۔ ان کو بنانے میں بڑی محنت کرنی پڑتی اور چوٹ لگنے پر ٹوٹ بھی جاتے تھے۔ اس چیز کو پاکر اُس نے سوچا کہ یہ چیز انوکھی ہے۔ آگ میں ڈالنے سے پانی کی طرح ہو جاتی ہے اور پھر ٹھنڈی ہونے پر سخت پتھر کی طرح ہو جاتی ہے۔ اگر زمین میں بھالے کی شکل کا گڈھا کھود کر اور اس میں اس مٹی کے ٹکڑوں کو بھر کر اُن کے اوپر آگ جلا دینے سے بھالا بن جائے تو کیسا اچھا ہو۔ یہ سوچ کر اُس نے زمین میں ایک گڈھا کھودا جو کہ بھالے کے پھل کی شکل کا تھا۔ اس میں اُس نے سرنگ سے نکلے ہوئے مٹی کے ٹکڑوں کو چور چور کر کے بھر دیا اور ان کے اوپر آگ جلا دی۔ جب آگ ٹھنڈی ہو گئی تو اُس نے دیکھا کہ وہ گڈھا ایک لال رنگ کی چیز سے بھر گیا ہے۔ اُس نے اُسے کھود کر نکال لیا۔ یہ چیز بالکل اُسکے بھالے کے پھل کی طرح تھی۔

اس بھالے کے پھل کو دیکھ کر سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ جو بھالا کئی دن کی مشقت کے بعد تیار ہوتا تھا وہ صرف کچھ گھنٹوں میں بن کر تیار ہو گیا۔ ساتھ ساتھ یہ بھالا پتھر کے بھالے سے کئی باتوں میں اچھا تھا کیونکہ پتھر کے بھالے کے ٹوٹ جانے کا ڈر تھا لیکن یہ بھالا ٹوٹ نہ سکتا تھا۔ اور اپنی خوشی کے مطابق چھوٹا، بڑا، موٹا، پتلا یا نوکیلا بنایا جا سکتا تھا۔ یہی آسانی پتھر میں نہ تھی۔

تارزن اور اس کے ساتھی اب اس مٹی کو آگ میں گلا کر اور زمین میں مختلف سانچے بنا کر اس سے طرح طرح کے ہتھیار اور اوزار بنانے لگے۔ بعد کو یہ چیز "تانبے" کے نام سے مشہور ہو گئی۔ تانبے کے یہ ہتھیار اُتنے چکنے اور چمکیلے نہ ہوتے تھے جتنے پتھر کے ہتھیار۔ تارزن اب ایک سخت پتھر سے گھس کر انھیں چمکانے لگا۔ اب یہ تانبے کے ہتھیار اور اوزار بھی پتھر کے ہتھیار کی طرح چکنے، چمکیلے اور خوبصورت نظر آنے لگے۔

تارزن اب اس کام میں بہت ہوشیار ہو گیا تھا۔ اب وہ زمین کے اندر سے طرح طرح کی مٹیاں نکالنے لگا اور اُن سے اوزار اور ہتھیار بنانے لگا۔ بعد کو اس طرح کی مٹی کو "دھات" کہنے لگے جیسے کہ تانبے کی دھات۔ پیتل کی دھات۔ رانگے کی دھات اور ٹین کی دھات وغیرہ۔

اب جو ہتھیار تانبے کے بنتے تھے۔ اُن میں بہت سی خوبیاں ہونے پر بھی ایک خرابی تھی۔ اس دھات کے بنے ہوئے ہتھیار زیادہ زور پڑنے پر جھک جاتے تھے۔ اس خرابی کو بھی تارزن نے دور کر لیا اُس نے

تانبے میں ٹین کی دھات ملائی اور انھیں ملا کر ہتھیاروں کو ڈھالا اور اس طرح کی جو دھات بنی اُسے کانسا (Bronze) کہنے لگے۔ اب ہتھیار کانسے کے بننے لگے۔ کانسے کے بنے ہوئے ہتھیار سخت ہوتے تھے اور چوٹ لگنے پر ٹیڑھے نہیں ہوتے تھے۔ کسی جانور پر وار کرنے پر ان کے اندر گھستے چلے جاتے تھے اور اُن کو جان سے مار ڈالتے تھے۔ اس طرح کانسے کی کلھاڑی درختوں کو آسانی سے کاٹ ڈالتی تھی۔ اب شکار کرنے میں بڑی آسانی ہوگئی۔ اب جنگلی جانور انسان سے تھرّانے لگے۔ ابھی تک برتن مٹی کے بنائے جاتے تھے

اب برتن بھی انھیں دھاتوں سے بننے لگے جیسے پتیلی - پیالہ - تھالی - گھڑا وغیرہ - کچھ لوگوں نے ایسے برتن تانبے کے بنائے - مگر جب ان میں کھانا پکایا گیا تو وہ زہریلا ہوگیا - اس لئے تانبے کے برتن زیادہ نہیں بنائے جاتے - مگر جن کو پیتل یا کانسے کے برتن بنانا نہیں آتا تھا وہ تانبے کے ہی برتن بناتے رہے لیکن برتنوں کے اندر رانگے سے قلعی کرنے لگے - جس سے کہ کھانا زہریلا نہ ہو - تم نے دیکھا ہوگا کہ مسلمانوں کے برتن اب بھی اکثر تانبے کے ہوتے ہیں - مگر ان کے باہر اور بھیتر قلعی کردی جاتی ہے

بیسک تعلیم کی کہانی

(ایک سب ڈپٹی انسپکٹر کی زبانی)

(از جناب خلیل الرب صاحب بی۔اے۔ آنرز - ایل۔ٹی لکچرار بیسک ٹریننگ کالج الٰہ آباد)

پچھلے مہینہ کے مضمون میں میں نے لکھا تھا کہ بیسک اسکیم کا جائزہ دو حیثیتوں سے لیا جا سکتا ہے۔

۱- جہاں تک اسکیم کا تعلق ٹریننگ کالج اور سنٹرز سے ہے۔

۲- جہاں تک اسکیم کا تعلق دیہاتی مدارس سے ہے۔

یہ دو شقیں قدرتی طور پر قائم ہو جاتی ہیں اس لئے کہ ٹریننگ کالج ایک معمل ہے اور جو نتائج یہاں کے تجربوں سے مرتب ہوتے ہیں انکے مطابق دیہاتی مدارس میں کام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مضمون میں میں نے چندان دقتوں اور دشواریوں سے بحث کی تھی جو دیہاتی

مدارس میں کام کرنے والوں کو پیش آتی ہیں اور اسکیم کے تعلیمی پہلو کا جائزہ آئندہ اقساط کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔

اس مضمون میں میں نے لکھا تھا کہ بیسک اسکیم پر مختلف حلقوں سے مختلف قسم کے اعتراضات ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم اعتراض یہ ہے کہ بیسک اسکیم اپنی روح کھو بیٹھی ہے۔ میں اس اعتراض کے صرف اس پہلو سے بحث کرنا چاہتا ہوں جس کا تعلق دیہاتی مدارس سے ہے۔ اس لئے کہ اکثر اعتراض کرنے والوں کا اس اعتراض سے یہی مقصد ہوتا ہے کہ اگر اسکیم کو کچھ کامیابی ہوئی بھی ہے تو وہ کامیابی صرف کالج تک محدود ہے۔ دیہاتی مدارس میں اسکیم کو کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

میرے خیال میں اس قسم کے اعتراضات اکثر و بیشتر یا تو تعلیمی معاملات سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہوتے ہیں یا شخصی عصبیت کا۔ ان اعتراضات کا جواب دینا فی نفسہ نہ تو زیادہ مفید ہوتا ہے اور ضروری۔ اس لئے کہ معترض عموماً سمجھنے کی خاطر اعتراض نہیں کرتے بلکہ اعتراض کرنے کے لئے اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن جواب دینے کے سلسلہ میں جو تعلیمی مسائل معرض بحث میں آجاتے ہیں وہ یقیناً کارآمد اور مفید مطلب ہوتے ہیں

آج اس مضمون میں ذرا تفصیل کے ساتھ اس اعتراض کے مختلف پہلوؤں سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔

اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ اکثر لوگ بنیادی حرفوں کو بیسک اسکیم کی روح سمجھ بیٹھے ہیں۔ گویا کہ سوت کاتنا۔ کارڈبورڈ کے نمونے بنانا، یا کیاری میں پالک کا ساگ پیدا کر لینا بیسک اسکیم کا اصل مقصد ہے۔ اور اگر ان عملی کاموں میں سے کسی کام میں کوئی کمی نظر آتی ہے تو وہ اسکیم کی ناکامیابی کی مترادف ہے۔

یہ ایک خطرناک مغالطہ ہے۔ بیسک اسکیم نے بنیادی حرفوں کو چاہے کچھ بھی اہمیت دی ہو مگر یہ حقیقت کبھی نظر انداز نہ کرنی چاہئے کہ یہ حرفے مقصود بالذات نہیں ہیں۔ منجملہ اور ذریعوں کے یہ مختلف عملی کام بھی ایک بلند تعلیمی مقصد کی حصولیابی کے ذرائع ہیں۔ یہ اسکیم کے خد و خال کہے جا سکتے ہیں روح نہیں۔ اسی چیز کو دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی تعلیمی اسکیم میں حرفوں کا سکھایا جانا بذات خود کوئی تعلیمی مقصد نہیں ہے اور کوئی بھی سنجیدہ تعلیمی اسکیم اپنی نشو و نما اور ترقی کے لئے چند مخصوص حرفوں کی پابند نہیں ہو سکتی۔ کسی تعلیمی اسکیم کو چند مخصوص حرفوں میں اس طرح جکڑ دینا کہ اسکیم ہاتھ پیر تک نہ ہلا سکے صرف

نفسیاتی اصول سے غلط ہے بلکہ ناممکن العمل بھی ہے۔ ایسا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اگر گرانی، کمیابی یا کسی اور معاشری دقت کی وجہ سے ان مخصوص حرفوں کیلئے سامان کی فراہمی میں دشواری یا مجبوری ہو تو ایسی حالت میں اسکیم کی روح کو خیرباد کہہ دینا چاہئے۔ اسی لئے تعلیمی مقاصد کی حصولیابی کے لئے جو ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں ان کے انتخاب میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔

اول تو وہ ذرائع نفسیاتی اصولوں کے مطابق ہوں۔ دوسرے ان میں یہ صلاحیت ہونی چاہئے کہ اگر حالات زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ان میں کچھ ردوبدل کی جائے تو اس سے حصول مقصد کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ اگر تعلیمی ذرائع ردوبدل اور ترمیم کی صلاحیت نہیں رکھتے تو وہ کسی طرح مفید مطلب نہیں ہو سکتے۔

ان خیالات کو سامنے رکھ کر ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اگر بنیادی عملی کام صرف ذرائع ہیں تو یہ کس حد تک نفسیاتی اصولوں کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس پر بھی غور کرنا ہے کہ ان بنیادی عملی کاموں میں تقاضائے وقت کے لحاظ سے ردوبدل کرنے سے حصول مقصد کو کوئی خاص صدمہ تو نہیں پہنچا۔ اگر یہ باتیں صاف ہو جائیں تو ہم آسانی سے کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں گے اور ہماری بہت سی الجھنیں دور ہو جائیں گی۔

جہاں تک میں نے غور کیا ہے بیسک اسکیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ بچہ کو "کتابی پڑھائی" کے عذاب سے نجات دلائی جائے اس لئے کہ "کتابی پڑھائی" میں بچوں کی شخصیت کو کوئی جگہ نہ تھی۔ بیسک اسکیم میں پہلی مرتبہ بچہ کی شخصیت کو تسلیم کیا گیا اور اس کے نشو و نما کے لئے (Education) یعنی تربیت کے ذرائع مہیا کئے گئے۔ تعلیم (Instruction) اور تربیت (Education) میں بہت بڑا فرق ہے۔ تربیت بچہ کی تعلیم اور اخلاقی و جسمانی نشو و نما سب پر محیط ہے۔ کتابی پڑھائی یا تعلیم اس کا ادنیٰ جزو ہے۔ تربیت ان تمام اثرات کی حامل ہوتی ہے جو قدرت، سماج، اسکول، استاد اور کتابیں بچہ پر ڈالتی ہیں۔ بچہ کی شخصیت انھیں اثرات کے ماتحت نشو و نما پاتی ہے۔

اس گفتگو سے میرا مقصد "تعلیم" (Instruction) اور تربیت (Education) کے فرق پر کوئی تفصیلی بحث کرنا نہیں ہے۔ اسی طرح مقصد تعلیم کے نظریاتی پہلوؤں میں بحث کرنا بھی میرے موضوع سے باہر ہے۔ میرے مطلب کی بات صرف اس قدر ہے کہ محض تعلیم یعنی وہ واقفیت جو بچہ کو صرف کتابوں کے ذریعہ دی جائے اور جس میں بچہ کے تجربات اور دیگر عملی حقائق

اور اہم اثرات کو کوئی جگہ نہ ہو آئندہ زندگی کے لئے کبھی کارآمد نہیں ہو سکتی۔ نہ اس میں ایسے افراد پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جو ایک کامیاب انفرادی زندگی بسر کرنے کے علاوہ ایک کامیاب معاشرتی نظام کی تشکیل کی بھی اہلیت رکھتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ بچہ کے دماغ کو "ذخیرہ گھر" تصور کرکے اس میں چند کتابی معلومات ڈال دینا بچہ کی آئندہ زندگی کی کامیابی کا ضامن نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت اس کتابی تعلیم سے نہ تو افراد کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ اس سے سماج کی کوئی بہتری ہو سکتی ہے۔

جب تعلیم کے شخصی اور معاشری مضر اثرات بہت زیادہ نمایاں طور پر نظر آنے لگے تو ماہرین تعلیم نے انکے خلاف بیسویں صدی کے آغاز سے زبردست جدوجہد شروع کی۔ اب اس بات پر بہت زیادہ زور دیا جانے لگا کہ کچھ تعلیمی مشاغل نہ اب تعلیم میں داخل کئے جائیں اور نہ صرف شامل کئے جائیں بلکہ ان کو نمایاں جگہ دی جائے۔ اس کا فائدہ اولاً تو یہ ہوگا کہ سماج گھر اور اسکول کے اثرات میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے گی۔ ایسی اہم آہنگی جو تعلیمی نقطہ نظر سے صرف قابل قدر ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔ اور اس ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ بچہ جو علم یا واقفیت حاصل کرے گا اس میں اس کے ذاتی تجربہ کو بھی دخل ہوگا اور ظاہر ہے کہ جو علم تجربہ کے ساتھ حاصل کیا جائے زیادہ پختگی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

دوسرے اس ترکیب سے ہاتھ اور دماغ کے اس خطرناک بعد کو مٹانا تھا جو انتہائی شدت سے ہمارے زمانہ میں محسوس کیا جا رہا ہے اور جس کی وجہ سے ہمارے معاشری نظام میں زبردست انتشار ہے۔ ہاتھ اور دماغ کی صلاحیتیں جب ساتھ مل کر کام کرتی ہیں تو ایک ترقی پذیر سماج کی بنیاد ڈالتی ہیں اور جب یہ صلاحیتیں علٰحدہ علٰحدہ اور ایک دوسرے کے ضد میں کام کرتی ہیں تو ان سے سماجی نظام میں باہمی تصادم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ تصادم سماج کی اس ہم آہنگی اور توازن کو ختم کر دیتا ہے جو اس کی ترقی اور بقا کا ضامن ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں ایک بات واضح طور پر سمجھ لینی چاہئے (Activities) تعلیمی مشاغل اور نصاب تعلیم میں شامل کرنے اور ان کو مناسب جگہ یا اہمیت دینے سے ماہرین تعلیم کا مقصد بچوں کو کسی خاص پیشہ کے لئے تیار کرنا نہ تھا۔ اس مقصد کے لئے علٰحدہ اسکول ہوتے ہیں۔ ان عملی مشاغل کا یہ بھی منشا نہ تھا کہ وہ بچہ یا اسکول کے لئے اقتصادی طور پر نفع بخش ہوں۔ مختصر یہ کہ ان سے کوئی سیاسی یا تجارتی مفاد یا ضروریات وابستہ نہ تھیں۔ بلکہ ان کو محض تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کرنا تھا۔

بیسک اسکیم اسی تعلیمی جدوجہد کا ثمرہ ہے

جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ واردھا اسکیم کے مرتب کرنے والوں نے اسکیم میں یہ جدت پیدا کی کہ یہ تعلیمی مشاغل یا عملی کام نفع بخش حرفوں پر مبنی ہوں۔ حرفوں کے نفع بخش ہونے کی شرط ظاہر ہے کہ کسی نفسیاتی یا خالص تعلیمی اصول کی بنا پر نہ تھی بلکہ یہ شرط ملک کے اقتصادی اور سیاسی حالات کے خیال سے رکھی گئی تھی۔ یہ ایک باریک نکتہ ہے جو کافی دلچسپ اور غور طلب ہے۔

اس موقع پر ایک اور خاص بات بھی واضح طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ یو۔پی اسکیم نے حرفوں کے نفع بخش ہونے کے واردھا اصول کو کبھی بنیادی طور پر تسلیم نہیں کیا۔ بنیادی عملی کاموں کو یہاں بھی مناسب اہمیت دی گئی مگر اس بات کی شروع ہی سے تردید کی گئی کہ حرفوں کے ذریعہ نفع حاصل کیا جائے یا ان کو تجارتی اصولوں پر چلا کر اتنی آمدنی پیدا کی جائے کہ اس سے مدرس کی تنخواہ نکل سکے۔ ان حرفوں کا مقصد بچوں کو کاریگر یا دستکار بنانا نہ تھا ان کا مقصد ایک طرف تو تعلیم کے دلچسپ اور نفسیاتی ذرائع بہم پہنچانا تھا اور دوسری طرف ہاتھ اور دماغ کے بعد کو دور کرنا۔ لیکن اگر کوئی بچہ کسی عملی کام میں کافی دلچسپی لیتا ہے اور وہ اپنی دلچسپی اور رجحان کو اتنی ترقی دے لیتا ہے کہ اس عملی کام کو آئندہ زندگی میں وہ بطور حرفہ کے استعمال کر سکے اور اسی کے ذریعہ روزی کمائے تو اس کے لئے اسکیم میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

جب یو۔پی اسکیم نے شروع ہی سے اپنے کو کسی خاص حرفہ کا پابند نہیں بنایا تو اگر سامان کی کمی یا کسی اور معاشرتی دشواری کی وجہ سے بنیادی عملی کاموں میں پہلی سی سرگرمی نظر نہیں آتی۔ یا ان میں کچھ ردوبدل ہوتا ہے تو اس پر اعتراض کا کیا موقع ہے اور ایسی صورت میں یہ کہنا کہاں تک مناسب ہے کہ اسکیم کی روح ختم ہو گئی۔ یو۔پی کی بیسک اسکیم واردھا اسکیم سے بہت سی باتوں میں مختلف ہے۔ اگر یہ بنیادی فرق ہمیشہ سامنے رکھا جائے تو غلط فہمی یا الجھن پیدا ہونے کا کم امکان ہے۔ اس سلسلہ میں مسٹر پاول پرائس سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے مضمون کا ایک حوالہ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ حوالہ اس نظریہ کو اچھی طرح واضح کر دے گا۔

"پھر اس صوبہ میں ہم نے مدرسوں کو جتنا ممکن ہو سکتا تھا اپنا کفیل بنایا ہے۔ البتہ ہماری یہ توقع نہیں ہے کہ مدرسے کے کام سے مدرس کی تنخواہ نکل سکتی ہے یا مدرسے کا خرچ فراہم ہو سکتا ہے۔ اس سے تو مدرسے کارخانوں میں بدل جائیں گے۔

ڈپارٹمنٹل پالیسی سے قطع نظر یہ سوال خود

اپنی جگہ پر کافی اہم اور غور طلب ہے۔ حرفوں پر اتنا زور دینا یا کسی مخصوص حرفہ کو سارے اسکول اور اسکول کے تمام بچوں پر مسلط کر دینا نفسیاتی نقطۂ نظر سے کہاں تک درست ہے اور خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ تعلیمی مقاصد کے لئے بہت سے دلچسپ عملی کام اسکول میں جاری کئے جا سکتے ہیں۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ یو۔ پی اسکیم نے بنیادی عملی کاموں کو صرف خدوخال کی حیثیت دی تھی روح یا جوہر کی نہیں۔ ان کو صرف ذریعہ سمجھا تھا مقصد نہیں۔ خدوخال اور ذریعہ میں ہمیشہ ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور ہونا بھی چاہئے اس سے تعلیمی روح کو صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ عملی کاموں میں ترمیم یا ردوبدل سے ممکن ہے کہ نصاب تعلیم پر کوئی اثر نہ پڑا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان تبدیلیوں کے باوجود اسکیم اپنی جاذبیت اور رنگینی کافی حد تک برقرار رکھ سکی ہو لیکن طریقۂ تعلیم پر ضرور گہرا اثر پڑتا ہوگا۔ اس لئے کہ ربط مضامین بیسک اسکیم کی امتیازی خصوصیت تھی۔ اس کا جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اول تو ربط مضامین کا وہ منشا نہیں ہے جو عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں یعنی ہر مضمون اور اس کا ہر جزو کسی حرفہ سے مربوط کر کے پڑھایا جائے۔ اس لئے کہ استاد کو بچے کے قدرتی اور معاشرتی ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع ہے۔ دوسرے یو۔ پی اسکیم نے ربط مضامین کے حدود کو محسوس کر کے اور یہ خیال کر کے کہ ہمارے دیہاتی مدرسین کے لئے ربط مضامین کافی مشکل اور بعض اوقات محال چیز ہے۔ اساتذہ کو سختی کے ساتھ اس کا پابند نہیں کیا کہ وہ تمام تعلیم ربط دے کر پڑھائیں چاہے وہ ربط کتنا ہی بے معنی اور غیر فطری کیوں نہ ہو۔

مندرجہ بالا بحث کے بعد اب قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیسک اسکیم بحیثیت مجموعی کس حد تک دیہاتی مدارس میں کامیاب ہوئی۔

اس سوال کے جواب میں جو چیز پیش کی جاتی ہے اس کا صحیح احساس کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم چند چیزیں بطور پس منظر پیش نظر رکھیں۔ یہ چند چیزیں دراصل وہ دقتیں اور دشواریاں ہیں جن سے اسکیم کو دوچار ہونا پڑا۔

۱۔ اسکیم ایک بالکل نئی چیز تھی اور ایک تعلیمی تجربہ کی حیثیت سے اس میں قدم قدم پر دقتیں، الجھنیں اور شکوک پیدا ہوئے۔

ب۔ انتظامی اور مالی دقتیں جو کہ اس تجربہ کو اتنے وسیع پیمانہ پر چلانے میں محکمہ کو پیش آئیں۔

س۔ بورڈوں کا دو عملی نظام اور اس دو عملی نظام کی پیدا کی ہوئی مسموم فضا۔

ج۔ عوام کی تنگ نظری۔ عملی کاموں سے متوسط طبقوں کی بددلی اور فرقہ وارانہ کشمکش کے اثرات۔

د۔ اساتذہ کی علمی بضاعتی (خاص طور پر نئے مضامین پڑھانے کے لئے) اور دیگر مجبوریاں و دشواریاں۔

ہ۔ غیر علمی ماحول اور معلومات کو تازہ رکھنے یا ان میں اضافہ کرنے کی سہولتوں کا نہ ہونا وغیرہ۔

میں ان عنوانات میں نہ تو اب کوئی اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ نہ ان میں سے کسی پر اظہار خیالات حالانکہ ان میں سے ہر عنوان ایک علحدہ مضمون کی سرخی بن سکتا ہے۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ اگر ہم ان چیزوں کو بطور پس منظر سامنے رکھ کر اس بات کا جائزہ لیں کہ بیسک اسکیم دیہاتی مدارس میں کسی حد تک کامیاب ہوئی تو ہمارا جائزہ کافی امید افزا نظر آئے گا۔ اب میں اپنے بیان کی تائید میں چند حقیقتیں پیش کرنا چاہتا ہوں اور یہی وہ حقیقتیں ہیں جنھوں نے سب ڈپٹی انسپکٹری کے زمانہ میں میرے حوصلہ کو تازہ رکھا اس لئے کہ ان کی موجودگی کو میں اسکیم کی بہت بڑی کامیابی خیال کرتا ہوں۔

۱۔ پرائمری تعلیم اور اس کے مختلف النوع مسائل کی طرف عام پبلک نئی تازگی اور شدت کے ساتھ توجہ کرنے لگی ہے۔ وہ نئے مضامین مثلاً آرٹ، سائنس اور سوکس وغیرہ کے پڑھانے کو کافی دلچسپی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ صوبہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پرائمری تعلیم کی اہمیت کا احساس ہوا۔

۲۔ بیسک کے نقطۂ نظر سے ممکن ہے کہ کچھ اسکول معیار سے گرے ہوئے ہوں اور ایسے بھی اسکول نظر آسکتے ہیں جن کو غیر بیسک اسکولوں سے باسانی ممیز نہیں کیا جاسکتا لیکن بحیثیت مجموعی بیسک اسکولوں میں کافی روشنی اور زندگی نظر آئے گی۔ کیا یہ روشنی اور زندگی ایک ماہر تعلیم کے مندرجہ ذیل بیان کے پس منظر میں کافی حوصلہ افزا نہیں ہے۔

"آپ کسی بھی پرائمری اسکول میں جائیے وہ اسکول آپ کو بے سلیقہ پن، بے ترتیبی اور بے سرے پن کا نمونہ نظر آئے گا۔"

۳۔ ابھی تک ہمارے اسکولوں میں خالی کتابوں کے رٹانے کا غیر نفسیاتی اور غیر دلچسپ طریقۂ تعلیم رائج تھا اور اس طریقۂ تعلیم میں کسی

قسم کی تازگی اور جاذبیت نہ تھی۔ نئی اسکیم نے ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کی۔ مدرسین صرف چھپی ہوئی کتابوں کا سہارا لینا چھوڑ رہے ہیں اب وہ عملی کاموں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ کتاب قدرت اب ان کے لئے تاریک نہیں رہی۔ ان کے علاوہ اب وہ بچے کے قدرتی اور معاشری ماحول سے بھی مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے مدرسین، نصاب کے جملہ مضامین کو مربوط کرکے پڑھانے میں زیادہ کامیاب نہ ہوسکے ہوں لیکن یہ کامیابی کیا کم ہے کہ آج مدرسین اپنی آنکھ عقل اور ہاتھ سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

۴۔ ایک ہی معیار کے بیسک اور غیر بیسک اسکول کے بچوں میں کافی فرق نظر آتا ہے۔ ممکن ہے کہ بیسک کے بچوں میں وہ تمام شخصی اور اجتماعی خوبیاں نہ پیدا ہوسکی ہوں جو اسکیم کا مقصد ہیں۔ لیکن وہاں کے بچے شوق سے اپنا کام کرتے نظر آئینگے۔ اور اگر سب سے بھی تو کچھ گھنٹے تو ضرور اپنے دلچسپ ہوتے ہیں کہ جب بچے محض استاد کی موجودگی یا دباؤ سے نہیں بلکہ اپنے شوق سے کام کرتے ہیں۔

۵۔ بیسک اسکول کے بچے کافی تیز، ہشاش اور زندہ دل نظر آئیں گے۔ ان کی عام معلومات غیر بیسک اسکولوں کے بچوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوتی ہیں

۶۔ غیر بیسک اسکولوں کے مدرسین کو بیسک اسکولوں میں زیادہ کشش اور آثار حیات نظر آتے ہیں۔

۷۔ مدرسین کا نوجوان طبقہ اسکیم کی خوبیوں کا بہت زیادہ معترف ہے اور نہایت حوصلہ اور عزم کے ساتھ کام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نوجوان طبقہ کے تخیل اور قوت عمل کو متاثر اور متحرک کردینا اسکیم کی بہت بڑی کامیابی ہی نہیں ہے بلکہ اس کی بقا کا ضامن بھی ہے۔

کیا ان حقیقتوں کا شمار آثار حیات میں نہیں ہے۔ کیا اسکیم کی روح انھیں حقیقتوں میں مضمر نہیں ہے۔ کیا اس تنگ و تاریک معاشری و تعلیمی ماحول میں ان آثار حیات سے ہمارے دلوں کے اندر امید کی کرن نہیں جھلکتی۔ کیسا پرائمری اسکول کے بچوں کو زندہ دلی اور اظہار جذبات کے مواقع بخشنا اسکیم کی کامیابی کی دلیل نہیں ہے۔

یہ ہے مختصر سا جائزہ اس امر کا کہ بیسک اسکیم مجموعی حیثیت سے دیہاتی مدارس میں کسی حد تک کامیاب کہی جاسکتی ہے۔ اب آئندہ اقساط میں ہر ہر مضمون پر تفصیلی بحث کا سلسلہ شروع کیا جائیگا اور یہ بتانیکی کوشش کی جائیگی کہ ان مضامین کے پڑھانے میں افسران معائنہ کس طرح اساتذہ کی مدد کرسکتے ہیں اور انکی مدد تعلیمی ترقی میں کسطرح معاون ہوسکتی ہے۔

کر سکتے۔ اس قسم کے اداروں کے ذریعہ طلبہ کو انتخابات اور تجاویز پر بحث و تمحیص اور قواعد و آئین بنانے کا طریقہ باقاعدہ اور باضابطہ کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے۔ جب تمام باتوں کی ذمہ داری طلبہ ہی پر موقوف ہو جاتی ہے تو ان کے لئے سوچنا اور باہمی امداد سے کام کرنا ضرور ہو جاتا ہے۔ بہت سے اسکولوں میں تو یہی ادارے عدالت کی طرح سے بچوں کے چھوٹے چھوٹے قصوروں اور جھگڑوں کا بھی فیصلہ کرتے ہیں۔

اوپر کی سطور سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ اجتماعی زندگی کی تعلیم نہ صرف درجہ میں ضروری ہے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اسکول کے سارے کاموں کو ایک مخصوص اجتماعی نظام کی صورت میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔

چمڑے کا کام

(از جناب ایس۔ سی۔ چودھری بی۔ ایس سی ایل۔ ٹی)

(نوٹ) فروری [illegible] کے ایجوکیشنل گزٹ میں چمڑے کے کام پر ایک مضمون لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں نمونے نہیں دئے جا سکتے تھے۔ اس کمی کو اس مضمون میں پورا کیا جا رہا ہے۔ اس لئے نیچے دئے ہوئے نمونوں کو فروری کے مضمون کے ساتھ دیکھنا چاہیے۔
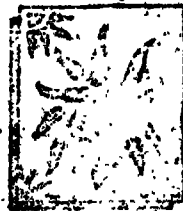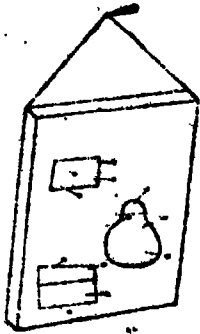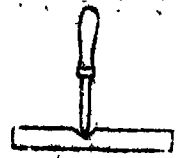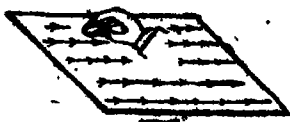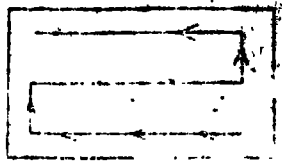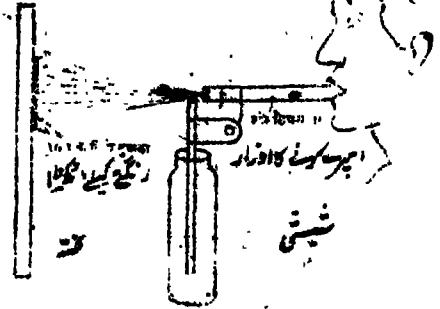
استر کے چمڑے کی رنگائی - استر کے لئے جو چمڑا استعمال کیا جاتا ہے اسے صرف رنگ سے سجاتے ہیں - مختلف قسم کے رنگوں سے مختلف اثرات لائے جا سکتے ہیں -

تاگے کی مدد سے بہت اچھی ڈیزائنیں بن سکتی ہیں - اس کے لئے پہلے استر کے چمڑے کو پہلے کسی رنگ سے رنگ لیتے ہیں پھر کسی چھچھلے برتن میں کوئی گہرا رنگ تیار کر لیتے ہیں - اس کے بعد تقریباً بارہ چودہ انچ لمبا تاگہ لے کر اسے لپیٹ کر کسی قسم کی شکل بنا لیتے ہیں - مثلاً

اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ تاگے کے گچھے سے جو شکل بنائی گئی ہے وہ بگڑ نہ جائے اسے چھچھلے برتن میں تیار کئے ہوئے رنگ میں ڈبونا چاہئے جب تاگہ رنگ جذب کر لے تو اسے ہلکے سے اٹھا کر انگوٹھے اور کلمے کی انگلی سے دبانا چاہئے۔ ایسا کرنے سے زائد رنگ نکل جائے گا اب اسے رنگے ہوئے استر کے چمڑے میں رکھ کر انگوٹھے سے دبایا جائے

گچھے کی شکل

ایسا کرنے سے چمڑے پر بالکل اسی طرح کی لکیریں بن جائیں گی جیسے کہ گچھے کی شکل میں تھیں۔ تجربہ سے

معلوم ہوگا کہ انگلیوں سے نچوڑنے کے بعد بھی تاگہ میں کافی رنگ رہ جاتا ہے۔ اور اس کو چمڑے پر دبانے سے رنگ پھیلتا ہے جس سے لکیریں صاف نہیں آتیں۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے اصل کے چمڑے پر کام شروع کرنے سے پہلے کسی ردی چمڑے پر اسے دبالیا جاتا ہے اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انگلیوں سے نچوڑنے کے بعد بھی جو زائد رنگ رہ جاتا ہے وہ نکل جاتا ہے۔ اصل کے چمڑے پر گتھے سے بنی ہوئی شکل کو دبانے کے لئے انگوٹھے سے کام لینا چاہئے۔ انگوٹھے کا صاف ہونا ضروری ہے ورنہ چمڑے پر دھبے آجائیں گے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ رنگی ہوئی شکل کو چمڑے پر دبانے سے چمڑے پر اس شکل کی چھاپ آجاتی ہے۔ اگر اسی طرح بنائی ہوئی شکل سے پاس پاس چھاپ لگاتے جائیں تو پورے چمڑے پر ایک پوری سطح کی ڈزائن بن جاتی ہے۔

پاس پاس چھاپ سے ڈزائن — خاص ترتیب سے چھاپ لگانا

پاس پاس چھاپنے کے علاوہ اگر کسی خاص ترتیب سے یہ چھاپے لگائے جائیں تو مختلف طرح کی ڈزائنیں بنجاتی ہیں۔ شکل کو ایک بار رنگنے سے پانچ چھ مرتبہ چھاپا جاسکتا ہے۔ اس سے ڈزائن بناتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ گتھے کی شکل جتنی ہی کم بدلے اتنا ہی اچھا ہے۔ ایک بات کا اور خیال رکھنا چاہئے۔ تاگہ کو لپیٹ کر کوئی شکل بناتے وقت اگر اس میں الجھن زیادہ ہو تو لکیریں صاف نہیں آتیں۔ اس لئے گتے کو چپٹا ہونا چاہئے اور زیادہ الجھن نہ ہونی چاہئے ایک گتھے سے کسی چمڑے پر ایک مرتبہ چھاپے لگادینے کے بعد اسی گتھے کو دوسرے رنگ میں ڈبو کر پھر چھاپ لگادینے سے اس چمڑے پر مختلف طرح کی ڈزائنیں بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح مختلف قسم کے گتھے بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

پرنٹر و پبلشر
باہتمام صاحب لالہ رام دیال اگروالا ۔ کٹرہ ۔ الہ آباد

Registered No. 467-A

ایجوکیشنل گزٹ

اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ع

ایڈیٹر
ڈاکٹر ضیاء الرحمن خاں
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

سوشتہ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا ماہواری رسالہ

صفحہ

فہرست مضامین ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ رائے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر، الہ آباد سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا –

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے – پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں کے پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے –

(۳) ہر صاحب علم مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں، ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو –

(ب) اصول تعلیم، اشارات، سائنس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں، قدرتی و طبعی مناظر، تعلیم نسواں، نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں –

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں – ایسے مضمونوں کے معوض مضمون نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا – ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی –

(۵) جملہ خط و کتابت برائے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ رائے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے – ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جائے – خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۳۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے، یہ یاد رکھیے

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک رائے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد سے کرنی چاہیے – ورنہ بعد میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا –

شرح اُجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۲۵ روپیہ	۶۲ روپیہ ۸ آنہ	۱۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	۱۵ روپیہ	۳۷ روپیہ ۸ آنہ	۶۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۲۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۱۰ روپیہ	۲۵ روپیہ آنہ	۳۵ روپیہ	۸۰ روپیہ

* اُجرت دونی ہوجائے گی، جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے [illegible] اُجرت پیشگی لی جائے گی – [illegible] رائے صاحب رام دیال اگروالا، الہ آباد

جلد ۳۵ | اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء | نمبر ۷

اسکول میں اجماعی زندگی کی تعلیم

(مسٹر برج موہن گپتا۔ ایم۔ اے بیسک ٹریننگ کالج الہ آباد)

گذشتہ سے پیوستہ

پچھلے مضمون میں بتایا جا چکا ہے۔ کہ معاشری زندگی کے لئے ضروری اور مفید عادتوں میں سب سے ممتاز درجہ صفائی۔ امداد باہمی۔ ہمدردی اور خدمت کا ہے۔ اس مضمون میں ہمیں دیکھنا ہے کہ بیسک نصاب تعلیم کے مطابق بچوں میں ان عادتوں کی نشو ونما کیسی ہو سکتی ہے۔

مدرس کو بچوں کے جسم اور کپڑوں کی صفائی کی طرف خاص دھیان دینا چاہیئے یہ ضروری ہے کہ ہر ہفتہ درجہ میں بچوں کے ناخون اور دانت دیکھے جائیں۔ بچوں کو چھوٹی چھوٹی کہانیوں کے ذریعہ بڑھے ہوئے ناخون اور گندے دانتوں سے پیدا ہونے والی خرابیاں بتائی جائیں مگر اس بات پر زیادہ زور دیا جانا چاہیئے کہ بچے اپنے ناخون ہمیشہ کٹوا لیا کریں اور اپنے دانتوں کو روزانہ مسواک یا کسی اور چیز سے صاف کیا کریں۔ عادت ڈالنے کے خیال سے کبھی کبھی اسکول میں ناخون کٹوائے جائیں اور مسواک کرائی جائے۔ اس بات پر زور دینا چاہیئے کہ بچے روزانہ نہا کر آیا کریں۔ اور ہفتہ میں

کم ازکم دو مرتبہ اپنے کپڑے دھویا کریں۔ اسکول میں
گاہے گاہے بچوں کو نہلانا اور ان کے کپڑے صاف کرانا
مفید ثابت ہوا ہے۔ بچوں کو یہ بات سمجھا دینی چاہئے
کہ جسم اور کپڑوں کی صفائی صرف صحت قائم رکھنے
کے لئے ہی نہیں بلکہ معاشری زندگی کو خوبصورت
اور صاف ستھرا بنانے کے لئے بھی ضروری ہے۔

پچھلے مضمون میں بتایا جا چکا ہے کہ احساس
فرض ہمارا سب سے بڑا معلم ہے۔ اسکول کے تمام کام
کو بچوں کی الگ الگ ٹولیوں کو سونپ دینا چاہئے۔
شہر کے اسکولوں میں اسکول کے کمرے اور احاطہ
کی صفائی و نیز پینے کے پانی کے انتظام کے لئے
چپراسی اور ملازم ہوتے ہیں۔ لیکن دیہات کے
چھوٹے چھوٹے مدرسوں میں یہ ممکن نہیں ہوتا۔ وہاں
کمرہ کی صفائی بچوں کی ایک ٹولی اور احاطہ کی صفائی
دوسری ٹولی کے سپرد کی جائے۔ اسی طرح بچوں کی
تیسری ٹولی پینے کے پانی کا انتظام کرے۔ بچوں میں
یہ زاویہ نگاہ پیدا ہونا چاہئے کہ یہ سب کام مدرسین
کے دباؤ سے نہیں بلکہ ذمہ داری کے احساس
سے کیا جانا چاہئے۔ کام کا یہ جذبہ امداد باہمی ہمدردی
اور خدمت کے خیال سے پیدا ہونا چاہئے۔ جن اسکولوں
میں ان کاموں کے لئے ملازم بھی ہوں وہاں بھی
یہ چیز نہایت مفید ثابت ہوئی ہے کہ کام چاہے
ملازم ہی کریں لیکن نگرانی اور ذمہ داری بچوں کی
ہونی چاہئے۔

دیہات کے مدرسوں میں پانی کے لئے عموماً
ایک کنواں ہوتا ہے۔ بچوں کو یہ بات واضح طور پر
سمجھا دینی چاہئے کہ کنوئیں کا پانی گندہ ہو جانے سے
طرح طرح کی بیماریاں پھیل جاتی ہیں۔ اس لئے
کنویں اور اس کے آس پاس کی زمین کا صاف
رہنا بہت ضروری ہے۔ اس طرح ان میں یہ
احساس پیدا کرانا چاہئے کہ پبلک کے استعمال کی
چیزوں کی دیکھ بھال سب کو کرنا چاہئے۔

اس طرح جب جسم کپڑوں، اسکول کا کمرہ
اور احاطہ وغیرہ کی صفائی ان کی عادت ثانیہ
بن جائے تو گھر پڑوس اور گاؤں کی صفائی
وغیرہ کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جا سکتی
ہے۔ دیہاتوں میں عموماً کنویں کے پاس درخت
ہوتے ہیں اور ان کے پتے ان کنوؤں میں گر کر
سڑا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کنوؤں میں چبوترہ نہیں
ہوتا جس کی وجہ سے برسات کا گندہ پانی اور
نہانے اور کپڑے دھونے کا پانی کنویں میں گرتا ہے
یہ چیزیں کنویں کا پانی گندہ کر دیتی ہیں جس کے
باعث بیماریاں پھیلتی ہیں۔ گاؤں کے محلہ محلہ میں
کھاد کے لئے کوڑا جمع کیا جاتا ہے۔ برسات میں

اس کے سڑ جانے اور اِدھر اُدھر پھیل جانے سے
بدبو پھیل جاتی ہے اور راستے گندے ہو جاتے ہیں
بچوں کی توجہ صحت سے تعلق رکھنے والی ان چیزوں
کی طرف مبذول کرانی چاہیئے۔ اور ان میں اس
بات کا جذبہ پیدا کرانا چاہیئے کہ وہ ان کی اصلاح
کے لئے جو کچھ بھی کر سکتے ہوں کریں۔ اس طرح
کی تعلیم سے ان میں اجتماعی زندگی اور اس سے
تعلق رکھنے والی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوگا۔

اسکول سے تعلق رکھنے والی سماجی ذمہ داریاں
کے کچھ اور بھی کام لئے جا سکتے ہیں۔ بچے اسکول
کے عجائب گھر کے لئے پھول پتیاں اور مختلف قسم
کے پتھر، چڑیوں کے پر اور درختوں کی چھال
وغیرہ جمع کریں اور اسکول کے جلسوں کے موقعہ پر
سجانے وغیرہ کے کام میں حصہ لیں۔ کبھی کبھی
اپنے اسکول اور گاؤں والوں کی تفریح کے لئے
چھوٹے چھوٹے ڈرامے اور کھیل وغیرہ کا انتظام کیا جائے
اور اسکول کے نئے داخل شدہ بچوں کی مدد کریں۔
اس قسم کے کاموں کے ذریعہ اسکول کو ایک ایسا
منظم ادارہ بن جانا چاہیئے کہ بچے اس ادارہ کے
ممبر ہونے کو فخر کی نگاہ سے دیکھیں۔

ارتباط باہمی کے لئے شروع ہی سے چند
چیزوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔ چھوٹے درجوں سے ہی

بچوں میں یہ عادت ڈالنی چاہیئے کہ وہ اپنے ساتھیوں
اور اُستادوں سے ملنے پر ان سے مناسب طریقہ سے
صاحب سلامت کریں۔ درجہ میں سوالات نرمی سے
کریں اور سوالات کے جوابات بھی ہمیشہ نرمی کے ساتھ
دیں۔ بولنے کے لئے اپنے نمبر کا انتظار کریں۔ اپنے
نمبر کے انتظار کرنے کا احساس اپنے ملک سے سرے
ہی سے غائب ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ کسی اسٹیشن کے
ٹکٹ گھر پر ریل آنے کے وقت دیکھا جا سکتا ہے۔ لاکھ کوشش
کرنے پر بھی ایسا انتظام نہیں ہو پاتا کہ لوگ قطار بنا کر
اپنے نمبر سے ٹکٹ خریدیں یا کم از کم سب ٹکٹ خریدنے
والے ایک طرف سے جائیں اور ٹکٹ خرید کر دوسری
طرف سے نکلیں۔ اس بدنظمی سے جتنی تکلیف ہوتی ہے
اور جتنا وقت برباد ہوتا ہے وہ اندازہ کی نہیں تجربہ کی چیز ہے
اس ذہنیت کو بدلنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بچوں
میں شروع سے اپنے نمبر پر کام کرنے کی عادت ڈالیں۔

آرٹ اور کریفٹ کے کام میں معاشری نقطہ
نظر کی نشوونما کے لئے تین چار باتوں کی طرف خاص
طور پر دھیان دینا چاہیئے۔ درجہ میں بچے مل جل کر
کام کریں اور ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کے
کام میں مناسب امداد دیں۔ مقابلہ کی خطرناک ذہنیت
درجہ میں ہرگز پیدا نہ ہونی چاہیئے۔ بچوں میں یہ جذبہ پیدا
ہونا چاہیئے کہ ذاتی غلش اور تنگ نظری سے بلند ہو کر

ایک دوسرے کے کام کو پسند کرنا سیکھیں۔ دیے ہوئے سامان کا نامناسب استعمال نہ کریں اور کام ختم کرنے کے بعد کمرہ صاف کرکے چھوڑیں۔ اور مضامین کی تعلیم میں ان معاشری خوبیوں کے اظہار کا عملی موقعہ بہت ہی کم ملتا ہے۔ بہت سے مضامین میں تو مل جل کر کام کرنے اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اور مضامین میں بچوں کی محنت کا نتیجہ صرف امتحان کے وقت نظر آتا ہے۔ لیکن آرٹ اور کرافٹ میں بچے کی محنت اور استعداد کا نتیجہ کام کرتے وقت ہی سامنے آجاتا ہے اور اسی لئے تنگ نظری سے بلند ہو کر اچھے کام کی پسندیدگی کا زیادہ موقعہ ملتا ہے۔

اسکے علاوہ آرٹ اور کرافٹ کے اسکول سے ملے ہوئے سامان کی بربادی پر بچوں کے دل میں وہی احساس ہونا چاہئے جو نجی سامان کے برباد ہونے پر ہوتا ہے۔ ایسی ہی صورت میں وہ اپنی معاشری زندگی میں اداروں کے روپیوں کو صحیح اور جائز مصرف میں لائیں گے۔ اسی طرح کام ختم ہونے کے بعد کمرہ کا صاف کرنا بھی ان کے سامنے ایک سماجی ذمہ داری کی صورت میں پیش کرنا چاہئے۔

کھیل کے موقعوں پر بھی اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ بچے کھیل جیتنے کے لئے ایمانداری اور سچائی کی قربانی کا خیال تک دماغ میں نہ لائیں۔ اسکول میں ایسی فضا پیدا کر دی جائے کہ بے ایمانی ہار جانے کے مقابلہ پر ہزار گنا بری سمجھی جائے۔ ہار ہو یا جیت بچوں کی ایک جماعت کا دوسری جماعت کے ساتھ مناسب برتاؤ ہونا چاہئے۔ کھیل کو باہمی اتحاد اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے نہ کہ نااتفاقی اور تنگ نظری کا بچوں میں پیدا کرنے کے لئے جو عادتیں اس مضمون میں پیش کی ہیں ان کا عملی احساس اسکول اور جماعت میں ہونا چاہئے۔

بذریعۂ مٹی اسباق کیلئے امدادی سامان بنانا

(مسٹر ستیش چندر گرگ بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی)

بچوں کو ہر ایک سبق پڑھانے کے لئے موجودہ طریقۂ تعلیم میں امدادی سامان کا ہونا ضروری و لابدی سمجھا جاتا ہے۔ یہ امدادی سامان اگر اصلی صورتوں میں بجنسہ بچوں کے مشاہدہ کے لئے دستیاب ہو سکے تو بہت بہتر ہے۔ ورنہ اسکے ماڈل سے ہی کام سرانجام پا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ بہت سی اشیاء کے ماڈل بازار سے خریدنے پر آسانی بہم پہنچائے جا سکتے ہیں لیکن یہ غیر ممکن ہے کہ ہر ایک سبق کیلئے ضروری ماڈل بازار سے دستیاب

ہو سکیں۔ ایسے مواقع پر یہ ماڈل ہاتھ سے بنانے اور تیار کرنے پڑیں گے۔ اسکے علاوہ تعلیمی نقطہ نظر سے ہاتھ سے بنائے ہوئے ماڈل بازار سے خریدے ہوئے ماڈلوں سے کہیں زیادہ اچھے خیال کئے جاتے ہیں۔ مدرسین کو یہ ماڈل خود ہاتھ سے بنانے پڑیں گے ایسی صورت میں یہ زیادہ اچھا ہوگا کہ طلبہ بھی ان ماڈلوں کے بنانے میں حصہ لیں۔ کچھ ماڈل بچوں سے بھی بنوائے جائیں مدرسین کا کام صرف طلبہ کو ماڈل بنانے میں امداد پہنچانا ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلبہ سے یہ کام کس طریقے پر شروع کرایا جائے۔ یہ چیز ریت کے کام و نیز آزادانہ اظہار جذبات کے سلسلہ میں بتائی جا چکی ہے۔ اس مضمون میں صرف بڑے ماڈلوں کا بنانا بتایا جائیگا جس سے مدرسین تھوڑی سی مشاقی کے بعد طلبہ کو صحیح معنوں میں امداد پہنچا سکیں۔

امدادی سامان کی اہمیت اور انکا صحیح مواقع پر استعمال کرنا اس مضمون میں نہ بتایا جائیگا ہم تو صرف امدادی سامان تیار کرنے کے اصولوں پر ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔ کاغذ پنسل اور رنگوں کے ذریعہ ڈرائنگ بنا کر امدادی سامان تیار کرنا ڈرائنگ کے تحت میں بتایا جائیگا۔ بذریعہ مٹی ماڈل بنانا بھی آزادانہ اظہار جذبات پر منحصر ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آزادانہ اظہار جذبات میں ہم وہ ماڈل بناتے ہیں جو ہمارے دماغ میں ہیں۔ اور یہاں ہم وہ ماڈل بنائیں گے جن کی شکل ہمارے سامنے موجود ہے اصلی صورت میں یا ڈرائنگ و نیز فوٹو کی صورت میں۔

فوٹو یا ڈرائنگ سے ماڈل بنانے کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہماری آنکھ کی ڈرائنگ ہے جس سے ہم کسی چیز کے مختلف حصص کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اگر ہم کسی چیز کا اپنے دماغ میں صحیح نقشہ نہیں کھینچ سکتے تو اس کا ہاتھ سے بنا لینا بالکل غیر ممکن ہے۔ اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ طلبہ کو پہلے ڈرائنگ بنانے کی کافی مہارت کرائی جائے ٹھوس اشیا کی ڈرائنگ جسمیں لمبائی چوڑائی اور موٹائی ہو۔ ڈرائنگ بنانا یا صرف بذریعہ لمبائی اور چوڑائی ہی منعکس کرنا اور پھر ڈرائنگ سے ماڈل بنانا ایک بہت بڑی تعلیمی اہمیت رکھتا ہے۔

مٹی میں ماڈل بنانے سے قبل یہ بات ہمیں خوب ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ یہ کام شکل تراشی سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ہم کو تھوڑی تھوڑی مٹی جوڑ کر اس چیز کی شکل بنانی پڑتی ہے۔ اور برخلاف اسکے شکل تراشی میں پتھر میں چھینی سے کاٹ کاٹ کر اس چیز کی شکل نکالنی ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ مٹی میں ماڈل بنانے کے لئے کسی ایک ہی طریقے

پر ہمیں کار بند رہنا پڑیگا۔ اس کام کے لئے ہمیں ہر وقت طریقوں سے کام لینا پڑیگا۔ پہلے تھوڑی تھوڑی مٹی جوڑ جوڑ کر اس چیز کی ٹھوس سا ڈھنکل بنائی جائے گی اور پھر تھوڑی تھوڑی مٹی چاقو سے کاٹ کر اسکے باریک چھوٹے چھوٹے حصے بنائے جائیں گے۔ اس طرح پر ہم اپنے ماڈل کو پوری طرح متشکل کریں گے۔

امدادی سامان کے کام میں آنیوالے ماڈل بہت چھوٹے نہیں ہونے چاہئیں ورنہ طلبہ انکو صحیح طور پر دیکھ بھی نہ سکیں گے۔ اور اگر طلبہ ان ماڈلوں کو خود بنائیں گے تو بہت چھوٹے اور باریک حصے درست حالت میں نہ بنا سکیں گے۔ بڑے ماڈلوں میں چھوٹے حصے بھی کافی بڑے ہونگے جنکو طلبہ بآسانی بنا سکتے ہیں بڑے ماڈل بنانے میں مٹی کو ایک متعینہ جگہ پر روکے رکھنے کے لئے کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ جسکے لئے تار یا بانس کی کھپانچوں کا ڈھانچہ بنانا نہایت ضروری ہے۔ اس ڈھانچے کو کاغذ یا گھاس سے لپیٹ کر کام میں لانا چاہئے۔ جس سے ماڈل بن جانے پر مٹی کو سوکھنے اور سکڑنے کی جگہ رہے ورنہ ماڈل سوکھنے پر اُسکے چٹک جانے کا احتمال ہے اس قسم کے ڈھانچے کسی گھوم جانے والی چیز پر اطمینان سے بنائے جانے چاہئیں جسکے درمیان ایک مضبوط تار یا لوہے کی سلاخ سیدھی کھڑی رہتی ہے۔

اس تار یا سلاخ کے اوپر کسی قسم کا بھی ڈھانچہ بنایا جا سکتا ہے۔ ماڈل پورا ہو جانے کے بعد وہ بآسانی اتار کر رکھا بھی جا سکتا ہے۔ اسس گھومنے والی چیز کی بناوٹ شکل نمبر ا میں دکھائی گئی ہے جس میں ایک بورڈ کے اوپر دوسرا بورڈ ایک سلاخ پر گھومتا ہے۔

تاریخی مورتیاں و عمارتیں مذکورۂ بالا طریقہ پر بآسانی بنائی جا سکتی ہیں۔ اس طرح ہم بچوں کے سامنے بجنسہ قدیم تاریخ کے نقوش لا سکتے ہیں۔ جس سے تاریخ ان کے لئے ایک پرانا قصہ ہی نہ رہ جائے گی بلکہ جیتی جاگتی دنیا کا بہت بڑے اور دلچسپ مطالعہ کا موضوع ہو جائے گی۔ وہ خاندان قوم و ملک اور موجدوں کے نقش قدم پر چل کر اپنے مقاصد زندگی میں کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ قدیم مورتیاں نیز متفرق اشیاء کے بنانے میں بہت کچھ ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور موجودہ دستکاریوں کو قعر مذلت سے نکال کر بام ترقی پر پہنچا سکتے ہیں۔

اسی طرح جغرافیہ کی بھی بہت کچھ معلومات دیگر ممالک کے ماڈل بنا کر کرائی جا سکتی ہیں دیگر ممالک کے باشندوں کی صورتیں نیز

ان کی خصوصیات مٹی کے نمونے بنا کر ہی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ ان سب باتوں کا سمجھانا بذریعہ الفاظ کبھی بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ اور طلباء اپنے ذہن پر کافی زور دینے کے باوجود شکل مطلوبہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے نہیں کھینچ سکتے۔ مختلف ممالک کے باشندوں کا ماحول، بود و باش اور نقل و حرکت، چال ڈھال بھی انھیں ماڈلوں کے ذریعہ دکھائی جا سکتی ہے مصر کے پریمڈس (اہرام) ٹنڈرا کے اسکیمو، امریکہ کے ریڈ انڈین وغیرہ کی معلومات بھی ان ماڈلوں کے ذریعہ بہت اچھی طرح سے کرائی جا سکتی ہے۔ کوہ آتش فشاں۔ سمندر کی گہرائی، کوئلے کی کانیں، آئیرن کنوئیں وغیرہ کے کسی حصے کا ماڈل بھی ایک گھڑے تختے کے سہارے ریت، چونے، کوئلے و کنکڑ وغیرہ کی مدد سے بہت عمدگی سے سجا کر بچوں کو سمجھایا جا سکتا ہے۔

ریاضی پڑھانے کے لئے مٹی کی گولیاں، مستطیل نما سطح اور جملہ اقسام کی ٹھوس شکلیں بہت اچھی طرح کام میں لائی جا سکتی ہیں۔ جیومیٹری اور اقلیدس کے بہت سے اہم ترین مسائل بھی ان ٹھوس شکلوں کے حصے کاٹ کر باآسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ ریاضی ہی ایک ایسا مضمون ہے جس میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو شروع میں بہت ہی کم درک ہوتا ہے۔ گنتی، جمع، تفریق سمجھانے کے لئے مٹی کی گولیاں بہت ہی دلکش ہوتی ہیں اور بچے اس بارے میں بہت ہی دلچسپی لیں گے۔

زبان اور جنرل سائنس کے اسباق بھی ان ماڈلوں کے ذریعہ بہت ہی دلکش بنائے جا سکتے ہیں مدرسین کو چاہئے کہ مختلف مضامین کے لئے بہت سے ماڈل بنا کر قبل ہی سے تیار رکھیں جن سے بوقت ضرورت کام لیا جا سکے۔

اسی طرح ریت کی تختی و مٹی کے ماڈل کے ذریعہ ہم بہت سے مضامین کے ماڈل بنانے میں کافی مشاق ہو جائیں گے۔ علاوہ بریں کاغذ کی کترن گدی بھی مختلف اقسام کے امدادی سامان بنانے میں کارآمد ہو سکتی ہے بذریعہ ناٹک و کٹھپتلی مختلف مضامین کی معلومات کرانا طریقہ تعلیم میں بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے۔

ناٹک یا ڈرامہ کے لئے مختلف اقسام کے چہرے باآسانی کاغذ کی کترن سے بنائے جا سکتے ہیں جس شکل کی تصویر بنانی ہوتی ہے اُسے پہلے مٹی میں بنا لیا جاتا ہے بعدہ اُس کے گیلے چہرے پر روغن لگا کر باریک کپڑا یا گاج پانی میں بھگو کر پھیلا دیا جاتا ہے اور انگلی یا کسی نوک دار چیز سے چہرے کے ہر ایک حصے میں دبا دیا جاتا ہے۔ پھر کسی بھی معمولی ردی کاغذ کے ٹکڑے ہاتھ سے پھاڑ کر اور گوند یا لئی کے پانی میں بھگو کر

اُس گاج یا کپڑا چڑھے ہوئے چہرے کے اوپر یہ ٹکڑے ایک دوسرے کے اوپر چپکا دیئے جاتے ہیں جس سے اس مٹی کے چہرے کی شکل کو ان کاغذوں کے ٹکڑوں کو تہ دے دے کر بڑھایا جا سکتا ہے۔ کاغذ کے ٹکڑے چسپاں کرتے وقت ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ ٹکڑے تمام چہرے پر ہموار تہ بناتے ہیں یا نہیں۔ اور وہ چہرے کی ہر ایک مخصوص جگہ پر پہنچ گئے ہیں یا نہیں۔ جب یہ کاغذ کی تہ $\frac{1}{16}$ انچ کے قریب موٹی ہو جائے تب پھر ایک دوسرا باریک کپڑا یا گاج گوند یا لیئی کے پانی میں بھگو کر چسپاں کو دینے سے چہرہ کافی مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ اسکے اوپر پھر کاغذ کے ٹکڑے چسپاں کر کے اس تہ کی موٹائی $\frac{1}{2}$ انچ تک لائی جا سکتی ہے۔ بعدہٗ چہرے کو دھوپ میں سکھانے سے وہ مٹی کے چہرے علٰحدہ اتر آتے ہیں۔ ان چہروں کو ایک حصہ سوپس پلاسٹر ایک حصہ گوند اور دو حصہ کھریا مٹی گھول کر رنگنے سے ہموار سفید چہرے کی سطح تیار ہو جاتی ہے جس پر بعد میں ضرورت پڑنے کے مطابق مختلف رنگوں سے رنگ کر وارنش کیا جا سکتا ہے۔

آزادانہ اظہار جذبات کے تحت میں مٹی کی کٹھپتلی بنانا بتایا جا چکا ہے۔ اسی طرح کاغذ کی لگدی کی بھی کٹھپتلی تیار کی جا سکتی ہے جو کہ بہت ہی سبک ہوتی ہے اور بآسانی نچائی جا سکتی ہے کاغذ کی لگدی تیار کرنے کے لئے پہلے ردّی کاغذ کے ٹکڑوں کو بھگو کر کوٹ لیا جاتا ہے اور بعد میں ایک حصہ میتھی ایک حصہ گوند اور دو حصہ کھریا لیکر تین حصہ کاغذ کی لگدی کے ساتھ ملا لیا جاتا ہے جس سے مٹی کی طرح کٹھپتلی بناکر اس کو مندرجہ بالا طریقوں سے رنگا جا سکتا ہے۔

بیسک تعلیم کی کہانی

ایک سب ڈپٹی انسپکٹر کی زبانی

(مسٹر خلیل الرب بی۔اے۔آنرز۔ایل۔ٹی بیسک ٹریننگ کالج الٰہ آباد)

مادری زبان کی تعلیم

پچھلے دو مضامین میں میں نے بیسک اسکیم کے چند خارجی اور نظریاتی پہلوؤں سے بحث کی تھی اور یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ بیسک اسکیم کا مقصد بچے کی شخصیت کو تسلیم کرکے اس کے لئے اظہار شخصیت اور نشو و نما کے بہترین نفسیاتی ذرائع مہیا کرنا ہے۔ اس حصول مقصد کے لئے بیسک اسکیم نے زمانہ کے موجودہ تعلیمی رجحانات اور تجربات سے کامل طور پر مستفید ہونے کی کوشش کی ہے۔

بیسک اسکیم نے صرف تعلیمی مشاغل کو نصاب تعلیم میں شامل کرکے تعلیم کے نفسیاتی ذرائع مہیا کرنے اور بچوں کی تخلیقی قوتوں کو عملی طور پر بروئے کار لانے کی کوشش نہیں کی بلکہ نصاب کے دیگر مضامین کو بھی اس نہج سے ترتیب دیا ہے کہ وہ تعلیم کے موجودہ نفسیاتی اصولوں کے مطابق ہو جائیں۔

ایجوکیشنل گزٹ کے پچھلے پرچوں میں ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ مادری زبان کی تعلیم پر بہت سے مضامین نکل چکے ہیں لیکن یہ مضامین عموماً طریقۂ تعلیم سے متعلق تھے۔ اگرچہ مادری زبان کی تعلیم کے ابھی بہت سے پہلو تشنۂ تحریر ہیں لیکن میں آج ایک نئے زاویہ سے اس مضمون کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا مقصد مادری زبان کی تعلیم کے کسی خاص پہلو کی "بحث" کرنا نہیں ہے۔ مجھے صرف اس امر کا مجموعی جائزہ لینا ہے کہ مادری زبان کی تعلیم کا جو مقصد بیسک اسکیم نے متعین کیا تھا اس میں کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی اور اپنے حصول مقصد کے لئے اسکیم نے زبان کی تعلیم کی جو نئی ترتیب دی تھی ہمارے اساتذہ نے کہاں تک اس کے مطابق عمل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

لیکن اس چیز پر اظہار خیال سے پہلے یہ بہتر ہوگا کہ ہم مادری زبان کی تعلیم کی اہمیت سمجھ لیں اور اس کا مقصد متعین کر لیں۔ اسی ضمن میں یہ وضاحت بھی ہو جائے گی کہ مضمون کی نئی ترتیب سے میری کیا مراد ہے۔

زبان کا وجود میں آنا ذہن انسانی کی ترقی کا

سب سے اہم کارنامہ ہے۔ دنیا میں جتنے اکتشافات و انکشافات ہوئے ہیں ان سب پر زبان کو فوقیت حاصل ہے۔ مفید مطلب ہونے کے علاوہ زبان کی فوقیت کی ایک اور بھی وجہ ہے۔ دنیا کی اکثر و بیشتر تحقیقات اور انکشافات افراد کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مگر زبان چونکہ افراد کے اختلاط باہمی کا نتیجہ ہوتی ہے اس لئے اس میں اجتماعیت اور قومی سرمایہ کی صحیح شان ہوتی ہے۔

ہم صرف اظہار خیال ہی کے لئے زبان کے محتاج نہیں ہیں بلکہ قوت فکر و فہم کے نشو و نما کے لئے بھی زبان کے محتاج ہیں۔ انسان کی ذہنی کاوشوں کے لئے زبان نئی راہیں اور نئے میدان مہیا کرتی ہے۔ زبان صرف اسی لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کے بغیر ہم اپنے احساسات اور محسوسات کے اظہار سے قاصر ہیں بلکہ قوت فہم و فکر کی ترقی اور نشو و نما بھی اسکے بغیر ناممکن ہے۔

ویسے تو زبان کی تعلیم کے اور بہت سے نظریاتی مقاصد بیان کئے جا سکتے ہیں لیکن ان مقاصد کا تجزیہ ہمیں اسی نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ "اظہار خیال" اور "صلاحیت فہم و فکر کی ترقی" زبان کی تعلیم کے دو خاص مقاصد ہیں اور بقیہ مقاصد انھیں کے تحت میں آجاتے ہیں۔

یہ تو ہوا عام زبان کے متعلق۔ مادری زبان کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ بچہ آنکھ کھولنے کے بعد جو زبان ہر وقت سنتا ہے اسی کی مدد سے وہ اپنے علم کو وسیع کرتا ہے۔ اس کی ساری تربیت اور زندگی اسی مادری زبان کی رہین منت ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے نصاب تعلیم میں اسی لئے مادری زبان کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ مادری زبان کا علمی و ادبی سرمایہ قومی شعار، تہذیب اور زندگی کا عکس ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر مادری زبان کی تعلیم محض اظہار خیال اور فہم و ادراک کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ قومی زندگی کی تشکیل اور استحکام کے لئے بھی ضروری ہے۔

بدنصیبی سے ہمارے ملک میں آج تک مادری زبان کی تعلیم بے التفاتی کا شکار رہی۔ نصاب تعلیم میں کبھی اس کو وہ نمایاں جگہ نہیں ملی جس کی وہ مستحق تھی اور جس کے بغیر تعلیمی اصلاح کی ہماری تمام کوششیں بے سود تھیں۔

غیر ملکی زبانوں کے اصطلاحات اور خدوخال کے سمجھنے میں عمر کا خاصہ حصہ گذر جاتا ہے اور اسکے باوجود بہت کم لوگ زبان کی داخلی خوبیوں اور آب و رنگ تک پہنچ پاتے ہیں۔ اور پھر غیر ملکی زبانوں کی استعداد اور اہلیت مادری زبان کی کمی

کی تلافی نہیں کر سکتی - غیر ملکی زبانوں میں افراد کی اہلیت کوئی اجتماعی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تا وقتیکہ اس اہلیت سے ہم اپنی مادری زبان کے دامن کو رنگین تر اور وسیع تر نہ بنا سکیں۔

انھیں خیالات کے پس منظر میں بیسک اسکیم مرتب ہوئی - مادری زبان کو اتنی ممتاز جگہ دی گئی کہ نصاب کے جملہ مضامین اسی کے ذریعہ پڑھائے جائیں۔

مادری زبان کی تعلیم کے دو پہلو ہیں:-

ا - تحریری - ب - تقریری -

پرانے نصاب تعلیم میں سارا زور تحریری کام پر ہوا کرتا تھا - انتہا یہ کہ درسی کتب کے پڑھانے میں بھی تحریری کام کا عنصر غالب رہتا تھا - کتاب کے وہ اسباق (بالخصوص نظم کے) جن کا مقصد صرف بچوں کو محظوظ کرنا یا اُن کی قوت تخیلہ میں آب و رنگ بھرنا ہونا چاہیئے تھا "تحریری کام" کی زد سے نہیں بچ پاتے۔ زبان کا ہر سبق نامکمل تھا اگر اس کے اختتام پر کچھ تحریری مشقوں سے کاپی کے صفحات رنگین نہ کئے جائیں۔ تحریری کام پر اتنا زور غالباً اس لئے تھا کہ جملہ امتحانات تحریری پرچوں کے ذریعہ ہوتے ہیں اور امتحانات کا پاس کرنا ہمارا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔

اس اصول تعلیم کی ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم کو اپنی زندگی میں زیادہ تر کام اسی چیز سے پڑتا ہے جس کے لئے نصاب میں کوئی جگہ نہ تھی - زندگی میں بمقابلہ تحریر کے تقریر سے کہیں زیادہ واسطہ رہتا ہے - ایک عامی کے لئے تحریر کی ضرورت بہت محدود رہتی ہے۔ لیکن تقریر کی ضرورت قدم قدم پر پڑتی ہے - ایسی صورت میں اصولاً تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اگر تقریر پر تحریر کے مقابلہ میں زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے برابر زور دیا جاتا۔

بیسک اسکیم نے پہلی مرتبہ مادری زبان کی تعلیم کے اس پہلو پر غور کیا اور نصاب کو اس طرح ترتیب کیا کہ اظہار خیال کے جملہ تقریری اور تحریری امکانات بروئے کار لائے جا سکیں تاکہ بچہ تحریر و تقریر دونوں طریقوں سے اظہار خیال پر قدرت حاصل کر لے - جہاں اسکیم نے تحریری کام کے نفسیاتی اور دلچسپ ذرائع مہیا کئے ہیں اور ان کو نئے تجربوں اور تعلیمی اصولوں کے مطابق ترتیب دینے کی کوشش کی ہے - وہاں بچوں کی قوت تقریر کی تربیت اور نشوونما اسکیم کی مابہ الامتیاز خصوصیت ہے۔

اسکیم نے قوت فہم و فکر کی ترقی کے مواقع بھی مہیا کئے ہیں - یہ مواقع بچوں کی ذہنی اور جذباتی زندگی کی تہذیب و شائستگی کے لئے بہت ضروری ہیں۔

ہمارے دونا کیولر اسکولوں کے اساتذہ نے حتی الامکان نئی ترتیب کے مطابق کام کرنے کی

کوشش کی ہے۔ لیکن زبان صاف نہ ہونے کی
وجہ سے ان کے سامنے کافی اُلجھنیں رہتی
ہیں۔ ان اُلجھنوں کو دور کرنا افسرانِ معائن کا فرض ہے۔
زبان کے پڑھانے میں جو جو کمی مجھے نظر آئی
ہے اُن کو سلسلہ وار پیش کر کے میں یہ سمجھانے کی
کوشش کروں گا کہ یہ کمی کس طرح پوری کیجا سکتی ہے۔
بچے عموماً آداب گفتگو اور اظہار ادب کے
طریقوں سے ناآشنا نظر آتے ہیں۔ بچوں کی یہ خامی
بہت کچھ ان کے پست ماحول اور "ناخواندہ گھر" سے
متعلق ہے۔ تاہم نشست و برخاست، گفتگو کا سلیقہ
اور اظہار ادب کے مناسب طریقے سکھانا اسکول کا
فرض ہے۔ ابھی تک پرائمری اسکولوں میں یہ منظر
دیکھنے میں آتا تھا کہ ادھر ڈپٹی صاحب معائنہ کے
لئے تشریف لائے اور ادھر بچوں کی قوت ناطقہ
سلب ہوئی۔ اب بیسک اسکولوں میں بچوں سے
جوابات ملتے ہیں اور وہ بولنے کی کوشش کرتے ہیں۔
لیکن ابھی وہ کمی باقی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔
اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ قابل ذکر ہے۔
کانپور ضلع میں برہمنوں کی زبردست اکثریت ہے۔
شروع شروع میں مدرسین عموماً پنڈت ہوا کرتے تھے۔
بچوں کی زبان پر لفظ "پنڈت" اس طرح جم گیا
ہے کہ وہ ہر افسر کو "پنڈت" ہی کے لقب سے نوازتے
ہیں۔ اکثر اسکولوں میں میرے یہ کہنے پر کہ میں پنڈت
نہیں ہوں۔ بچوں نے کہا "ہاں پنڈت جی آپ
پنڈت نہیں ہیں"۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات ہے۔
سالہاسال سے یہ چیز ہوتی آئی ہے لیکن افسران
معائن نے عام طور پر اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔
اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں جن کی طرف ہم
کبھی توجہ نہیں کرتے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آداب
گفتگو زبان کی تعلیم کا ضروری جزو ہے۔ جہاں تعلیمی
مشاغل کے اوزار اور عمل کے طریقے وغیرہ زبانی گفتگو
کے موضوع ہیں وہاں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ بچوں میں
گفتگو کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے اور وہ حفظ مراتب کا خیال
رکھ کے گفتگو کر سکتے ہیں۔
عملی کام اور اُن کے اوزار وغیرہ کے علاوہ مکالمہ
کی اور بہت سی دلچسپ صورتیں پیدا کی جا سکتی ہیں
قصہ کہانی، تیوہار، میلا ٹھیلا اور جنگ کی خبریں، زبانی
گفتگو کے لئے دلچسپ موضوع ہیں۔ افسرانِ معائن
صرف کتاب پڑھانے یا کتاب کے متعلق سوالات
کرنے پر اکتفا نہ کریں۔ وہ اساتذہ کو سمجھائیں کہ اسکیم
میں زبانی بات چیت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ بچے
صرف عملی کاموں کے بارے میں بات چیت کر سکیں۔
اس کا مقصد بچوں میں سلیقہ اور صفائی سے گفتگو
کرنے کا مادہ پیدا کرنا ہے۔

بچوں کی جھجک مٹانے اور آزادانہ طور پر اظہار خیالات کرنے کی مشق کے لئے "سوشل" بھی بہت مفید چیز ہے۔ بچے کسی مقررہ دن پر اکٹھے ہو کر بیٹھیں اور آپس میں مکالمہ ڈرامہ، گانا اور قصہ کہانی کا پروگرام رکھیں۔

اکثر اسکولوں میں میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اونچی جماعتوں کے بچے بھی اپنی دیہاتی بولی ہی میں قصے وغیرہ سناتے ہیں اور مدرس کبھی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ ہر ہر جملہ پر شروع ہی سے اس قدر ٹوکنا کہ بچہ کی زبان کھلنے ہی نہ پائے اور یا اس کو سرے سے آزاد کر دینا کہ وہ ہمیشہ اپنی دیہاتی بھاشا ہی بولتا رہے دونوں صورتیں غلط ہیں۔ زبان کی تعلیم کے نقطۂ نظر سے جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم بچے میں اظہار خیال کی صلاحیت پیدا کریں وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو اس معیاری زبان کا بھی عادی بنائیں جس کی بگڑی ہوئی صورت اس کے دیہات یا گھر کی بولی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شروع شروع ہر بچہ میں بولنے کا شوق پیدا کیا جائے اور ہمیشہ اسکی حوصلہ افزائی کی جائے۔ جب بچے کی جھجک دور ہو جائے اور وہ آزادانہ طور پر درجے کے سامنے قصہ وغیرہ سنانے لگے تو اس کی دیہاتی بولی کے وہ الفاظ بدلے جائیں جو بہت زیادہ ثقیل اور غیر مانوس ہوں" مثلاً "پنہی" کے بجائے "جوتہ"، "منہ" کے بجائے "طرف" اور "سر پٹ جانا" کے بجائے "رجٹ کر جانا" وغیرہ۔

اس کے بعد جملوں کی اصلاح کا نمبر آتا ہے۔ اس اصول سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ درجہ چہارم میں پہنچ کر بچہ آسان اور سلیس زبان بولنے کی صلاحیت پیدا کر لے گا۔ میں نے اکثر مدرسین کو مڈل جماعتوں تک دیہاتی بولیوں میں پڑھاتے دیکھا ہے۔ کتنا دلچسپ یہ مذاق ہے کہ ہندی یا اردو پڑھانے کیلئے بھی دیہاتی بولیوں کا ذریعہ استعمال کیا جائے۔ افسران معائنہ کو اس بات کی تاکید کرنی چاہئے کہ مدرسین کم از کم اسکول کے اوقات میں دیہاتی زبان نہ بولیں۔

بہت سے بیسک مدرسین مجھے ایسے بھی نظر آئے جن کے پڑھانے کا ڈھنگ پرانے ہی ڈھرے پر چلا جا رہا ہے۔ معنی، مطلب اور محاوروں کا استعمال غرضیکہ سبق کی ہر چیز آگے آگے بتاتے جاتے ہیں اور پیچھے پیچھے بچے دہراتے جاتے ہیں۔ اس طریقۂ تعلیم سے نہ اظہار خیال کی مشق ہوتی ہے نہ قوت فہم کی نشو و نما ہوتی ہے۔ افسران معائنہ نمونے کے سبق دے کر یہ سمجھائیں کہ، سبق ہمیشہ بچوں کی مدد سے پڑھایا جائے اور ان کو اپنے طور پر سوچنے سمجھنے اور بتانے کا موقع دیا جائے۔ پیراگراف اور سبق کے اختتام کے بعد سوالات کے ذریعہ بچوں سے پڑھے ہوئے حصہ کا خلاصہ کہلوانا کافی مفید ہوتا ہے۔

اسی طرح سے تحریری کام میں بھی کچھ باتیں ایسی ہیں جن کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ایک بیسک اسکول میں میں خط نویسی کی کاپیاں دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہ سے ایک خط گذرا جس کے اوپر لکھا تھا "خط نانی کو بچے سے لاہو" مجھے بیسک اسکول سے اس قسم کے نوعیت کی توقع نہ تھی۔ لیکن میرے حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ اکثر بیسک اسکولوں میں خطوط نویسی کا وہی فرسودہ غیر نفسیاتی اور مہمل طریقہ رائج ہے جس کی رو سے ہر ممکن اور ناممکن رشتہ دار کو مہمل سے مہمل سرخیوں پر خط لکھانا استاد کا فرض تھا۔ یہ بھی واضح رہے کہ اکثر صورتوں میں بچوں کے یہ بڑے رشتہ دار یا حیات بھی نہیں ہوتے۔ خط لکھانے کا اس سے زیادہ غیر حقیقی اور بے جان اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

ان خطوط کا طرز انشار بھی عموماً اتنا ہی مہمل ہوتا ہے جتنا کہ نفس مضمون، چند ابتدائی جملے ہر بچہ کے یہاں یکساں ہوتے ہیں۔ یہ وہ جملے ہیں جن کو بچوں نے بغیر سمجھے ہوئے رٹ لیا ہے اس کے بعد دی ہوئی سرخی پر چند بے ترتیب اور ٹوٹی پھوٹی سطریں لکھ کر فرضی پتہ لکھ دیتے ہیں۔ ایک چیز اور بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم خط لکھتے وقت کبھی یہ نہیں لکھتے کہ یہ خط کس کو لکھا جا رہا ہے اور کس چیز پر لکھا جا رہا ہے۔ پھر بچے خط شروع کرنے سے پہلے خط کا مکتوب الیہ اور اس کی سرخی کیوں لکھتے ہیں۔ ایسا غالباً اس لئے ہوتا ہے کہ افسران معائن کاپی اُلٹ کر یہ دیکھ سکیں کہ کن کن لوگوں کو خطوط لکھے گئے ہیں اور کن کن سرخیوں پر۔ اگر ہر ممکن اور ناممکن رشتہ دار کو خط لکھنا اور خط کے اوپر اس کی سرخی دینا کسی طرح سے ضروری ثابت کیا جا سکے (جس میں مجھے شبہ ہے) تو اس کے لئے بھی ایک عمدہ صورت ہو سکتی ہے۔ کاپی کا شروع صفحہ "فہرس" کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ مکتوب الیہ کا نام اور خط کا عنوان اسی فہرس میں درج کر دیا جایا کرے۔

میرے خیال میں خط نویسی کا یہ پرانا طرز انتہائی ناقص ہے۔ ہمیں بچوں کو یہ ذہن نشین کرانا چاہئے کہ خط مکالمہ کی دوسری صورت ہے۔ ہم جن عزیزوں، دوستوں اور رشتہ داروں سے بالمشافہ گفتگو نہیں کر سکتے۔ ان سے خط کے ذریعہ بات چیت کرتے ہیں۔ خط اور مضمون نویسی کی حدیں اگرچہ ملی ہوتی ہیں لیکن پھر بھی دونوں کے درمیان نمایاں خط امتیاز کھینچا جا سکتا ہے۔ خط میں زیادہ تر ذاتی اور خانگی باتیں ہوتی ہیں۔ خط تحریری گفتگو کا دوسرا نام ہے۔ اس میں اگر کسی مسئلہ پر بحث ہوتی بھی ہے تو اسی حد تک کہ خط کی امتیازی خصوصیات باقی رہیں۔ خط نویسی کا یہ کوئی طرز نہیں کہ دو تمہیدی جملوں اور فرضی پتہ کے علاوہ خط کی کوئی خصوصیت اس میں [illegible]

میرے خیال میں پہلے تو بالکل آزادانہ طور پر خطوط لکھوانے چاہئیں۔ یہ خطوط بچے اپنے گھر گاؤں، فصل، آب و ہوا اور اسکول کے بارے میں لکھیں۔ اس کی مشق ہو جانے کے بعد وہ سرخیاں لی جائیں جن میں واقعیت اور جاذبیت ہو۔ مثلاً گرمی کی چھٹیوں میں اپنے کسی دوست کو آم کھانے کے لئے بلانا، کسی تیوہار یا خوشی کے موقع پر اپنے کسی عزیز یا دوست کو مبارکباد دینا، باپ یا چچا سے کتابوں کے لئے پیسے منگانا، اسکول کے معائنہ کے تاثرات اپنے والد یا بڑے بھائی کو لکھنا۔ ایسی سرخیاں ہرگز نہ دینی چاہئیں جو خط لکھنے کے سلسلے موزوں نہ ہوں۔ مثلاً ماموں کو خط کلہاڑی سے لابھ (فائدہ)۔ "اسکول کا باغیچہ" ایک مضمون کی دلچسپ سرخی بن سکتا ہے لیکن خط نویسی کے سلسلے قطعی ناموزوں ہے۔

اسی طرح سے خط کے مکتوب الیہ کو بھی فرضی نہ ہونا چاہئے۔ خط انہیں عزیزوں یا دوستوں کو لکھائے جائیں جو بچے سے جدا ہوں اور وجود رکھتے ہوں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بچے پوسٹ کارڈ لاکر واقعی اسکول ہی میں خط لکھیں۔ اس ترکیب سے خط نویسی، بچوں کے لئے زیادہ بامعنی، دلکش اور مفید بنائی جا سکتی ہے۔ تھوڑے سے خطوط لکھا کر بچوں کو صرف یہ سمجھا دینا چاہئے کہ چھوٹوں، برابر والوں اور بڑوں کو خط لکھنے کے کیا طریقے ہیں۔ مدرسوں کو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ بھاری بھاری آداب و القاب رٹانے کا زمانہ ختم ہو گیا۔ خط نویسی کا طرز اب آسان اور مختصر طرز نگارش کی طرف ہے۔

مدرسین زبان کے پڑھانے میں آرٹ کی خاطر خواہ مدد نہیں لیتے ہیں۔ آرٹ کی مدد سے زبان پڑھانے میں کافی رنگینی اور دلکشی پیدا ہو سکتی ہے۔ سب سے زیادہ دلچسپ صورت یہ ہے کہ بچے مضمون لکھتے وقت مناسب جگہوں پر تصویر کشی بھی کرتے جائیں۔ اس قسم کی تصویر کشی سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ سبق کو دلچسپ بنانے کے علاوہ بچہ تصاویر کے ذریعہ ان جذبات کا بھی اظہار کر دیتا ہے جن کو بذریعہ تحریر ظاہر کرنے پر ابھی اسے قدرت نہیں ہے۔ اس قسم کی تصویر کشی تعلیمی نقطہ نظر سے زبردست اہمیت رکھتی ہے۔

تحریری کام کے لئے ایک اور دلچسپ مشغلہ ہے۔ بچے کوئی عمدہ تصویر کاٹ کر صفحہ پر چپکا لیں اور اس کے اوپر اپنی استعداد کے مطابق اظہار خیال کریں۔ یہ اظہار خیال چھوٹے بچوں کے یہاں چند جملوں اور بڑے بچوں کے یہاں چھوٹے سے مضمون کی شکل اختیار کرے گا۔ مضمون نویسی کی یہ رنگین صورتیں آئندہ کسی مضمون میں بہ تفصیل بیان کی جائیں گی۔

قصہ کہانی کو بچوں کی تعلیم میں ممتاز درجہ حاصل ہے۔ زبان کی تعلیم میں بھی ان سے بہت زیادہ مدد لی جاتی ہے۔ مدرسین قصہ کہانیوں کا کافی استعمال کرتے ہیں مگر ان میں بہت کام ہے کہ وہ ان کے استعمال کا مناسب طریقہ بھی جانتے ہیں۔ یہ مناسب طریقہ استعمال سمجھانا افسران معائنہ کا کام ہے۔ وہ مدرسین کو اس بات پر آمادہ کریں کہ بچوں کی عمر، مذاق اور استعداد کے لحاظ سے کہانیوں کا انتخاب کریں۔ اس انتخاب میں افسران معائنہ بھی امداد کریں۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ زبان پڑھانے کے لئے جن کہانیوں کا استعمال کیا جائے ان کی زبان آسان، شستہ، اور صحیح ہو۔ الفاظ اور مفہوم کے انتخاب میں درجہ کی استعداد کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

تحریری کام میں بھی کہانیوں کا نہایت عمدہ استعمال ہو سکتا ہے۔ مدرسین تختہ سیاہ پر کسی کہانی کے چند مربوط الفاظ یا جملے لکھ دیں اور ان الفاظ یا جملوں کی مدد سے بچے پوری کہانی لکھیں۔ اس قسم کی مشقوں سے صرف تحریر ہی کی مشق نہیں ہوتی بلکہ بچہ کی قوت فکر کی بھی نشوونما ہوتی ہے۔ قوت فکر کی یہ نشوونما زبان کی تعلیم کے لحاظ سے اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ اظہار خیال۔

میں نے اپنے معائنوں میں ایک زبردست کمی یہ بھی پائی تھی کہ اصلاح کا کام مدرسین صحیح طریقہ سے نہیں کرتے۔ آپ اصلاح کئے ہوئے کسی مضمون یا خط کو دیکھئے۔ باوجود اصلاح ہو جانے کے وہ مضمون یا خط قریب قریب ویسے ہی اصلاح پذیر نظر آئیگا جیسا کہ مدرس کی اصلاح دینے سے پہلے۔ مدرسین کی اصلاح عموماً املا کی غلطیوں تک محدود رہتی ہے۔ حشو و زوائد کی بھرمار اور جملوں کی تکرار دور کرنے اور اُن کی صحیح ترتیب کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ چھوٹے بچوں کے تحریری کام میں اس طرح کی زیادہ کاٹ چھانٹ مفید نہیں ہے لیکن درجہ چہارم کے بچوں کی دوسری صورت ہے۔ اس درجہ میں اصلاح صرف املا کی اغلاط تک محدود نہیں رہنی چاہئے۔ بچوں کو بتانا چاہئے کہ حشو و زوائد کی بھرمار اور جملوں کی تکرار عبارت کو بے مزہ کر دیتی ہے۔ ان کی تحریروں میں زبان کی پوری اصلاح ہونی چاہئے۔ بچے اصلاح شدہ تحریر کو دوبارہ لکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس قسم کی مسلسل اصلاح ان کو زبان کی ناشائستہ غلطیوں سے بڑی حد تک محفوظ کر دے گی اور ان کی تحریر میں ایک طرز پیدا ہو جائے گا۔

ایک اور کمی جو مجھے اسکولوں میں نظر آتی تھی وہ یہ ہے کہ درسی کتب کے علاوہ بچے اور کتابیں نہیں پڑھتے۔ کم از کم درجہ چہارم کے بچوں کو قصہ کہانی

کی دو چار آسان کتابیں اور پڑھنی چاہئیں ہیں
سے فائدہ یہ ہوگا کہ ان میں مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا
اور وہ مدرس کی امداد کے بغیر پڑھنے کی کوشش
کریں گے۔ بچوں میں ذاتی مطالعہ کا شوق پیدا کرانا
اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ ان میں بہت سے
بچے آگے تعلیم جاری نہیں رکھتے۔ ایسی صورت
میں زبان کی تعلیم کا سب سے بڑا فرض یہ ہو جاتا
ہے کہ وہ بچوں میں مطالعہ کا شوق پیدا کر دے۔
ایک ایسے ملک میں جہاں درجہ چہارم کی استعداد
خواندگی کا معیار ہو اس شوق کا پیدا کرانا اور بھی
ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ چیز انتہائی مایوس کن ہے
کہ اسکول سے نکلنے کے بعد درجہ چہارم پاس
شدہ بچے تو در کنار اونچی جماعتوں کے طلبہ
بھی کتابیں نہیں پڑھتے کیا ہمارے پرائمری اسکولوں
کے مدرسین کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے بچوں
میں ذاتی مطالعہ کے شوق کا بیج بو دیں ممکن ہے
کہ یہی بیج آگے چل کر ایک تناور درخت بن جائے
معائنہ کی زندگی میں میں نے اپنے بیسک
اسکولوں سے چند تاثرات قبول کئے۔ وہی تاثرات
آج مشوروں کی صورت میں قلمبند کئے جاتے ہیں
ممکن ہے کہ یہ مشورے ہمارے مدرسین اور
افسران معائنہ کیلئے مفید مطلب ثابت ہوں۔ اور اگر ایسا
نہ ہوا تو میں یہ سمجھوں گا کہ میرے مضمون لکھنے اور
ان کے پڑھنے کی محنت رائگاں گئی۔

تاریخ کی تاریخ پر ایک نظر

(از محمد اکرام الدین قدوائی بی۔ اے۔ ایل ٹی گورنمنٹ بیسک سنٹر لکھنؤ)

لفظ ہسٹ (تاریخ) یونانی لفظ (Ioropia)
سے لیا گیا ہے۔ چھ صدی قبل یونانی اس کو وسیع
مفہوم میں "تلاش علم" کے لئے استعمال کرتے
تھے۔ اس کے معنی تحقیق و تدقیق کے بھی تھے
کسی تذکرہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے معنی
میں یہ لفظ کبھی نہیں استعمال ہوتا تھا۔ دو صدی
کے بعد اس کے معنی میں تبدیلی ہوئی۔ اب اس
کا مطلب قصوں کا بیان کرنا ہو گیا۔ اس طرح
تاریخ سائنس کی تحقیق کی ایک شاخ ہو گئی۔
"ہیروڈوٹس" خود سائنس کا محقق تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ
قصہ گو بھی۔ اس کی ساری زندگی تاریخ کی تحقیق
میں صرف ہوئی جو یونانی زبان میں تھی۔ تاہم وہ
ہیروڈوٹس ہی تھا جس نے اس لفظ کے
بتلائے یہ لفظ اب تک ان تفصیلا

استعمال ہوتا تھا جو کسی علم کی تحقیق کے سلسلے میں اختیار کی جاتی تھیں۔ مبالغہ کو اس راہ میں کافی دخل تھا۔ کوئی تاریخی واقعہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں مبالغہ یا جھوٹ سے کام نہ لیا گیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہیروڈوٹس یورپ میں مبالغہ آمیز رنگ کا پہلا قصص گو مورخ ہے۔ جس نے اپنی تاریخ میں اکثر ایسے واقعات لکھے ہیں جو مبالغہ سے پر ہیں۔ اس زمانہ کے مورخین کا یہی حال تھا۔ بعض نے تو صاف صاف لکھدیا ہے کہ ہم نے اصلی واقعات کے علاوہ بہت کچھ اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر لکھا ہے۔

بہر کیف ارسطو کے زمانے میں لفظ تاریخ خاص طور سے بجائے تحقیق کے ادبی ذخیرہ کے معنی میں استعمال ہوا اس زمانہ سے ابتک تاریخ کی حیثیت ایک ادب کی طرح رہی ہے موجودہ زمانہ سائنس کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہیروڈوٹس سے قبل کے لوگوں کی طرح تاریخ کو دوبارہ دو معنی میں استعمال کریں۔ ایک معنی میدان سائنس میں تحقیق کرنے کے ہوئے اور دوسرے میدان فن (Art) میں ادبی ترقی کئے ہوئے۔

تاریخ کے دو نمایاں پہلو ہیں۔ ایک سائنس اور دوسرے آرٹ (فن)۔ اگر ہم تاریخ کا مطالعہ بہ نظر سائنس کریں تو یہ معلوم ہو جائیگا کہ انسان کی کاوشیں خارجی چیزوں کو دریافت کرنے کے لئے موجودہ سائنس کے اصول ضروری ہیں۔ اگر تاریخ کو آرٹ سمجھا جائے تو اس کا مطلب انسان کے خیالات اور جذبات کی توسیع اور ترقی کا اظہار کرنا ہے۔ اس قسم کی تاریخ ملک اور قوم کے علوم وفنون کے ساتھ ترقی و تنزلی کرتی ہے۔ ایسی تاریخ کے لئے تخیل اور خیالات کے اظہار کرنے کی ادبی قوت کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تاریخ آرٹ ہے نہ کہ سائنس ان دونوں کا مشاہدہ بالکل جداگانہ ہے۔ اگر کوئی سائنس داں سچائی کے ساتھ تاریخ لکھے جیسا کہ وہ قدرتاً کریگا تو ماضی کی تصویر یا پرانے زمانے کے واقعات کا نقشہ جو وہ کھینچے گا دلچسپ نہ ہوگا اس لئے کہ آرٹ میں تخیل اور اظہار کی خوبصورتی زیادہ ضروری ہے نہ کہ سچائی۔ لہذا ادبی دنیا میں ایسے آدمی کو کوئی اونچی جگہ نہ مل سکے گی۔ میکالے وغیرہ مورخین کی کتابوں میں من مانی ردوبدل پایا جاتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود ان لوگوں نے دنیا تاریخ اور ادب میں ایک ممتاز اور اعلیٰ جگہ پائی ہے۔

"تاریخ کا انحصار بہت کچھ انسان کی ذہانت پر ہے۔ اس نے کوئی علیحدہ ترقی نہیں کی ہے۔

ہاں تاریخ نے میدان سائنس میں اسقدر ترقی کرلی ہے کہ صرف مورخین ہی اس کو ایک علٰحدہ مضمون قرار نہیں دیتے بلکہ اس کے ساتھ بہت سی مددگار سائنس جمع ہوگئی ہیں جو تحقیق کرنے کے آلے یا صحیح نتائج معلوم کرنے کی کسوٹیاں ہیں انیسویں صدی میں تاریخ کی اس شاخ کے سلسلے میں جو ترقی ہوئی ہے وہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ تاریخ مصر مستند ہیراڈوٹس اور Flinders hetria کے درمیان جو وسیع خلیج حائل ہے اسکی حقیقت معلوم کرنا بہت بڑی بات ہے سائنس کے ذریعہ تحقیق کرنیوالے کے پاس اب زیادہ ذرائع اور مواقع موجود ہیں۔ اس کو بہت سی سوقسمیں بہم پہنچ گئی ہیں۔ وہ تاریخی ذخیرہ معمولی چیزوں سے اکٹھا کرسکتا ہے وہ Abydoo کے ڈھیروں سے بہت کچھ معلوم کرسکتا ہے اس میں شک نہیں کہ صحیح تاریخ لکھنے کیلئے قدیم زمانے کے تحریری آثار و مظاہر معلوم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ قدیم زمانے کے واقعات اور رسم و رواج کا زبانی یاد رکھنا بہت مشکل ہے مرحوم تاریخ کار نوال لوکس نے کہا ہے کہ ان کے یاد رکھنے کی میعاد ایک صدی سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ ایک پشت کے واقعات کو دوسری پشت تک بالکل صحیح یاد رکھنا غیر ممکن سا معلوم پڑتا ہے۔ اس لئے تحریری زمانہ کی ابتدا سے ایک صدی قبل کی تفصیلات کا صحت سے بیان کرنا مشکل ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ انسان کی ابتدائی کہانی بہت ہی محدود ہے۔ ان تمام خامیوں کے باوجود ہم پرانی یادگاروں، شہر اور آبادی کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات قدیم دیواروں اور اسی طرح کے بیشمار آثار قدیمہ سے پرانی تہذیب و تمدن اور رسم و رواج کا پتہ معلوم کرسکتے ہیں۔ یہ معلومات اگلے زمانے کے سیاح اور پروہتوں کے مقابلے میں زیادہ معتبر اور مستند سمجھے جائیں گے۔

ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ کے دو اہم پہلو ہیں۔ وہ سائنس بھی ہے اور آرٹ بھی۔ اسکی ابتدا انسان کی یادداشت اور تحریر و تقریر کے وقت سے ہوتی ہے۔ اس زمانہ کی تاریخ کو تاریخ سے قبل کا زمانہ کہنا غلط ہے جسکی تفصیلات ہم تک نہ پہنچی ہوں جس میں تحریر و تقریر سے قبل اور بعد کے دونوں زمانے شامل ہیں اور آثار ونشانات غائب ہوگئے ہوں کیونکہ ان دونوں زمانوں کی تاریخ موجود ہے بالکل آغاز میں ہم کو تاریخ دیوتاؤں کی کہانیوں کی شکل میں ملتی ہے۔ وہ گیت ہیں یا نظمیں، یہ ہر قوم کی تاریخ میں موجود ہیں۔ ان میں وہ خیالات اور جذبات پائے جاتے ہیں جو انسان کے دل و دماغ میں اسوقت پیدا ہوئے ہونگے جس چیز سے اسکو فائدہ ہوا اور جسکی عظمت اور برتری سے متاثر ہوا اسکی پوجا کرنے لگا۔ دریاؤں اور پہاڑوں کی اس نے پرستش کی کیونکہ ان سے زندگی کی ایک ضروری چیز یعنی پانی ملتا ہے۔ سورج اور چاند کو دیوتا مانا کیونکہ ان سے گرمی اور روشنی ملتی ہے۔ ان مفید چیزوں کی جب وہ حمد و ثنا کرتا ہے تو اسی کے دلی جذبات جوش میں آتے ہیں اور انھیں

جذبات و خیالات کو وہ شاعرانہ طرز پر ادا کرتا ہے۔ وہ نظموں اور گیتوں کی شکل میں یاد رہ جاتے ہیں۔ اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک ایسی تاریخ کا کام دیتے ہیں جس سے اس زمانے کی طرز معاشرت کا پورا پورا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ ایسی نظموں کو انگریزی زبان میں مائی تھالوجی کہتے ہیں۔ ان کو لغو اور بالکل خلاف عقل نہ سمجھنا چاہئے۔ یہ درست ہے کہ وہ کسی زمانے کی صحیح تاریخ نہیں ہے تاہم شاعری میں تاریخ پوشیدہ ہے جیسا کہ Thucydides نے کہا ہے کہ شاعری واقعات بتلانے کا ایک غیر محفوظ ذریعہ ہے گویا اپنا قصہ غلط اور مبالغہ سے بیان کریگا لیکن اس کے باوجود ہم گوئیے کے زمانے کے کچھ نہ کچھ واقعات ضرور فراہم کریں گے حقیقت میں ان نظموں سے اس زمانے کے مفصل حالات نہیں معلوم ہوتے لیکن تہذیب و تمدن کا کم و بیش اندازہ ہو ہی جاتا ہے۔

کچھ زمانے کے بعد جب انسان نے ترقی کے میدان میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور دل و دماغ نے ترقی کی تو قوت مشاہدہ کی ترقی کے سبب سے اس کا تجربہ بھی وسیع ہو گیا اسوقت رزمیہ داستان کا دور شروع ہوا۔ ایسی حالت میں تاریخ ان جذبات انسانی کی داستان نہ رہی جو انسان کے دل میں مختلف قسم کی چیزوں کو دیکھ کر پیدا ہوتے تھے بلکہ اس میں انسانی کارناموں کو بھی دخل ہوتا گیا۔ اس زمانہ میں جو انسان مرتبہ والے تھے اور شہرت رکھتے تھے انکی تعریف میں بہت سی داستانیں لکھی گئیں۔ انکی زندگی کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر کہا گیا۔ ان کے قصوں میں بہت مبالغہ سے کام لیا گیا مثال کے طور پر لڑائی کی داستانیں اس طرح لکھی گئی ہیں جنھیں عقل انسانی کبھی تسلیم نہیں کر سکتی یا اکثر انسانوں کی تعریف میں حد درجہ کے مبالغہ سے کام لیا گیا ہے ہمارے دیس میں مہابھارت کے سورما ہیں جنکی تعریف میں کتاب کے اوراق بھر دئے گئے ہیں۔ یورپ میں آرتھر (انگلستان کا چھٹی صدی کا بادشاہ) اور ہرکولیز (قدیم یونان کا ایک پہلوان جسکو دیوتا کا درجہ دیا گیا) وغیرہ پرانے زمانے کی زبردست ہستیاں ہیں۔ ان لوگوں کی داستانیں یا حکایتیں گو مبالغہ آمیز ہیں لیکن انکا مطالعہ کرنے سے ہم کو بہت سے تاریخی واقعات معلوم ہوتے ہیں۔

اب ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی انسان کو تاریخ کی غرض تاریخ لکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ابھی تک اسکا ارادہ محض دلی جذبات کا اظہار کرنا یا بزرگوں کی بڑائی بیان کرنا تھا۔ تاریخ لکھنے کی غرض بالکل پوشیدہ تھی اب وہ زمانہ آیا جب اس نے گزشتہ واقعات کو ایک جا جمع کرنا شروع کیا۔ وہ صرف واقعات کی فہرست تھا لیکن ان سے ملک اور سوسائٹی کی حالت کا کچھ پتہ نہ لگایا جا سکتا تھا لیکن

پودوں کی منتقلی

(برج داس پانڈے [illegible] الہ آباد)

پچھلے کسی مضمون میں ہم بیج بونے کا طریقہ بتا چکے ہیں۔ اب یہ بتانا ضروری ہے کہ پودوں کے اُگ آنے کے بعد ان کو اپنی جگہ سے کس طرح منتقل کرنا چاہئے اور منتقل کرنے میں کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ سب پودے ایک ہی طرح منتقل نہیں کئے جاتے۔ پودوں کی قدرتی ساخت کے مطابق ان کی منتقلی کے اصول میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ پودے مندرجہ ذیل تین خاص حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں:۔

۱۔ ترکاری کے پودے۔

۲۔ پھولوں کے پودے۔

۳۔ پھلوں کے پودے۔

اتنی بات تو ہر ذات کے پودے کے لئے ضروری ہے کہ ایک جگہ سے اُکھاڑنے سے پہلے اس کے لگانے کے لئے دوسری جگہ زمین تیار کر لی جائے۔ پودے سب سیدھی قطار میں لگانے چاہئیں۔ اب ہم ہر ایک ذات کے پودوں کو منتقل کرنے کے طریقے کا بیان الگ الگ کریں گے۔

ترکاری کے پودے۔ ان پودوں کو منتقل کرنا بہت آسان ہے لیکن نرسری سے اُکھاڑتے وقت یہ خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ ان کی جڑوں کو کسی طرح کا صدمہ نہ پہنچے۔ پودوں کو جلدی اور بے قاعدہ اُکھاڑنے میں اس کا اندیشہ ہے کہ ان کی جڑیں جو ابھی بہت نرم ہیں ٹوٹ جائیں اور پودے مرجائیں۔ نرسری میں پودے اتنے پاس پاس ہوتے ہیں کہ انکی جڑیں آپس میں جکڑی رہتی ہیں۔ اُن کو بڑی سہولت اور اطمینان سے اُکھاڑنا چاہئے۔ زمین یا کیاری میں ان اکھاڑے ہوئے پودوں کو سیدھی قطاروں میں لگایا جائے۔ قطاروں کا درمیانی فاصلہ پودوں پر منحصر ہوگا جو پودے زیادہ پھیلتے ہیں۔ مثلاً ٹماٹر، بیگن وغیرہ ان کیلئے فاصلہ زیادہ ہونا چاہئے۔ اسی طرح جو پودے کم پھیلتے ہیں مثلاً گوبھی، سلاد اور مولی وغیرہ انکے لئے فاصلہ کم ہوگا۔ پودوں کو قطاروں میں لگانے سے پہلے نشان لگا دئے جاتے ہیں۔ نشانوں کے بیچ کی دوری پودوں کی باڑھ پر منحصر ہے: جیسے ٹماٹر وغیرہ کے لئے کم از کم ۲ ½ فیٹ کی دوری ضروری ہے اور گوبھی وغیرہ کے لئے ایک فٹ کی۔ ان نشانوں پہ پودے لگائے جائیں۔ لگاتے وقت پودوں کی جڑوں کو پھیلا دینا چاہئے۔ پھر کو مٹی سے

ڈھک کر اسے خوب دبا دینا چاہیے تاکہ پودے پانی
پڑنے یا ہوا کے جھونکے سے گر یا اُکھڑ نہ جائیں۔
پودوں کی منتقلی ہمیشہ شام کو کرنی چاہیے
تاکہ وہ دھوپ کی تمازت سے بچ جائیں اور
رات میں شبنم اُنھیں مضبوط کر دے۔ اگر پودے
صبح لگائے جائیں تو ان کو دھوپ کی تیزی سے
بچانے کے لئے چھپتہ یا ریڈی کے بڑے پتوں
سے ڈھک دیا جائے۔

ترکاری کے جو پودے عموماً منتقل کئے جاتے
ہیں اُن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:۔ بیگن، ٹماٹر،
کرم کلا، پھول گوبھی۔ اور سلاد وغیرہ۔

پھولوں کے پودے:۔ یہ بھی عموماً اسی طرح
منتقل کئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ ترکاری کے پودے۔
فرق صرف اتنا ہے کہ پھولوں کے پودوں کو نگرانی زیادہ
چاہیے۔ جس گملے میں بیج بوئے ہوں اُس کو نہ تو
بہت دھوپ ہی میں رکھنا چاہیے۔ نہ بہت نمی میں
جب پودے کچھ بڑے ہو جائیں تو ان میں سے کچھ پودے
نکال کر دوسرے گملے میں منتقل کر دئے جائیں۔
گملے کھاد سے بھرے ہوں۔ پھر اس گملے سے بھی
جو پودے بڑے ہوں دوسرے گملوں میں منتقل
کر دینے چاہئیں۔ اس صورت میں پودوں کو نکالنے
کے لئے اگر کھرپی کی جگہ بانس کی کھپچی کام میں لائی
جائے تو وہ زیادہ بہتر ثابت ہوگی۔ اور پودوں کو
کم نقصان پہنچے گا۔ جو پودے زیادہ پھیلتے ہیں ان کا
صرف ایک ہی پودا ایک گملے میں لگانا چاہیے۔ جیسے
سنیریا (Cineraria) اسٹاک (Stock)
اور کارنیشن (Carnation) وغیرہ
دوسرے پودے جیسے پینزی (Pansy)
اور پنک (Pink) جو کم پھیلتے ہیں تین یا
چار ایک گملے میں لگائے جا سکتے ہیں۔ مطلب
یہ کہ پودوں کی قسم کے لحاظ سے ان کو ٹھیک
ٹھیک تعداد میں گملوں میں منتقل کر دینا چاہیے۔
منتقلی کا یہ طریقہ عموماً موسمی پھولوں کے
لئے برتا جاتا ہے۔ لیکن پھولوں کے کچھ پودے
جو بارہوں مہینہ کھلتے ہیں مثلاً گلاب، گل چاندنی،
گندھراج اور نیل کنٹھ وغیرہ اس طریقہ پر منتقل نہیں
کئے جاتے۔ ان پھولوں کے پودوں کو یوں ہی اکھاڑ کر دوسری
جگہ نہیں لگا دیا جاتا۔ ان کی منتقلی میں دوسرا طریقہ کام میں
لایا جاتا ہے۔ ان کے لئے وہی طریقہ ہے جو پھلوں کے
پودوں کے لئے ہے اس کا بیان یہاں بجائے علیحدہ کے
پھلوں کے پودوں کے ساتھ کیا جائے گا۔

پھلوں کے پودے:۔ پہلے بیج گملوں یا
نرسری میں بوئے جاتے ہیں جب وہ کچھ بڑھ جاتے
ہیں تو اُن کو تیار شدہ زمین میں سیدھی قطاروں میں

تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر لگا دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ پودے ایک بالشت کے ہو جاتے ہیں۔ تو دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے جہاں انہیں مستقل طور پر رہنا ہے۔ اس وقت ان کو زمین سے نکالنے میں بڑی ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے۔

پودوں کو پہلے گملوں یا نرسری سے اکھاڑنے سے پہلے وہ زمین تیار کر لینی چاہیئے۔ جس میں وہ لگائے جائیں گے۔ پودوں کو لگانے کے لئے سیدھی قطاریں ہونی چاہئیں۔ ان کے بیچ میں پودوں کے لحاظ سے مناسب فاصلہ دینا چاہیئے۔ کچھ پھلوں کے پودوں کے بیچ کے فاصلے نیچے دئے جاتے ہیں۔

پھلوں کے نام	فاصلہ
سیب	۲۵ فیٹ
کیلا	۱۰ ،،
سنترا	۲۵ ،،
امرود	،، ،،
آم (قلمی)	۳۰-۳۵ فیٹ
آم (تخمی)	۴۰-۴۵ ،،
پپیتہ	۱۰ ،،
انگور	۱۰ ،،
شریفہ	۲۰-۲۵ ،،

اب پھر اصلی سوال پر آ جایئے۔ ان کو نظاروں سے کیسے منتقل کیا جائے۔ پودوں کو نکالنے سے پہلے وہ زمین سینچ دینی چاہیئے جس پر وہ لگے ہوں۔ زمین کے تر ہو جانے پر پودوں کے نکالنے میں آسانی ہوگی۔ لیکن پانی اتنا زیادہ نہ دیا جائے کہ کھودتے وقت مٹی کھرپی میں چپک جائے۔ نہیں تو کھودنے میں دقت ہوگی۔ عام طور پر پھلوں کے پودے بارش کے موسم میں منتقل کئے جاتے ہیں۔ اس لئے زمین سینچنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر جاڑے یا گرمی میں پودے منتقل کئے جائیں تو پودوں کو کھودنے سے پہلے زمین کو تر کر لینا چاہیئے۔

پھلوں اور گلاب وغیرہ قسم کے پھولوں کے پودے ترکاری کے پودوں کی طرح اکھاڑ کر نہیں لگائے جاتے۔ ان کے کھودنے کے لئے کھرپی وغیرہ کام میں لائی جاتی ہے۔ کھرپی سے پودوں کے چاروں طرف کھود دینا چاہیئے اور پودے کو مٹی سمیت جس میں اس کی

جڑیں رہتی ہیں نکالنا چاہیئے۔ جیساکہ اوپر کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔

مٹی کا کم یا زیادہ ہونا پودوں پر منحصر ہے۔ پودا جتنا بڑا ہوگا اتنی ہی زیادہ مٹی اس کے ساتھ کھودی جائیگی۔ کھودتے وقت اور اس کے بعد لگاتے وقت بھی یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ مٹی بیچ سے پھٹ نہ جائے۔ پھر اس پودے کو مٹی سمیت اس تیار شدہ زمین میں لیجانا چاہیئے جہاں اسے لگانا ہو وہاں اسی کی شکل کا ایک گڑھا کھود لینا چاہیئے اور پورے پودے کو اس میں ڈال کر مٹی سے دبا دینا چاہیئے۔ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ پودے کا تنا زمین کی سطح کے نیچے نہ جائے ورنہ اُس کے سڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ پپیتہ میں خاص طور کا ایسا ہوتا ہے۔ اس کی کچھ پتیاں توڑ دینی چاہئیں، تاکہ جڑ اور تنے کی نسبت ٹھیک رہے۔ کھودنے میں جتنی جڑیں کھُرپے سے کٹ گئی ہوں اُس کے اندازے پتیاں بھی چھانٹ دینی چاہئیں تاکہ پتیوں سے پانی بھاپ بن کر جلدی نہ اڑ جائے۔ جب تک جڑیں زمین میں اچھی طرح نہیں جم جاتیں اور پھیلنے نہیں لگتیں اس وقت تک نئے کلے نہیں پھوٹتے۔

مضمون کے اختتام سے پہلے بطور خلاصہ کچھ اصول درج کئے جاتے ہیں۔ یہ تعداد میں دس ہیں۔ اور "پودوں کی منتقلی کے دس اصول" کے نام سے موسوم ہیں۔

۱۔ نرسری (Nursery) میں تیار ہونی چاہیئے۔

۲۔ پودے کو زیادہ سے زیادہ جڑوں کے ساتھ اکھاڑنا چاہیئے۔

۳۔ پودے کو بڑی حفاظت اور ہوشیاری سے پکڑنا چاہیئے۔

۴۔ گڑھا ٹھیک طور پر بنانا چاہیئے اور اچھی طرح مٹی سے بھر دینا چاہیئے۔

۵۔ اگر پودے کے کچھ حصے بڑے ہوں تو اُن کو قلم کر دینا چاہیئے۔

۶۔ مٹی میں کافی مضبوطی یا جان آجانی چاہیئے۔

۷۔ پودے کو لگانے کے بعد فوراً پانی دینا چاہیئے۔

۸۔ پودے کو یا تو شام کے وقت منتقل کرنا چاہیئے یا اس کے اوپر سایہ کر دینا چاہیئے۔

۹۔ پودے کو ایک ہفتہ تک تر رکھنا چاہیئے۔

۱۰۔ پودے کیلئے سایہ ضروری ہے۔

پرنشر

رائے صاحب لالہ رام دیال۔ اگروالا۔ کٹرہ۔ الہ آباد۔

ہماری مطبوعہ کی قواعد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب مولوی فاضل — ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ عربی فارسی اردو لکھنؤ یونیورسٹی بنارس — قیمت ۲ آنہ —

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولس کے لیے مرتب کیا ہے — انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے — اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلی درجہ کا انتخاب ہے —

موتی کا نوالہ — مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی ایم اے — ال ٹی — ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور —

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے — زبان نہایت صاف اور شستہ ہے — قیمت ۲ آنہ —

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفہ رام رگھبیر پرشاد — لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلی قسم صفحات ۱۰ — قیمت ۳ آنہ —

الہ دین اور اس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں —

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفہ سکھ رائے، ٹیچر نارمل اسکول جھانسی — لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلی قسم صفحات ۴۳ — قیمت ۴ آنہ —

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں —

گلدستۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسن صاحب ماسٹر ٹیچر پارکر ہائی اسکول مرادآباد —

اس کا دوسرا نام نوادر التحقیق ہے — یہ اسم بامسمی ہے — اس میں مختلف قسم کے ۲۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین مصنفین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں — مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں مسلسل شائقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستۂ مضامین کا دوسرا جنم سمجھنا چاہئے — اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۳۲۷ ہیں — باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے —

ضرب الامثال — مولفہ سید مسعود حسن صاحب رضوی — ایم اے — لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی — لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلی قسم جلدی سائز، صفحات ۲۳۷ — قیمت ۱۰ آنہ —

یہ اردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے — عربی فارسی کے کثیر الاستعمال ضرب الامثال جو زبان اردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں — ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے ان کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے — ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے — طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے —

خطوط نویسی — مرتبہ مولوی محمد رفیع پھلوری، فاضل دیوبند — قیمت ۲ آنہ —

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں — عبارت نہایت سلیس، صاف اور شستہ ہے — بچوں کے لیے بہت مفید ہے —

رائے صاحب رام دیال اگروالا پرنٹر و پبلشر الہ آباد

خیالات کا اُبھار

پڑھنے لکھنے اور سوچنے والے غرضیکہ ہر طرح کے ذہنی
کام کرنیوالے زیادہ تر چائے کیوں پیتے ہیں۔ اسلئے کہ چائے
کے ذریعے اُن کے خیالات اور جذبات میں اُبھار پیدا ہوتا ہے
پینے والی تمام چیزوں میں چائے ہی ایک ایسی شے ہے
جس کی لاثانی خوبی سے تصوّر اور خیال صاف ہوتا ہے
تمام جوش پیدا کرنیوالے خیالات چائے سے حاصل کیجئے

ہندوستانی چائے

تمام دُنیا کے پینے کی چیز

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala at the Shanti Press, Allahabad

Registered No. 467-A

V

ایجوکیشنل گزٹ

نومبر سنہ ۱۹۲۳ء

ایڈیٹر
ڈاکٹر ضیاء الرحمن خاں
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

1886 U
The Editor,
Nai Talim, Jamai Nagar,
Delhi.

محکمہ تعلیم ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کا ماہواری رسالہ

فہرست مضامین ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۲ ع

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اُردو اور ہندی زبان میں الگ الگ رائے صاحب رام دیال اگروالا پبلشر' الہ آباد' سے ہر ماہ کے چوتھے ہفتے میں شائع ہوا کرے گا -

(۲) اس رسالہ کا سالانہ چندہ پیشگی ۱ روپیہ ۱۲ آنہ اور ششماہی ۱ روپیہ مقرر کیا گیا ہے - پبلک کی آسانی کے لیے نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ آنہ اور پچھلے مہینوں کے پرچوں کی قیمت فی نمبر ۴ آنہ مقرر ہے -

(۳) ہر صاحب علم' مضامین بغرض اندراج رسالۂ ہذا بھیج سکتے ہیں' لیکن یہ ضرور ہے کہ :-

(الف) مضمون خوشخط اُردو یا ہندی زبان میں یا دونوں زبانوں میں لکھے ہوں' ایک طرف معقول حاشیہ بھی چھٹا ہو -

(ب) اصول تعلیم' اشارات' سائنس کے متعلق دلچسپ اور مفید باتیں' قدرتی و طبعی مناظر' تعلیم نسواں' نامی گرامی اشخاص اور مشہور مقامات کے حالات وغیرہ کے متعلق مضامین بھیجے جائیں -

(۴) رسالۂ ہذا میں وہی مضامین شائع ہوں گے جو کسی کتاب یا اخبار یا رسالے کی نقل نہیں بلکہ خاص ایجوکیشنل گزٹ کے لیے تیار کیے گئے ہوں - ایسے مضمونوں کے معاوضہ مضمون نگار کو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ فی صفحہ ملیں گے اور اگر ایڈیٹر مناسب سمجھے گا تو کسی مضمون کا ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گا - ایسی حالت میں مضمون نویس کو خواہ کسی مترجم کو ۸ آنہ صفحہ ترجمہ کرائی دیجائے گی -

(۵) جملہ خط و کتابت برائے خریداری رسالہ و ترسیل زر و اشتہارات وغیرہ رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے اور جواب کے لیے جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے - ناپسندیدہ مضامین حسب درخواست واپس کیے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ اُن کی واپسی کے لیے کافی محصول ٹکٹوں میں بھیج دیا جائے - خط و کتابت کے وقت خریداری کا نمبر ضرور لکھنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا مگر ۳۶۷ الف کسی خریدار کا نمبر نہیں ہے' یہ یاد رکھیے -

(۶) کسی مہینے کے گزٹ نہ پہنچنے کی اطلاع دوسرے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد' سے کرنی چاہیے - ورنہ دیر میں ایسی شکایتیں نہ سنی جائیں گی اور دفتر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا -

شرح اُجرت اشتہارات

جگہ	ایک ماہ (۱)	تین ماہ (۳)	چھہ ماہ (۶)	سال بھر (۱۲)
پورا صفحہ	۲۵ روپیہ	۶۲ روپیہ ۸ آنہ	۱۱۲ روپیہ ۸ آنہ	۲۰۰ روپیہ
نصف صفحہ	۱۵ روپیہ	۳۷ روپیہ ۸ آنہ	۶۷ روپیہ ۸ آنہ	۱۲۰ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۱۰ روپیہ	۲۵ روپیہ	۴۵ روپیہ	[illegible] روپیہ

* اُجرت دونی ہوجائے گی جب کہ اشتہار ہندی گزٹ میں بھی طبع کرایا جائے گا - ہر حالت میں اُجرت پیشگی لی جائے گی -

پبلشر - رائے صاحب رام دیال اگروالا' الہ آباد

جلد ۲۵ | نومبر ۱۹۴۳ء | نمبر ۸

بیسک تعلیم کی کہانی

"معاشری علوم کی تعلیم"

(مسٹر نیل الرب بی۔ اے آنرز ایل۔ ٹی۔ بیسک ٹریننگ کالج الہ آباد)

اس سلسلے کے تیسرے مضمون میں جو کہ پچھلے مہینہ میں شائع ہوا ہے مادری زبان کی تعلیم کا جائزہ لیا گیا تھا اور چند اشارات اساتذہ اور افسران معائنہ کے استفادہ کے لئے پیش کئے گئے تھے۔ اس مہینہ کا مضمون "معاشری علوم" سے متعلق ہے۔

معاشری علوم کے تحت میں تین مضامین رکھے گئے ہیں۔ جغرافیہ، تاریخ اور شہریت کی تعلیم۔ بیسک تعلیم نے ان تینوں مضامین کے فطری ربط باہمی کو سمجھا ہے اور اسی لئے ان کو علحدہ علحدہ ٹکڑوں میں تقسیم نہ کر کے ایک ہی عنوان کے تحت میں رکھا ہے۔ اصولاً یہ چیز صحیح بھی ہے اور مفید مطلب بھی۔ جو معلومات ان مضامین کے تحت میں آتی ہیں ان میں واقعی اتنا گہرا ربط اور تعلق ہے کہ ان کو کسی مصنوعی طریقے سے علحدہ علحدہ شقوں میں منقسم کرنا صرف بے معنی کوشش نہیں بلکہ محال بھی ہے۔

جغرافیائی معلومات انسان کے سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ ان کا ... ہیں کہ زمین، آب و ہوا، بارش ...

اور

اور واقعات انسانی زندگی پر کیا اثر ڈالتے ہیں۔ اور کس طرح انھیں اثرات کے ماتحت صرف انفرادی نہیں بلکہ قومی سیرت اور ذہنی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ تاریخی معلومات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ موجودہ معاشری ماحول کس طرح وجود میں آیا۔ بنی نوع انسان نے اپنے قدرتی ماحول پر قابو پانے اور اس کو اپنی ضروریات کے لحاظ سے استعمال کرنے میں کیا کیا جد وجہد کی۔ اس جد وجہد میں اس کو کہاں تک کامیابی میسر ہوئی۔ اسی طرح سوکس کی مدد سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے شخصی و اجتماعی زندگی کے اصول کس طرح مرتب کئے اور انسانی زندگی میں حقوق و فرائض کا کیا مطلب ہے۔

قدرتی ماحول ایک طرح کا اسٹیج ہے جس پر انسانی زندگی کا ڈرامہ ہوتا رہتا ہے۔ اس اسٹیج کا مطالعہ جغرافیائی علم ہے اور انسانی ڈرامہ کا مطالعہ جو کہ افراد اور قوموں کی فتح و شکست عروج و زوال' خوشی و رنج اور رسم و رواج وغیرہ پر مشتمل ہے تاریخ اور سوکس کا مطالعہ ہے۔

اس مختصر بحث سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ معاشری علوم کی حیثیت ایک کل کی ہے۔ اس کل کو مصنوعی اجزا میں منقسم کرنا اور اس تقسیم پر زور دینا تاریخی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ نفسیاتی اصول سے بھی بیجا ہے۔ ان مضامین کے تحت میں جتنا بھی علم ہمیں بچوں تک پہنچانا ہے وہ مجموعی اور مربوط ہونا چاہئے۔

بچہ کی تعلیم کی شروعات قدرتی اور معاشری ماحول کے مشاہدہ سے ہوتی ہے۔ آنکھ کھولنے کے بعد سب سے پہلے اس کی نظر آس پاس کی چیزوں پر پڑتی ہے۔ جیسے جیسے بچہ بڑھتا ہے اس کا قدرتی اور معاشری مشاہدہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ قدرتی اور معاشری ماحول کی تعلیم بچہ کی زندگی میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ فطری طریقہ سے شروع ہوتی ہے۔

انسانی ترقی کے لئے ان مضامین کا علم ناگزیر ہے انسان جب تک اپنے قدرتی ماحول سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتا اس وقت تک وہ قدرت کے عطیات سے اچھی طرح فیضیاب نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو یہ علم ہو سکتا ہے کہ قدرتی حالات اور گوناگوں حادثات اور واقعات کا انسانی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ کسی قوم کی سیرت اور اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سمجھنے کے لئے اس قوم کا جغرافیائی ماحول جاننا ضروری ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تاریخ انسانی میں تنازع البقا نے کیا کیا صورتیں اختیار کیں۔ انسان نے قدرت پر قابو پانے کے لئے کیا کیا کوششیں کیں۔ یہ کوششیں قدرتی ماحول اور اثرات کے مطابق دنیا کے مختلف حصوں میں کس کس طرح رونما ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا علم انسان کی معاشری زندگی کے لئے کتنی اہمیت

رکھتا ہے۔

اس علم کے بغیر ہمارا سارا نظام تعلیم نامکمل اور بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔ بیسک اسکیم نے اسی لئے معاشری علوم پر کافی زور دیا ہے۔

ابھی تک پرائمری اسکولوں میں درجہ اول سے لے کر چہارم تک صرف جغرافیائی معلومات بچوں کو کرائی جاتی تھیں معلومات کے اس ذخیرہ میں نفسیاتی اصول سے کافی خامیاں تھیں۔ مگر ان خامیوں سے فی نفسہ بحث کرنا میرے موضوع سے باہر ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے صرف ایک بات کہنی ہے اس طریقہ کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اس میں تاریخ اور سوکس کو جو علم جغرافیہ کے غیر منفک اجزاء ہیں کوئی جگہ نہ تھی۔ بیسک اسکیم نے اس خامی کو دور کردیا۔ زمین، آب و ہوا۔ ندی، پہاڑ اور میدان وغیرہ کا علم کیا مصرف رکھتا ہے۔ اگر یہ علم ہم کو اپنے ماحول کو سمجھنے اور اس پر قدرت حاصل کرنے میں مدد نہیں دیتا۔ ماحول پر قدرت حاصل کرنے کے لئے جو جد وجہد کی گئی ہے اس کا مطالعہ تاریخ اور سوکس کا مطالعہ ہے۔

موجودہ نصاب کی رو سے جغرافیہ کی تعلیم کے ذریعہ بچہ اپنے قدرتی ماحول کو سمجھے گا۔ قدرتی ماحول کے اثرات سے آشنا ہوگا۔ اس کو آہستہ آہستہ فضائے بسیط کی وسعت کا احساس ہوگا۔ تاریخ کی مدد سے وہ اس ماحول کو مفید مطلب بنانا سیکھے گا۔ اس کو زمانہ کے بہاؤ اور انسانی جد وجہد کی تاریخ کا اندازہ ہوگا۔

وہ اپنے ملکی اور قومی اداروں، اُن کی ساخت اُن کے ارتقا اور ان کی اہمیت کا اندازہ لگائے گا۔ سوکس اسکو یہ بتائے گی کہ متمدن اور منظم زندگی کے کیا اصول ہیں اور ان اصولوں کا ارتقا کس طرح ہوا۔

معاشری علوم کی اہمیت اور اُن کی تعلیم کا مقصد سمجھ لینے کے بعد ہم ان اُلجھنوں سے بحث کریں گے جو ان کی تعلیم کے سلسلہ میں محسوس ہوتی ہیں۔ یہ دشواریاں اور یہ اُلجھنیں دو شقوں کے تحت میں لائی جاسکتی ہیں۔

۱۔ نصاب تعلیم سے تعلق رکھنے والی۔

۲۔ طریقۂ تعلیم سے تعلق رکھنے والی۔

مدرسین کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ معاشری علوم کے تحت میں جتنا نصاب رکھا گیا ہے وہ بچہ کی استعداد سے باہر ہے۔ اتنا نصاب نہ تو وہ سال بھر میں پورا کرسکتے ہیں اور نہ بچے یاد رکھ سکتے ہیں۔ مدرسین کا یہ خیال چونکہ اُن کے عملی تجربہ پر مبنی ہے اس لئے ممکن ہے کہ وہ کسی حد تک صحیح ہو۔ لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ نصاب کے بارہ میں مدرسین کا یہ خیال علوم معاشری کی تعلیم کے صحیح مقصد اور طریقہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ مدرسین عموماً سمجھتے ہیں کہ سارا نصاب بچوں کو رٹا دیا جائے۔ چنانچہ مجوزہ اصول کے مطابق جغرافیہ تاریخ اور

سوکس کے علاحدہ علاحدہ مفصل نوٹ لکھا کر بچوں کو رٹا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس صورت میں کورس کا ختم نہ ہوسکنا یا بچوں کا سارے کا سارا نصاب یاد نہ کر سکنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بلکہ میرے خیال میں تو یہ بچوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان میں بھول جانے کا مادہ ہوتا ہے اور اس طرح سے وہ اپنے کو پاگل نہیں تو کم از کم نیم پاگل ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ درجہ اول و دوم کے بچوں تک کو لکھائے ہوئے نوٹ رٹنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی غلط تعلیم صرف بے کار ہی نہیں بلکہ ذہنی نشوونما کے لئے بھی مضر ہے۔

میرے خیال میں اگر ہم نصاب کے مقصد کا صحیح تصور اپنے دماغ میں رکھیں اور تعلیم کے لئے صحیح طریقے کام میں لائیں تو نہ نصاب زیادہ معلوم ہوگا اور نہ تعلیم میں وہ عجلت نظر آئے گی جس کا ابھی ذکر آیا ہے۔ میرے اس خیال کی ان مدرسین نے تائید کی ہے جنھوں نے میرے سمجھانے کے بعد نئے تصور اور نئے نقشہ کو سامنے رکھ کر ان علوم کی تعلیم دی۔ آگے کی سطور میں میں اس اجمال کی تفصیل پیش کروں گا۔ اس سلسلہ میں یہ چیز واضح ہو جائے گی کہ "صحیح تصور" اور "صحیح طریقۂ تعلیم" سے میری کیا مراد ہے۔

اگر ہم سنجیدگی سے پورے نصاب کا جائزہ لیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ نصاب کا کافی حصہ بچوں کو صرف محسوس کرانے کے لئے ہے۔ پورے نصاب کا باقاعدہ اسباق کی صورت میں پڑھایا یا رٹایا جانا اسکیم کی منشا کے خلاف ہے۔ اس سبب سے ان علوم کی تعلیم کی ابتدا عمدہ کہانیوں اور دلچسپ عملی تعلیمی مشاغل سے ہوتی ہے۔ اس کا مقصد بچوں پر کچھ خوش گوار اثرات ڈال کر انکو اپنے گرد و پیش کے ماحول کو سمجھنے میں رہنمائی کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک ضروری بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ اگر ہمارے مدرسین جغرافیائی معلومات کو چند منفرد حقائق اور واقعات "تاریخ کو" مردوں کی کہانی" اور سوکس کو چند سماجی اور سیاسی اصولوں کی تعلیم و تشریح کی صورت میں بچوں کے سامنے پیش کریں گے تو یقیناً نصاب زیادہ بھی معلوم ہوگا اور بچوں کی قوت حافظہ سے باہر بھی۔ لیکن ان مضامین کو اگر ہم کل کی حیثیت سے دیکھیں اور بچہ کی قدرتی اور سماجی زندگی کو ان کی تعلیم کا پس منظر بنائیں تو نصاب زیادہ بھی نہ معلوم ہوگا۔ اور ان کی تعلیم کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔

نصاب کے سلسلہ میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ دور دراز ملکوں اور سیاحوں کے حالات اور ان کی زندگی کا مطالعہ چھوٹے بچوں کے لئے بے معنی ہے اس لئے کہ وہ خود اپنے ماحول سے بھی اچھی طرح آشنا نہیں ہوتے یہ خیال تعلیمی اصول سے صحیح نہیں ہے۔ بچہ کی زندگی کو صرف اس کے قریبی ماحول میں محدود رکھنے اور پھر اس کو بہت

آہستہ آہستہ وسیع کرنے میں یہ خطرہ ہے کہ کہیں اس میں شروع ہی سے تنگ نظری نہ آجائے۔ دور دراز ممالک کے حالات بچے کے سامنے صرف اس لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ اس کو دنیا کی وسعت کا احساس ہو۔ وہ محو بالذات نہ ہو جائے۔ اور شعوری زندگی کے آغاز ہی سے اپنی شخصیت کو ایک محدود دائرہ کی نسبت سے نہیں بلکہ وسیع سماج کی نسبت سے سمجھنے کی کوشش کرے۔ زندگی کی وسعت کا یہ احساس ہر اعتبار سے مفید اور پسندیدہ ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی اور اداروں کے تاریخی حالات، ان کا موازنہ و مطالعہ جو تاریخ اور سوکس کے علم پر مبنی ہے۔ بچہ میں وسیع النظری، بلند احساس، اور زندگی کا رنگین تر اور بامقصد تخیل پیدا کرنے میں معاون ہوں گے۔

اس کے علاوہ نصاب کی موجودہ ترتیب میں ایک اور بھی تعلیمی نکتہ ہے۔ ہم کو حصول علم میں مشابہت یا تقابل سے بڑی مدد ملتی ہے۔ کسی چیز کی ٹھنڈک سمجھانے کے لئے ایک تو برف کی ٹھنڈک سے مشابہت دی جاسکتی ہے یا کسی تپتی ہوئی چیز کا تقابل پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس اصول کی وضاحت یوں ہوسکتی ہے کہ فرض کیجئے ہم نے ٹنڈرا پڑھایا ہے اب صحارا کے ریگستان کا حال پڑھانا ہے۔ صحارا کی گرمی کا احساس اپنے یہاں کی موسم گرما کی چلچلاتی ہوئی دھوپ سے کرایا جاسکتا ہے یا برف سے ڈھکی ہوئی سرزمین کی ٹھنڈک سے بچوں کے سامنے یہ چیز اس صورت سے پیش کی جاسکتی ہے کہ بچو! تم نے ایسے ملک کا حال تو پڑھ لیا جو انتہائی سرد ہے، جہاں گرمی نام کو بھی نہیں ہوتی۔ جہاں کی سرزمین برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ اب ایک ایسے ملک کا حال سنو جو گرم ہی گرم ہے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے وہاں گرم اور خشک ریت کے علاوہ میلوں پانی تک نظر نہیں آتا۔

مختصر یہ کہ ملکی جغرافیہ کے علاوہ قدرتی اور معاشرتی اعتبار سے کوئی امتیازی حیثیت رکھنے والے دنیا کے دیگر ممالک کا اضافہ اور تاریخ و سوکس کو مردہ واقعات و حالات کے بیان تک محدود نہ رکھ کے سماجی اداروں اور بلند شخصیتوں اور انسانی زندگی کے مطالعہ اور مشاہدہ پر مشتمل کر دینا نصاب بڑھانے کی خاطر نہیں ہے، بلکہ نفسیاتی اور تعلیمی اصولوں پر مبنی ہے۔

معاشرتی علوم کے نصاب کے بارے میں کافی لکھا جاچکا۔ اب طریقۂ تعلیم کی طرف آئیے۔ میں نے اوپر لکھا ہے کہ معاشرتی علوم کے نصاب کا زیادہ تر حصہ بچوں کو محسوس کرانے کے لئے ہے۔ اس خیال سے کہ یہ جملہ کوئی غلط فہمی نہ پیدا کرے اس کی ذرا سی وضاحت ضروری ہے۔

مثال کے طور پر بنگالی بچہ کا حال لے لیجئے۔ اگر ہم کہانی سنا کر بچوں کو صرف اتنا سمجھا دیں کہ سمندر سے قریب ہونے کی وجہ سے وہاں ہمارے یہاں کی طرح نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے نہ زیادہ سردی۔ بارش خوب

ہوتی ہے۔ لوگ ڈھیلے ڈھالے اور ہلکے کپڑے پہنتے ہیں اور زیادہ تر ننگے سر رہتے ہیں۔ مچھلی اور چاول ان کی مخصوص غذا ہے اس لئے کہ یہی دو چیزیں وہاں افراط اور آسانی سے میسر آتی ہیں۔ بنگال کے سلسلہ میں بچوں کا اتنا علم بہت کافی ہے۔ بنگالی بچہ کی مفصل کہانی لکھا کر بچوں کو رٹانا مہمل سی بات ہے۔

اسی طرح کسی اور ملک کا حال لیجئے۔ مثلاً ٹنڈرا۔ بچے کو ہمیں صرف یہ محسوس کرانا ہے کہ دنیا کے تمام ممالک ہمارے ہی ملک کی طرح نہیں ہیں۔ ہمارے ملک کے ٹھیک شمال میں یہاں سے بہت دور ایک ملک ہے۔ وہاں بے انتہا سردی پڑتی ہے اور زمین برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ ہمارے یہاں کی طرح وہاں طرح طرح کی چیزیں کھانے میں نہیں آتیں۔ لوگ بھالو، مچھلی اور ہرن مار کر کھاتے ہیں اور ان کی کھالوں سے اپنے بدن ڈھک لیتے ہیں۔ ان کے مکان ہماری طرح نہیں ہوتے۔ وہ برف کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے رہنے کی جگہ بنا لیتے ہیں وہاں کی زندگی ہمارے یہاں کی زندگی کی طرح آسان نہیں ہے۔

بنگال اور ٹنڈرا کا حال میں نے مثالاً لے لیا۔ اسی طرح اور ممالک کا بیان بھی ہو سکتا ہے۔ میرا مقصد یہ کہنا تھا کہ صرف موٹی موٹی قدرتی یا معاشرتی خصوصیات بچے کو محسوس کرانے کی کوشش کرنی چاہئے جزئیات اور تفصیلات کو آئندہ درجوں کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔

اسی اصول سے تاریخ پر نظر ڈالئے۔ تاریخ اگر صرف "طبل و علم" کی تاریخ ہے تو ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اگر ماضی کی مدد سے ہم حال کو بہتر طریقہ سے نہیں سمجھ سکتے تو ماضی کا مطالعہ ایک بے کار شے ہے۔ اگر تاریخ کو با مقصد بنانا ہے تو اسے حال اور انسانی زندگی کی نسبت سے سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ تاریخ پڑھانے میں سارا زور معاشرتی قدروں کے تعین پر ہونا چاہئے۔ خارجی واقعات کی تفصیلات پر نہیں۔ اشوک کی زندگی کا مطالعہ اس لئے بامعنی ہو سکتا ہے کہ اشوک ایک خاص زمانہ کی نمایندگی کرتا ہے اور اس زمانہ کے مذہبی اور معاشرتی حالات اور میلانات کا پتہ دیتا ہے۔ اس کے مطالعہ میں اس پہلو پر زور نہ دینا چاہئے کہ اس نے کتنی لڑائیاں لڑیں اور اس کی فوج کتنی تھی، اُن میں کتنے سپاہی کام آئے وغیرہ۔

اسی طرح فرض کیجئے ہمیں ایسٹ انڈیا کمپنی کا حال پڑھانا ہے۔ مِل کی کتاب سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا حال نقل کر کے بچوں کو لکھا دینا ان پر صریحاً ظلم ہے۔ ہم پرائمری درجات سے صرف اتنی توقع رکھتے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعہ وہ یہ جان لیں کہ انگریز ہمارے ملک پر حملہ آور ہو کر یہاں حکمرانی نہیں کرنے لگے۔ آج سے ڈھائی تین سو سال پہلے وہ صرف

تجارت کے لئے ہندوستان آئے تھے، یہاں باہر کے اور لوگ بھی تجارت کر رہے تھے۔ یہ بڑے ہوشیار تھے۔ یہاں کی پھوٹ سے فائدہ اُٹھاکر آہستہ آہستہ اپنی طاقت بڑھاتے گئے اور حکومت کرنے لگے۔

ایک مثال اور لیجئے، ہمیں رضیہ پڑھانا ہے۔ سبق میں ان باتوں کے رٹانے پر زور نہ دینا چاہئے کہ وہ کس کی لڑکی تھی، کب پیدا ہوئی، کہاں کہاں لڑی، لڑائیوں کا کیا انجام ہوا۔ اس کے وزیر کون تھے اور وہ کس غلام کو زیادہ چاہتی تھی وغیرہ ہیں۔ بچوں کو صرف اتنا محسوس کرانا ہے کہ دنیا میں بہت سی عورتیں بھی بڑی شخصیت کی ہوئی ہیں۔ آج سے چھ سات سو برس پہلے دہلی میں رضیہ نامی ایک ملکہ تھی اس نے بڑی ہوشیاری سے حکومت کی۔

یہ مثالیں میں نے ایسی ہی لے لی ہیں۔ ان میں کوئی خاص ترتیب نہ تھی۔ میں صرف وہ طریقہ پیش کرنا چاہتا تھا جس کی مدد سے غیر اہم اور خارجی چیزوں کو چھانٹ کر نصاب کو کارآمد اور بامقصد بنایا جا سکتا ہے۔ اس اصول سے تعلیم دینے میں نصاب کی زیادتی کی بھی شکایت نہ رہ جائے گی۔

سوکس کی حیثیت تاریخ و جغرافیہ سے قدرے مختلف ہے۔ سوکس کا کافی حصہ بیسک نصاب کے دیگر مضامین اور عملی کاموں سے متعلق ہے جن میں بچوں کو آداب سیکھنے اور عمدہ عادتیں ڈالنے کا کافی موقع ملتا ہے ان مواقع سے حسب دلخواہ فائدہ اُٹھانا استاد کا کام ہے۔

اب معاشری علوم کے طریقۂ تعلیم کے اور پہلوؤں کو سامنے رکھئے۔ بیسک اسکیم اس اصول کی حامی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے نصاب کے مضامین کو ربط دے کر پڑھایا جائے۔ ربط کے تین سرچشمے ہیں۔ عملی کام، قدرتی ماحول اور معاشری ماحول۔ ان تینوں سرچشموں کی وسعتوں اور حدود کا صحیح اندازہ ہونا چاہئے تاکہ ربط فطری، بامعنی اور حقیقی ہو سکے۔ غیر فطری اور غیر حقیقی ربط سے سبق کے حسن اور مقصد دونوں کو صدمہ پہنچتا ہے۔

اب فطری اور غیر فطری ربط کی کچھ مثالیں لے لیجئے اگست کے مہینہ میں میں نے ایک پرائمری اسکول کا معائنہ کیا۔ مدرس نے کسی درجہ میں بنگال کا حال پڑھایا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے بنگال کا حال کس چیز سے ربط دے کر پڑھایا ہے۔ مدرس نے جواب دیا کتائی سے۔ کاتنے کے گھنٹے میں میں نے کپڑوں کا ذکر کیا اور ان کو بتایا کہ ایک ملک ہے بنگال، وہاں کے لوگ ڈھیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ اس طرح میں نے بنگال کا حال لے لیا۔ غیر فطری ربط کی یہ صرف ایک مثال ہے۔ اسی طرح ہر چیز کے پڑھانے کے لئے مدرس کبھی نہ کسی قسم کے ربط کا سہارا لینا ضروری سمجھتا ہے چاہے وہ ربط کتنا ہی مضحکہ خیز اور بے معنی کیوں نہ ہو۔

بنگال کا حال پڑھانے کا ایک فطری طریقہ ہوسکتا تھا
مدرس بچوں کو آس پاس کے کھیتوں پر لیجاتا۔ جہاں جوار
اور باجرہ کے ساتھ ساتھ پانی سے بھرے ہوئے دھان
کے کھیت پر لہلہا رہے ہوں۔ وہاں بچوں سے خریف کی فصلوں
کے بارے میں بات چیت کرتا اور اسی سلسلہ میں بتادیتا
کہ یہاں تو تم صرف اتنا ہی پانی اور اتنے ہی دھان کے
کھیت دیکھ رہے ہو۔ لیکن کچھ ایسے بھی حصے ہیں
جیسے بنگال جہاں بارش بہت زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ تر
دھان ہی دھان ہوتا ہے۔ اس مثال سے میرا مطلب
یہ نہیں ہے کہ بنگال کا حال پڑھانے کا اس سے زیادہ فطری
اور بہتر کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہوسکتا۔ میرا مقصد صرف
یہ تھا کہ مدرس نے اس سلسلہ میں جو ربط کی صورت
نکالی تھی وہ مضحکہ خیز تھی۔ کوئی اور بہتر طریقہ نہ سوچ
سکنے کی صورت میں برسات اور دھان کے کھیتوں سے
فائدہ اٹھاکر بنگال کا حال پڑھادینا کافی اچھا ہوتا۔
لیکن اسی حالت میں بھیل یا پنجابی بچہ کا حال
پڑھانا مہمل ہوجاتا۔ فطری ربط کی ایک عمدہ مثال سنئے۔

کوئی ضلع باندہ کے اسکول میں ایک مسلمان بچہ کا باپ
حج سے واپس آیا۔ بچہ بہت خوش تھا۔ مدرس نے بچے سے
اس خوشی کا سبب پوچھا۔ بچہ نے بتایا کہ میرا باپ حج کرکے
واپس آیا ہے۔ مدرس نے پوچھا کہ وہ اپنے ساتھ کیا کیا
چیزیں لائے ہیں۔ اس نے کہا کھجور اور تبرک وغیرہ۔ دوبچے
بچوں کو دلچسپی پیدا ہوئی اور انھوں نے دریافت کیا
کہ ماسٹر صاحب ان کے والد کہاں سے آئے ہیں۔ مدرس نے
اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور بچوں کو عرب کے بدویوں
کا حال سنایا۔ مدرس نے مجھے بتایا کہ قاعدہ سے میں عرب
کا حال کچھ دنوں بعد لیتا لیکن چونکہ موقع اچھا ہاتھ آگیا
اس لئے میں نے ترتیب کا خیال نہ کرکے اس کو پہلے پڑھادیا۔

معاشری ماحول سے فائدہ اٹھانے کی ایک اور مثال لیجئے۔
فرض کیجئے کہ ہمیں حیدر علی کا حال پڑھانا ہے۔ حیدر علی کی
زندگی کا سب سے دلچسپ مطالعہ یہ ہے کہ اس نے
اپنی دانشمندی، جرأت اور سوجھ بوجھ کی بدولت معمولی
حیثیت سے ترقی کرکے بادشاہت حاصل کرلی۔ آج کل
ہٹلر کا نام ہر بچہ کی زبان پر ہے۔ ہٹلر کے متعلق بچوں سے
تھوڑی سی باتیں کرکے ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ ہمارے ملک
میں بھی بہت سے ایسے لوگ ہوئے ہیں جنھوں نے ہٹلر کی طرح
معمولی سپاہی کی حیثیت سے زندگی شروع کرکے بادشاہت
تک پائی۔ انھیں میں سے ایک حیدر علی بھی تھا۔ اسی طرح
اگر حیدر علی کا حال کسی اور طرح سے پڑھایا جارہا ہے
تو سبق سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے رضا شاہ پہلوی،
ہٹلر اور مسولینی کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح سکول
کے ذریعہ بات چیت کرکے محمد تغلق کا حال پڑھایا جاسکتا ہے۔

میں نے ابھی تک جغرافیہ اور تاریخ کے متعلق لکھا
ہے۔ سوکس کے حصہ کو اس لئے چھوڑا جارہا ہے کہ اس کی

مہینہ کے گزٹ میں ایک عمدہ مضمون سوکس کی تعلیم پر علحدہ شائع ہو رہا ہے۔

ربط دے کر تعلیم دینے میں یہ چیز ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ربط کے مواقع حقیقی اور دلچسپ ہوں۔ ہر سبق اور اس کے ہر جزو کے لئے بچہ کے ماحول یا عملی کام سے ربط کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کرنا فضول سی بات ہے۔ ربط وہی ہے جو فطری طور پر آ جائے۔ ربط کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب ایک مرتبہ بچے کسی خاص قسم کے سبق کے لئے تیار اور متحرک ہو جائیں تو اس سبق کے اختتام پر اسی قبیل کے کچھ اور بھی اسباق ہو سکتے ہیں مثلاً بنگال یا صوبہ مدراس کا حال پڑھانے کے بعد مالابار کے موپلے بچے کا حال نہایت اطمینان اور مزے میں پڑھایا جا سکتا ہے۔

معاشری علوم پڑھانے کے سلسلہ میں ایک چیز اور بہت ضروری ہے اور وہ ہے تصاویر کا استعمال۔ چارٹ اور تصاویر کا استعمال ویسے تو ہر سبق میں ہو سکتا ہے لیکن معاشری علوم کے بیشتر اسباق بلا تصویروں کی امداد کے کبھی کامیاب طریقہ سے پڑھائے ہی نہیں جا سکتے۔ معاشری علوم پڑھانے والا مدرس بغیر تصاویر کے ایسا ہی ہے جیسا بغیر ہتھیار کا سپاہی۔ پوشاک، وضع قطع رہن سہن، صنعتیں غرضیکہ اسی طرح کی معاشری یا قدرتی ماحول سے تعلق رکھنے والی بہت سی چیزیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کا بیان ایک مناسب عمدہ تصویر بہ نسبت ایک گھنٹہ کے لکچر کے کہیں زیادہ واضح اور صاف طریقہ سے کر سکتی ہے۔ سب ڈپٹی صاحبان اس بات پر زور دیں کہ مدرسین معاشری علوم پڑھانے کے لئے کم از کم ضروری تصویریں تیار کریں۔ تصویروں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بہت عمدہ قسم کی ہوں۔ ضروری صرف یہ ہے کہ غلط مفہوم نہ پیدا کریں۔

معاشری علوم کے سلسلہ میں بہت سے اسباق ایسے بھی ہیں جن کو درجہ سے باہر بہت بہتر طریقہ سے پڑھایا جا سکتا ہے۔ مدرسین بچوں کی ٹولیاں بنا کر انکو گاؤں کے قدرتی اور معاشرتی ماحول سمجھانے کے لئے کبھی کبھی اسکول سے باہر لیجائیں۔ وہاں بچے کھیت فصل ندی، نالے، نہر، تالاب، مسجد اور مندر وغیرہ کا تعلیمی نقطۂ نگاہ سے مشاہدہ کریں۔ درجہ چہارم کے بچوں کے یہ مشاہدے مع نقشوں کے ایک کتابی صورت میں جمع کئے جا سکتے ہیں۔ یہ کتاب بچوں کے گاؤں کا سروے ہوگی ایسا سروے جو ان کی محنت کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح بچوں کی ٹولیاں آس پاس کے پرانے مقامات مثلاً پرانی مسجد، مندر، ٹیلا، حوض، لاٹ اور گڑھی وغیرہ کی سیر کو جائیں اور بعد میں اپنی معلومات لکھا کریں۔ پرانے سکوں، ٹکٹوں اور برتنوں وغیرہ کا جمع کرنا بھی ایک دلچسپ مشغلہ ہے جو بہت تعلیمی اہمیت رکھتا ہے

سوکس میں بھی کافی حصہ ایسے اسباق کا ہے جن سے پورا تعلیمی فائدہ اٹھانے کیلئے بچّوں کو اسکول سے باہر لیجانا ناگزیر ہے۔ دوسرے قسم کے اسباق وہ ہیں جن کا تعلق بہت کچھ مشاہدہ سے ہے۔ مثلاً اسپتال، ڈاک گھر، پنچایت گھر وغیرہ کا حال مشاہدہ سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں امریکہ کی "ورگیری اسکیم" کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس اسکیم کے مطابق بچوں کو زیادہ تر مضامین مشاہدہ کرانے کے بعد پڑھائے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر بچّوں کو روشنی پڑھانا ہے تو ان کو کسی بجلی کے کارخانہ کا مشاہدہ کرایا جائیگا اسی طرح پانی اور ہوا وغیرہ کے لئے پانی کی ٹنکی اور فوارہ وں کی مشین کا۔ سائنس کے ان مشاہدوں کے سلسلہ میں حساب وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی طرح معاشری علوم کی تعلیم کیلئے ذاتی مشاہدہ اور مطالعہ پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ پرائمری درجات میں معاشری علوم کا زیادہ تر نصاب عملی ہے اور جو عملی نہیں ہے وہ صرف محسوس کرانے کے لئے ہے۔ پرائمری درجات سے کچھ ایسا نصاب شروع ہونے لگتا ہے جس کی باقاعدہ تعلیم دینی چاہیئے۔ لیکن باقاعدہ تعلیم سے میرا مقصد لمبے لمبے نوٹ لکھوانے سے نہیں ہے۔ ایسے نصاب کی تعلیم کے لئے نفسیاتی اور تعلیمی اصول کام میں لائے جائیں۔ پرائمری درجات کے بعد باقاعدہ تعلیم شروع ہوگی لیکن یہاں بھی معاشری ماحول اور اس کی قدروں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

معاشری علوم کے بہت سے اسباق چھوٹے چھوٹے ڈراموں کے ذریعہ بڑے لطف اور خوبی کے ساتھ پڑھائے جا سکتے ہیں۔ ابھی تک مدرسین عموماً زبان کی تعلیم کے سلسلہ میں کبھی کبھی ڈرامے کراتے تھے۔ شاید ان کو یہ پتہ نہیں کہ ڈراموں کی مدد سے معاشری علوم کے بھی تعلیمی امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ ڈرامے مختصر، بامقصد اور آسان ہوں تاکہ بچے آسانی کے ساتھ انھیں اپنے درجوں میں کر سکیں۔

میں نے مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ مدرسین بچوں کو اپنے لکھائے ہوئے نوٹ نہ رٹائیں۔ معاشری علوم کے سلسلہ میں تحریری کام کی کئی ایک صورتیں ہوسکتی ہیں۔ تاریخ، جغرافیہ یا سوکس کا کوئی سبق ختم کرنے کے بعد سبق کے متعلق بچوں سے کچھ لکھنے کے لئے کہا جائے۔ اونچی جماعتوں میں "پروفیسر کیننگس" کے طریقہ تعلیم کے مطابق کسی تاریخی واقعہ یا بادشاہ کے متعلق چند مختصر رائیں لکھائی جائیں اور بچوں سے کہا جائے کہ وہ ان رایوں کی روشنی میں واقعہ کا تجزیہ کرنے یا بادشاہ کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنی کوشش کے نتیجہ پر مضمون لکھیں اس قسم کی تحریریں بچوں کے میگزین کے کام میں بھی آجائیں گی۔

معاشری علوم کے بارے میں جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اُس پر معاشری علوم کی تعلیم کے مقصد، باہمی ربط اور ربط دے کر پڑھانے کے طریقوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

بقیہ حصہ چند مختصر اشاروں پر مشتمل ہے۔ مضمون کی یہ ترتیب ارادتاً رکھی گئی ہے جو بہو بیرے خیال سے زیادہ تشنہ تھے اُنھیں پر تفصیلی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چمڑے کا کام

(ایس سی۔ چودھری بی۔ ایس سی۔ ایل۔ ٹی بیسک ٹریننگ کالج (الہ آباد)

گذشتہ مضمون میں بتایا گیا تھا کہ استر کے چمڑے کو رنگ سے مزین کرتے ہیں۔ علاوہ بریں دھاگے سے رنگنے کی تراکیب بھی بتائی جا چکی ہیں۔ دھاگے سے رنگنے کے علاوہ برش سے بھی استر کے چمڑے کو رنگ سکتے ہیں۔ اس کے لئے ڈزائن میں رنگنے والے حصے ایسے ہوں جو برش کے ایک ہی جھٹکے سے رنگے جا سکیں۔ اگر وہ حصہ چوڑا ہو اور اُسے بھرنے کے لئے برش کو بار بار پھیرنے کی ضرورت محسوس ہو تو اکثر ایسی حالت میں اُن مقامات پر برابر رنگ نہیں آتا۔ برش سے کام کرنے کے قبل چمڑے کو کسی ہلکے رنگ سے رنگ لینا چاہئے۔ ڈزائن کو پنسل سے چمڑے پر کھینچ کر برش سے رنگا جاتا ہے۔ ایسی ڈزائنیں پوری سطح کی ہوں گی۔ ان کے دو ایک نمونے سامنے دئے جاتے ہیں۔
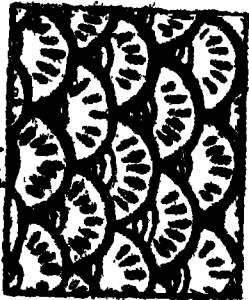
روئی کے گالے سے بھی استر کے چمڑے میں ڈزائن بنا سکتے ہیں۔ اس کے لئے بھی استر کے چمڑے کو کسی ہلکے رنگ سے پہلے رنگ لیتے ہیں۔ روئی کے گالے کو استعمال میں لانے کے لئے اس میں تھوڑا رنگ لے کر اسے اچھی طرح نچوڑ لیتے ہیں۔ پھر رنگے ہوئے چمڑے کو اس گالے سے جگہ جگہ پرلس کر دینے سے اُس پر پوری سطح کی ڈزائن بن جاتی ہے۔ چمڑے کی سطح کو مختلف طریقوں سے بذریعہ گالا اُس کرنے سے مختلف طریقوں سے انواع و اقسام کی ڈزائنیں بنتی ہیں۔ اسٹنسل کی چھوٹی اور سبک اکائی لے کر پوری سطح پر چھاپ دینے سے بھی دیکھنے میں بہت اچھی ڈزائنیں بنتی ہیں۔ ایسی ڈزائنیں چھاپنے کے لئے اسٹینسل برش کا استعمال اُسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح اسکا استعمال کاغذ پر کرتے ہیں۔

اسپرے کی مدد سے بھی استر کے چمڑے پر مختلف اقسام کے اثرات لائے جا سکتے ہیں۔ اسکے لئے پہلے استر کے چمڑے کو کسی ہلکے رنگ سے رنگتے ہیں پھر کارڈ بورڈ میں مختلف اشکال کے ٹکڑے کاٹ کر اُنہیں کسی خاص ترتیب میں

لاکر مرتب کر سکتے ہیں ا سے رنگے ہوئے چمڑے پر پیچ لگا دینے سے پوری سطح کی ڈزائن بن جاتی ہے۔ کارڈ بورڈ میں بنی ہوئی اشکال کو اس طرح مرتب کر لینے کے بعد اس پر کوئی گہرا رنگ اسپرے کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے اُن مقامات پر گہرا رنگ نہیں پڑتا جو کارڈ بورڈ کے ٹکڑے سے نیچے ڈھکے ہیں۔ لیکن بقیہ حصص میں گہرا رنگ بھ جاتا ہے۔ ڈزائن کے مختلف مقامات کو کھلا چھوڑ کر مختلف رنگوں سے اسپرے کرنے سے علٰحدہ علٰحدہ مقامات پر الگ الگ رنگ سطح حالت میں آجاتے ہیں۔

شکل نمبر ۴

شکل نمبر ۳

گوند سے بھی استر کے چمڑے کو انواع واقسام سے سجا سکتے ہیں۔ اس طریقہ کو "بانگ" کا کام کہتے ہیں۔ بانگ کے ذریعہ بیرونی حصے کے چمڑے کو بھی آراستہ کر سکتے ہیں۔ اگر چمڑے کی سطح پر گوند سے کوئی ڈزائن بنادیں اور گوند خشک ہو جانے کے بعد اُس پر کوئی رنگ اسپرے کر دیں تو جو حصہ گوند سے ڈھکا ہوا ہے اس پر کوئی رنگ نہیں چڑھے گا۔ علاوہ بریں اگر گوند سے ڈھکے ہوئے حصص کے زیریں حصہ سے چمڑے کو بیرونی حصے کی طرف کھینچیں تو گوند کی خشک تہ میں درازیں پڑ جائیں گی۔ اسپرے کرتے وقت ان درازوں میں رنگ پیوست ہو جاتا ہے جس سے گوند سے ڈھکے ہوئے حصص میں باریک اور سبک لکیروں کی ڈزائنیں بن جاتی ہیں۔ گوند کے اس کارآمد خاصہ سے ہم چمڑے پر مختلف طریقوں کی ڈزائنیں بنا سکتے ہیں۔ اس کے لیے سب سے قبل ڈزائن عکس کر لی جاتی ہیں جیسے ماڈلنگ کے لیے کرتے ہیں۔ پھر اگر ڈزائن میں کوئی حصہ قبیر رنگ کے چھوڑنا ہے تو اس میں پہلے گوند لگا دیا جاتا ہے۔ بازار میں جو معمولی گوند فروخت ہوتا ہے ہم اُسے بھی استعمال میں لا سکتے ہیں لیکن یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ گوند صاف ہے یا نہیں۔ اگر اس کام کے لئے ببول کا گوند دستیاب ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ گوند کو پانی میں اچھی طرح سے حل کر لینا چاہیئے تاکہ اُسے برش سے لگا سکیں۔ گوند کو برش سے ڈزائن پر اُسی طرح لگاتے ہیں جس طرح برش سے رنگ لگاتے ہیں۔ گوند لگانے کے بعد اُسے دھوپ میں سکھا لینا چاہیئے۔ اگر درازوں کی ضرورت ہو تو گوند لگی ہوئی جگہوں کے زیریں حصہ سے بذریعہ ماڈلر دھکیلنا چاہیئے جس سے کہ گوند کی تہ میں درازیں پیدا ہو جائیں۔ بعدہٗ اس رنگ سے چمڑے پر اسپرے کرنا چاہیئے جو بقیہ حصوں کے مختلف رنگوں میں سب سے ہلکا ہو۔ اسی طرح جب پوری ڈزائن رنگ جائے تب پانی سے گوند کی تہوں کو دھو ڈالنا چاہیئے جو کہ اُن پر چڑھنے کے رنگ منعکس ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک رنگ کے اوپر دوسرا رنگ اسپرے کرنے سے اتصالی رنگ بھی بنائے جا سکتے ہیں جیسے نیلے

رنگ کے اوپر بالترتیب پیلا یا سرخ رنگ اسپرے کرنے سے ہرے اور بیگنی رنگوں کا اثر ہوگا۔ ویسے ہی سرخ رنگ کے اوپر زرد رنگ اسپرے کرنے سے وہ نارنجی رنگ ظاہر کرے گا۔ باٹک کے کام میں اس خصوصیت کا استعمال بحسن و خوبی کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی ڈیزائن میں کہیں کہیں نیلے، پیلے یا ہرے رنگ کی ضرورت محسوس ہو تو جہاں جہاں نیلے رنگ کی ضرورت ہے وہاں گوند سے ڈھک کر بقیہ حصوں میں پیلے رنگ سے اسپرے کر دینا چاہئے اور لگائے ہوئے گوند کو دھو ڈالنا چاہئے بعدہٗ جن جن حصوں میں پیلے رنگ کی ضرورت ہو اُن کو گوند سے ڈھک کر باقی حصوں میں بقیہ رنگ اسپرے کر دینا چاہئے۔ اس سے قبل جہاں گوند تھا وہاں نیلا رنگ اور بقیہ حصوں میں جہاں پیلا رنگ گھلا ہوا تھا وہاں ہرا رنگ چڑھ جائے گا۔

سامنے دی ہوئی ڈیزائن میں صرف براؤن رنگ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں (الف) نشانات کے حصوں کو سفید چھوڑ کر (ب) و (س) اور (ج) نشانات کے حصوں میں بالترتیب ہلکے براؤن رنگ سے لے کر گہرا اور کافی گہرا رنگ لگایا گیا ہے۔ ایسے اثرات و نشانات قائم کرنے اور ظاہر کرنے کے لئے پہلے (الف) نشانات کے حصوں کو گوند سے ڈھک دیا

شکل نمبر ۵

گیا ہے بعدہٗ ہلکے براؤن رنگ کو پوری سطح پر اسپرے کر دیا گیا ہے۔ پھر (ب) نشانات کے حصوں کو گوند سے ڈھک کر گہرے براؤن رنگ کو پوری سطح پر اسپرے کر دیا گیا ہے بعدہٗ (س) نشانات کے حصوں کو گوند سے ڈھک کر گہرے براؤن رنگ کو اسپرے کیا گیا ہے۔ گہرا براؤن رنگ بنانے کے لئے براؤن رنگ میں تھوڑا سا سیاہ رنگ بھی آمیزش کیا جاتا ہے۔ پہلے ہی بتایا گیا ہے کہ گوند کی تہ خشک ہو جانے پر رنگ اسپرے کیا جاتا ہے۔ اگر پوری سطح میں یا کسی مخصوص حصے میں گہرے براؤن رنگ کی ایسی باریک اور شبک لکیروں کی ضرورت محسوس ہو جو برابر پھیلی ہوں تو بہت گہرا براؤن رنگ اسپرے کرنے سے قبل گوند کی تہوں میں دراڑیں پیدا کر لینی چاہئیں۔

ڈیزائن بنا کر چمڑے کو رنگ دینے کے بعد اُس پر پالش کی جاتی ہے۔ پالش کرنے کے لئے نرم پوٹلوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اِن پوٹلوں کے بنانے کے لئے سِلک یا ویلویٹ کے ایک چوکور ٹکڑے پر روئی رکھ کر چاروں کناروں کو ایک ساتھ ملا کر باندھ لیتے ہیں۔ رنگ کے خشک ہو جانے پر اِس پوٹلی سے چمڑے کو آہستہ آہستہ گھسیں تو چمڑے پر پالش آ جاتی ہے۔ [illegible] کے ذریعہ بھی اچھی پالش لائی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے [illegible] جانے پر چمڑے کے اوپر پانی سے تر [illegible] دبا نچوڑ کر جس سے چمڑے کی سطح بھیگ جائے۔ گیلے کپڑے کو [illegible] پھر کر بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ [illegible]

خشک ہونے لگے تب پوٹلی سے ہلکے ہلکے گھستے ہیں۔ جیسے جیسے چمڑا خشک ہوتا جاتا ہے ویسے ہی ویسے پوٹلی پر کا دباؤ بڑھانا چاہیئے۔ گیلے چمڑے کو زور سے گھسنے سے سطح خراب ہو جاتی ہے اور اس میں لکیریں بن جاتی ہیں اور ماڈلنگ کی ہوئی ڈیزائن خراب ہو جاتی ہے۔ اگر تین چار پوٹلیاں ہوں اور ہم سب سے کم نرم اور ملائم پوٹلی سے گھسنا شروع کر کے بعد میں سب سے زیادہ نرم پوٹلی سے گھسنا ختم کریں تو پالش بہت اچھی آئے گی۔

پانی کے علاوہ مختلف پالشیں بھی بازار میں فروخت ہوتی ہیں۔ اور دو ایک قسم کی پالش کو تو ہم گھر میں بھی بنا سکتے ہیں۔ بازار میں ایک قسم کی موم پالش فروخت ہوتی ہے۔ کپڑے کے چیتھڑوں سے تھوڑی تھوڑی اس پالش کو چمڑے کی سطح پر لگا کر خشک کر لینے کے بعد اگر پوٹلی سے گھس دیا جائے تو اچھی پالش آجاتی ہے۔ بازار میں جو معمولی موم بکتا ہے اسی کو چمڑے پر گھسنے سے کافی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ موم اگر سخت ہو تو گرم کر کے نرم بھی کر سکتے ہیں۔ جوتوں میں لگانے کے لیے جو سفید کریم فروخت ہوتی ہے اُسے ہلکی ہلکی لگا کر پوٹلی سے گھسنے سے چمڑے پر چمک آجاتی ہے اور وہ گندہ نہیں ہونے پاتا۔

چمڑے کے سامان کے مختلف اجزا کو سینے سے پہلے ایک بار پالش کر لینی چاہیئے۔ سامان تیار ہو جانے کے بعد بھی آخری صورت میں اُس پر ایک بار اور پالش کر لینی چاہیئے جس سے کہ اس کی آب و تاب دوچند ہو جائے۔ یوں بھی چمڑے کے سامان پر ماہ بماہ کریم ضرور لگا لینا چاہیئے اس سے چمڑا خراب نہیں ہونے پاتا۔ جب چمڑے کے سامان کے اوپر استر و اندرونی اجزا آراستہ و مزین ہو کر تیار ہو جائیں تو اُنھیں یکجا کر کے سی لیا جاتا ہے۔ استر کو جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ان سب کو لئی سے چپکا لیا جاتا ہے۔ لئی صرف کناروں ہی میں لگاتے ہیں۔ اگر بیرونی چمڑے کے اندرونی حصوں میں استر لگانا ہو تو استر کے چمڑے کے پیچھے کی طرف لئی لگا کر بیرونی چمڑے کے پیچھے چپکا کر دبا دینا چاہیئے۔ اس سے چمڑا کچھ زیادہ ضرور لگتا ہے تاہم سامان مضبوط اور خوبصورت بن جاتا ہے۔ اگر استر کے لئے علحدہ چمڑا دینے کی خواہش نہیں تو استر ہی کے چمڑے کو جس طرح رنگ سے آراستہ و مزین کیا تھا اُسی طرح بیرونی چمڑے کے اندرونی حصے کی طرف بھی ڈیزائن بنا سکتے ہیں۔ گیسٹ لگانے کا قاعدہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اس سے بھی کناروں پر لئی لگا کر اپنی جگہ پر چپکا دیتے ہیں۔ مختلف اجزا کو چپکا دینے کے بعد سامان پوری شکل میں اختتام پر ہو جاتا ہے صرف سِلنا ہی سِلنا باقی رہ جاتا ہے۔ اس کے لئے کناروں میں پہلے سوراخ کر لئے جاتے ہیں۔ سوراخ کرنے کے لئے پنچ یا گرمٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ بذریعہ پنچ سوراخ بنانے کے لئے اگر پہلے سوراخوں کے نشانات قائم کر لئے جائیں تو سوراخ کناروں سے مساوی اور برابر ہوں گے اور اُن کا فاصلہ بھی برابر رہے گا۔ سوراخوں کے مقامی نشانات بنانے کے لیے کنارے سے ایک چوتھائی انچ یا کچھ زیادہ فاصلہ پر چاروں طرف کناروں کے متوازی کنارے ہی کنارے ایک لکیر یا خط کھینچ لیا

جاتا ہے۔ پھر ڈوائڈر کے ذریعہ اسی خط پر متساوی فاصلے سے بیرونی فاصلے پر نشانات بنا دیے جاتے ہیں۔ ڈوائڈر کے نشانات اتنے فاصلے پر ہوں کہ جب ہم انھیں نشانات کو سوراخوں کا مرکز مان کر کناروں پر سوراخ کریں تو سوراخ اپنے محیط سے دور رہیں۔
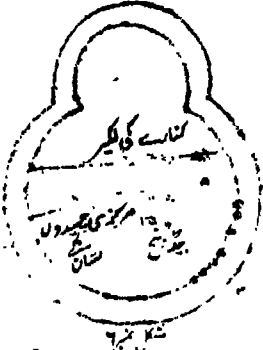
نشانات لگا لینے کے بعد پنچ کے ذریعہ سوراخوں کو ایسا کرنا چاہیے جس سے اُن کے مرکز انھیں قائم کردہ نشانات ہی پر پڑیں۔ سوراخ اور قائم کردہ نشانات کی تصویر سامنے دی جاتی ہے۔

سوراخوں کے مقامات کو ظاہر کر لینے کے بعد سامان کو بائیں ہاتھ سے زمین کے متوازی پکڑتے ہیں۔ اور دائیں ہاتھ سے پنچ کو اس طرح پکڑتے ہیں کہ جس سے اُس کا سوراخ بنانے والا حصہ چمڑے پر عمودی حالت میں پڑے۔ اور سوراخوں کا مرکز ظاہری نشانات پر گرے۔ پنچ کو ایسی حالت میں پکڑ کر اگر اُسے دبائیں تو چمڑے میں سوراخ ہو جائے گا۔ پنچ کا استعمال کرتے وقت چمڑے کے نیچے ایک دفتی کا ٹکڑا رکھ لینا چاہیے تاکہ سوراخ اچھے بنیں اور نیچے کی دھار بھی خراب نہ ہو۔
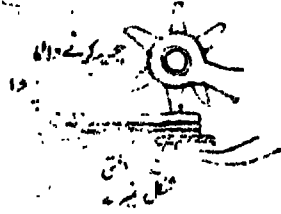
اگر ریڈ پنچ کا استعمال کرنا ہو تو جس چمڑے میں سوراخ بناتے ہیں پہلے اس کو ایک نرم لکڑی کے ٹکڑے پر رکھ لینا چاہیے۔ بعدہٗ بائیں ہاتھ سے پنچ کو اُسی مقام پر عمودی صورت میں قائم کر کے داہنے ہاتھ ہتھوڑی کے ذریعہ چوٹ لگائی جانی چاہیے۔
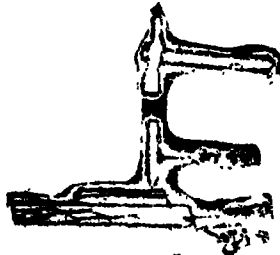
گریف کا بھی دستی پنچ کی طرح استعمال میں لایا جاتا ہے کیونکہ اس میں چار پانچ دندانے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سے سوراخ کرنے کے لئے صرف کناروں کی لکیروں ہی کو کھینچتے ہیں اور پہلے چمڑے کو نرم لکڑی پر رکھ کر اور گریف کے دندانوں کو لکیروں پر رکھ کر ہتھوڑی سے چوٹ لگاتے ہیں۔ اس عمل سے چمڑے پر اُتنے ہی سوراخ بنجاتے ہیں جتنے گریف کے دندانے ہوتے ہیں۔ آگے بڑھانے کے لئے گریف کے پہلے دانت سے اس سے قبل جو سوراخ بنے ہیں اُن میں آخیر والے سوراخ کو ملا کر گریف کو بڑھاتے ہیں۔

شکل نمبر ۹

پھر سوراخ ہو جانے کے بعد فیتہ بنانا پڑتا ہے جس سے کہ چمڑے کو سیتے ہیں۔ اس کے لئے جتنا پتلا اور باریک چمڑا

دستیاب ہوسکے اتنا ہی اچھا ہے۔ اگر باریک چمڑا نہ ملے تو صرف پتلا ہی چمڑا کہیں کہیں چڑھا جائے تو اُسے آہنی سے پیچھے کی طرف چھیل لینا چاہیئے۔ سیفٹی کی چوڑائی محیط سے لے کر دو سوراخوں کے مرکزی فاصلے تک ہو سکتی ہے۔

علم جغرافیہ اور ماحول

(مسٹر بی۔ پی۔ ریواستوا۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی لکچرار بیسک ٹریننگ کالج الہ آباد)

بیسک تعلیم کے ماتحت جغرافیہ کی بڑی اہمیت ہے۔ بیسک تعلیم سے یہ مطلب ہے کہ کل مضامین کا ربط حرفہ اور ماحول سے ہو۔ یہ پچھلے مضامین میں کافی وضاحت و صراحت کے ساتھ بتایا جا چکا ہے کہ ماحول کا اثر صرف جغرافیہ ہی کے ذریعہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے جغرافیہ کی اہمیت بیسک تعلیم میں بہت زیادہ ہے۔ دن رات کا ہونا۔ چاند اور سورج کا چمکنا۔ پانی کا برسنا اور بجلی کا چمکنا وغیرہ۔ اِن سب کا جاننا اور اُن سے اپنی معلومات میں اضافہ کرنا بچوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اُن کے واسطے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ دنیا کے مختلف ماحول میں رہ کر انسان کس طرح اپنے ماحول کو اپنی ضروریات زندگی کے مطابق تبدیل کر لیتا ہے۔ یا خود اپنے کو کس طرح اپنے ماحول کے لائق بنا لیتا ہے تاکہ ماحول سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو کر اپنی زندگی آرام و آسائش کے ساتھ بسر کر سکے۔ اِن باتوں کے معلوم ہونے سے ہمارے ملک کے بچوں کو ابتدا ہی سے اپنے ماحول میں مناسب زندگی بسر کرنے کے طریقے معلوم ہو سکیں گے۔ اور اِس سے وہ بڑے ہونے پر زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کے اہل ہو جائیں گے۔ ایک بات اور خیال رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ اب ہماری زندگی خالی ہمارے گاؤں یا شہر میں محدود نہیں ہے۔ تیز رو ذرائع نقل و حمل اور پیام رسانی مثلاً ٹیلیفون، ریل اور ہوائی جہاز کے ہو جانے سے ہم بآسانی اور جلد اپنے ملک کے ہر حصہ کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اور وہاں کی پوری معلومات بھی ہو جاتی ہے۔ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سامان ریلوں کے ذریعہ یکساں آتا جاتا رہتا ہے۔ خط و کتابت جلد سے جلد وقت میں ہونے لگی ہے۔ بحری جہازوں کے ذریعہ ہم ہندوستان سے دنیا کے کسی بھی حصہ میں سامان بھیج سکتے ہیں اور وہاں سے اپنی ضروریات کی اشیاء اپنے ملک میں منگا سکتے ہیں۔ ایک زمانہ میں سمندر ایک ملک کو دوسرے ملک سے جدا رکھتے تھے۔ انگریزوں کے ہندوستان آنے سے قبل جنوب میں سمندر ہونے کی وجہ سے کسی کو کبھی یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ اس طرف سے کوئی ہندوستان آ سکتا ہے۔ لیکن اب سمندر آنے جانے کے بہت بڑے وسیلے ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اب خاص ہندوستان کے باشندے نہیں رہ گئے ہیں بلکہ کل دنیا کے باشندے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ ہم کو کل دنیا

کا حال معلوم ہو تاکہ اُس سے ہم اور زیادہ مستفید ہو سکیں۔
ایک بات اور ہوئی ہے۔ اور وہ یہ کہ جب سے یہ دریافت ہوا ہے
کہ برف کے کمرے بنا کر ہم سامان کو جہازوں میں لغیر خراب
ہوئے عرصہ تک رکھ سکتے ہیں۔ ایسی اشیار جن کو دیر تک
ہم نہیں رکھ سکتے تھے اور دیگر ممالک میں اُن کو بھیجنے سے
مجبور رہتے تھے اب اس عمل سے بآسانی دور دراز ممالک
تک بھیج سکتے ہیں۔ مثلاً گوشت جنوبی امریکہ سے اب دور دور
ملکوں میں کمرے میں برف رکھ کر بھیجا جا سکتا ہے۔ آسٹریلیا
اور کناڈا کے سیب اسی طرح دور دور ملکوں کو بھیجے جاتے
ہیں۔ غرضیکہ اب کھانے پینے کی کل اشیار آسانی سے ایک
ملک سے دوسرے ملک کو بھیجی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں
ہر چیز تو مل نہیں سکتی اسوجہ سے اپنی زائد اشیا دوسرے
ممالک کو بھیج کر ہم وہاں کی زائد پیداوار یا اُن ممالک کی بنائی
ہوئی چیزیں اپنے استعمال کے لیے منگا سکتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ جغرافیہ کی تعلیم ہمارے بچوں
کے واسطے نہایت ضروری ہے اور یہ آسانی سے دوسرے
مضمون کے ساتھ چل سکتی ہے۔ قبل اس کے کہ بیسک اسکول
کے نصاب کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ ایک مثال کے ذریعہ
میں اپنا مطلب سمجھانا ضروری سمجھتا ہوں۔

ابتدائے آفرینش سے انسان اور قدرتی ماحول میں
ایک جنگ جاری ہے۔ انسان اپنی قابلیت کے زعم میں
قدرتی ماحول پر قبضہ کرنے کی کوشش بلیغ کر رہا ہے۔

ابتدا میں انسان نے جانوروں کی سی زندگی بسر کرنا شروع
کی اور پھر رفتہ رفتہ جانوروں پر فوقیت حاصل کرنے کی
کوشش کرتا رہا۔ جنگلی جانوروں کے خوف سے درختوں
میں رہ کر اپنی زندگی گذارتا تھا مگر جیسے ہی ڈنڈا ہاتھ میں پکڑ
اُسکا گھمانا اور چلانا سیکھا تو فوراً اپنے دشمنوں (وحشی جانوروں)
سے بہت زیادہ بڑھ گیا اور اُن سے مقابلہ و مجادلہ کرنے کا
منصوبہ ٹھان لیا۔ بعدۂ رفتہ رفتہ غالبًا بجلی کے گرنے سے
آگ دریافت کی۔ پھر درختوں سے اُتر کر کھوہوں میں رہنا
شروع کیا۔ چراغ ایجاد کیا اور رفتہ رفتہ کھیتی باڑی کر کے
اپنی زندگی گزارنا شروع کر دی۔ اور بجائے سیر و شکار
کے نیز گھوم گھوم کر معاش حاصل کرنے کے لیئے ایک جگہ
رہ کر اپنے ایام زندگی کاٹنا شروع کر دیا۔ یہاں پر اس کی
توضیح اور تشریح کر دینا ضروری ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں
تغیر و تبدل ایک ساتھ نہیں ہوا بلکہ دنیا کے مختلف
حصص میں اس کی جداگانہ حالت رہی۔ اب بھی دنیا میں
بہت سے ایسے حصے ہیں جہاں انسان ابھی تک بہت ہی
ابتدائی حالت میں اپنی زندگی بسر کر رہا ہے جس کا ذکر ہم
اس سے قبل کر چکے ہیں۔

اب اس بات کو صاف کرنے کے لیے اس امر کی
ضرورت ہے کہ دنیا کے جغرافیہ سے اس کی مثال دیجائے
امریکہ میں ایک ملک ہے اُس کا ماحول مرقوم الذیل ہے۔
یہ ملک شمالی حصہ میں واقع ہے اسوجہ سے اس کی

آب و ہوا بہت سرد ہے۔ برف سال کے زیادہ حصہ تک پڑی رہتی ہے۔ یہاں کے دریا برف سے منجمد ہو جاتے ہیں۔ یہ حصہ تیگا کے جنگلوں کے حصہ میں ہے۔ اس وجہ سے یہاں بڑے بڑے درخت بھی ہیں جو سدا بہار کے نام سے موسوم ہیں۔ ان درختوں میں اون والی چڑیاں نہایت خوشنما رنگوں کی ایک درخت سے دوسرے درخت پر پھدکتی پھرتی ہیں۔ اس ملک میں آکر ابتدا میں کچھ وحشی اقوام آباد ہو گئیں۔ اِن اقوام کا رفتہ رفتہ کچھ ارتباط فرانسیسیوں سے ہو گیا۔ ان لوگوں کو یورپ لیجانے کے واسطے اون کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اُن لوگوں نے وحشی اقوام کو تمباکو دے کر اونی چڑیوں کو لینا شروع کر دیا۔ اب اون جمع کرنا اُن وحشی اقوام کا پیشہ ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد دیگر ممالک کے باشندوں کو لکڑی کی ضرورت ہوئی۔ اس علاقہ میں درختوں کی افراط تو تھی ہی۔ اونی چڑیوں کے جمع کرنے کا پیشہ کم کر کے لکڑی گرانا اور باہر بھیجنے کا کام بھی شروع کر دیا۔ پھر اِسی علاقہ کے جنوب کی جانب کچھ میدان تھے۔ اُن میدانوں میں گیہوں بونا شروع کر دیا۔ اور اسکی وجہ سے یہ لوگ ایک شہری انسان کی سی زندگی بسر کرنے لگے۔ بعد کو امریکہ کے پریری کے میدانوں میں گیہوں کی پیداوار ہونے لگی۔ اور گیہوں بڑے وسیع پیمانہ پر پیدا کیا جانے لگا۔ اُدھر شمالی اقوام کے پیدا کیئے ہوئے گیہوں کی مانگ بہت ہو گئی اور اِن کے گیہوں کی قدر کم ہو گئی۔ اِس حالت میں اُن کو کچھ پریشانی محسوس ہوئی۔ لیکن بعد کو یہ پتہ چلا کہ اگر ان میدانوں میں یہ جانور پالیں تو اُن کا گوشت اور کھال زیادہ اچھی طرح سے فروخت کر سکتے ہیں۔ اسوجہ سے اُنھوں نے اُن میدانوں میں گیہوں بونا بند کر دیا اور کل میدانوں کو مویشی پالنے کے واسطے چھوڑ دیا۔ اب۔ اس حصے سے بہت عمدہ مویشی دستیاب ہوتے ہیں اور انڈے مرغی کا کاروبار امریکہ میں بہت جگہ سے بہت اچھے پیمانے پر ہوتا ہے۔ اس مثال سے یہ ثابت کرنا تھا کہ انسان اپنے ماحول کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔ اب مستحکم طریقہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ماحول کا مطالعہ ہمارے لئے ضروری ہے۔ اسوجہ سے جغرافیہ کی ابتدا ہمارے اسکولوں میں ماحول سے ہونا چاہئے۔ پہلے تو گھر کا ماحول۔ پھر اسکول کا۔ پھر اُس گاؤں یا شہر کا جس میں لڑکا رہتا ہو۔ اسکے بعد ضلع، صوبہ، ملک اور کل دنیا کا۔ اب اِسے کس طرح شروع کرنا چاہئے۔ دوسرے مضمون میں بتایا جائے گا۔

اسکولوں میں شہریت کی تعلیم

(مسٹر مج موہن گپتا۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ بیسک ٹریننگ کالج۔ الہ آباد)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس سلسلے کے پچھلے مضامین میں یہ بتایا گیا ہے کہ سماجی زندگی کی تعلیم کا کیا مطلب اور مقصد ہے اور اس مقصد کی حصولیابی کے لیے ہم کو کیا کیا صورتیں اختیار کرنی پڑیں گی۔ سماجی زندگی کی تعلیم کے جو طریقے ہیں اُنکو دو حصوں میں منقسم کیا گیا تھا۔

۱۔ بالواسطہ ۲۔ براہ راست

بالواسطہ اصول کے تحت میں یہ سمجھایا گیا تھا کہ مختلف مضامین کے سلسلہ میں کس طرح اور کس حد تک سوکس کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ اس مضمون میں ہم تفصیل کے ساتھ سوکس کی تعلیم کے براہ راست اصولوں پر روشنی ڈالیں گے۔

سوکس کی تعلیم کے تحت میں جو اسباق لیے جاسکتے ہیں اُن کی تقسیم دو طرح سے ہوسکتی ہے۔

۱۔ سبق کے مقصد اور اُس کے متن کے لحاظ سے۔

۲۔ وہ طریقۂ تعلیم جس کی مدد سے وہ سبق پڑھایا جائے۔

اول الذکر تقسیم کے تحت میں اسباق کو چند قسموں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ وہ اسباق جن کا مقصد بچوں میں کسی اچھی عادت کا ڈالنا اور اس کی مشق کرانا ہے۔ اس کے تحت میں وہ سب اسباق آجائیں گے جو ذاتی صفائی یا کیو سسٹم وغیرہ کے متعلق لیے جاسکتے ہیں۔

۲۔ وہ اسباق جس کی مدد سے بچوں کو اخلاق و آداب کے مناسب طریقوں کی تعلیم دی جائے گی۔ اس ضمن میں وہ سب اسباق آجائیں گے جو بچوں کو مناسب طریقہ سے آداب بجالانے، مہمان کا خیر مقدم کرنے اور جلسوں اور دعوتوں میں سلیقہ سے بات چیت کرنے اور کھانے پینے کی تعلیم دینے کے سلسلہ میں دیئے جاتے ہیں۔

۳۔ وہ اسباق جو بچوں کے سامنے کسی معاشری خوبی کی مثال پیش کرنے کے لیے منتخب کئے جاتے ہیں۔ اس میں وہ تمام اسباق شامل ہوں گے جو بچوں کے سامنے ہمدردی اطاعت خدمت یا آپس کے برتاؤ میں بھلائی وغیرہ کے

نمونے پیش کرنے کے لئے پڑھائے جاتے ہیں۔

۴۔ وہ اسباق جن کی مدد سے خود اختیار اداروں کے طریق کار کو سمجھایا جائے۔ اس کے تحت میں وہ سب اسباق آجائیں گے جو بچوں کو انتخاب کا طریقہ، پنچایتی اصول وغیرہ کی تعلیم دینے کے لئے مخصوص کئے جائیں گے۔

۵۔ وہ اسباق جو سوکس کی براہ راست تعلیم دینے کے لئے منتخب کئے جائیں۔ مثلاً ایک شہری کے حقوق و فرائض، گاؤں کا انتظام اور پٹواری۔ ضلع کا بندوبست اور کلکٹر اور حکومت کے طریقے وغیرہ۔

۶۔ وہ اسباق جو معاشری حقوق و فرائض کو دیانت داری اور محنت سے ادا کرنے کے لئے پڑھائے جاتے ہیں۔ جیسے کریفٹ کے کام کے بعد درجہ کو صاف کرنا، کسی ادارہ کے پیسوں اور سامان کا مناسب استعمال کرنا وغیرہ۔

مندرجہ بالا اسباق میں سے ہر ایک کی تعلیم کے لئے بہت سی صورتیں نکالی جاسکتی ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مخصوص قسم کے سبق کو پڑھانے کے لئے کسی مخصوص طریقہ کی مدد لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ سبق کے طریقۂ تعلیم کا تعین بہت کچھ اس چیز پر منحصر ہوگا کہ بچے کس درجہ میں ہیں اور ان کی استعداد کتنی ہے۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک سبق کو مختلف درجوں میں پڑھانے کے لئے مختلف طریقوں کا استعمال زیادہ بہتر اور مفید ہوتا ہے۔

ان مختلف طریقوں کو ہم پانچ شقوں میں رکھ سکتے ہیں۔

ا۔ سوکس کی تعلیم کے لئے کہانیوں کا استعمال۔

کہانیوں کے استعمال کے بارے میں اسی سلسلہ کے ایک گذشتہ مضمون میں کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اُس مضمون میں اشارہ کیا گیا تھا کہ مادری زبان کی تعلیم کے سلسلہ میں جو کہانیاں لی جائیں گی وہ اپنے مقصد اور پڑھانے کے طریقے کے اعتبار سے سوکس کی کہانیوں سے کچھ مختلف ہوں گی۔ اس چیز کا اعادہ یہاں بے کار ہے۔ رائبرن نے اپنی کتاب "ہندوستان میں مادری زبان کی تعلیم" میں کہانی پڑھانے کے طریقوں کے بارے میں بہت سی مفید باتیں بتائی ہیں۔ ان میں کچھ باتیں سوکس پڑھانے کے لئے کہانیوں کے انتخاب اور استعمال کے سلسلہ میں بھی مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔

کہانی کے متعلق سب سے زیادہ ضروری یہ چیز ہے کہ وہ موزوں ہو۔ کہانی کی موزونیت اس چیز سے متعین کی جائے گی کہ بچے کس عمر کے ہیں،

ان کی ذہنی نشوونما اور واقفیت کتنی ہو چکی ہے اور ان چیزوں کے اثر سے بچہ زندگی کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بچہ پہلے اپنی روزمرہ زندگی اور گرد و پیش کی چیزوں مثلاً مکان، پڑوس، اسکول وغیرہ میں دلچسپی لیتا ہے لیکن عمر اور واقفیت کے ساتھ ساتھ اس دائرہ میں وسعت پیدا ہونی چاہئے جس سے کہانی منتخب کی جائے۔

کہانی کے دلچسپ ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں کافی حادثات ہوں اور مکالمہ بھی ہو۔ بچے عادتاً ایسی کہانی پسند کرتا ہے جس میں کوئی فقرہ، جملہ یا واقعہ بار بار دہرایا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ بچہ کی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے کہانی کی زبان آسان اور صاف ہو۔

۔ کہانی کہنے کے طریقے کے بارے میں چند باتیں دھیان میں رکھنے کی ہیں۔ زبانی سنائی ہوئی کہانی پڑھ کر سنائی ہوئی کہانی سے کہیں زیادہ دلچسپ اور موثر ہوتی ہے۔ کہانی کی کامیابی کے لئے خود استاد کی دلچسپی بھی ضروری ہے اور کہانی اجازت دے تو کہیں کہیں مذاق کے چھینٹے بھی دئے جا سکتے ہیں۔

۔ یوں تو کہانی کا استعمال کئی طرح کے سبقوں میں ہو سکتا ہے۔ لیکن ان سبقوں میں جن کو بالخصوص معاشرتی خوبی کی مثال پیش کرنے کے سلسلے میں منتخب کیا گیا ہے۔ کہانیوں کا استعمال سب سے زیادہ کارآمد ہے۔ کہانی کے ذریعہ ہم بچوں کو یہ چیز زیادہ واضح طور پر سمجھا سکتے ہیں کہ وہ کس طرح انفرادی اور اجتماعی صورتوں میں اپنے سماج کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں۔ باہمی تعلقات میں صداقت کا کیا درجہ ہے یہ چیز جتنی صفائی اور سادگی سے کہانی کے ذریعہ سمجھائی جا سکتی ہے اتنی کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح بچوں کے سامنے امداد باہمی، ہمدردی اور خدمت وغیرہ کے نمونوں کو بھی بڑے دلچسپ، موثر اور جاندار طریقہ سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ سوکس کی تعلیم کے لئے تصویروں کا استعمال۔ تصویروں کے استعمال کے بارے میں اس سلسلہ کے ایک پچھلے مضمون میں بحث ہو چکی ہے۔ یہاں تصاویر کے انتخاب اور ان میں ظاہر کئے گئے مضامین کے بارے میں کچھ کہنا ضروری ہے۔ ان تصاویر میں تفصیلات کا غیر ضروری مظاہرہ نہ ہونا چاہئے۔ تصاویر میں صرف وہی چیزیں دکھائی جانی چاہئیں جن کا سبق کے مقصد اور موقع سے تعلق ہو۔ بچوں کے لئے جو تصاویر استعمال کی جائیں ان میں خیال کے بجائے واقع کا مظاہرہ زیادہ ہونا چاہئے۔ واقعے بھی ایسے ہونے چاہئیں جن کو تصاویر کے ذریعہ باآسانی ظاہر کیا جا سکے اور جن کے فرق کو بچے تصویر دیکھ کر فوراً سمجھ لیں۔ چھوٹے بچے یک رنگی تصویر کے بجائے

اس تصویر کو زیادہ پسند کرتے ہیں جن میں کئی رنگ
استعمال کیے گئے ہوں۔ اسی طرح یہ بھی دھیان میں
رکھنا چاہیے کہ بچے پھیکے اور ہلکے رنگوں کے بجائے
شوخ اور تیز رنگ زیادہ پسند کرتے ہیں۔ تصاویر کو
کافی بڑا ہونا چاہیے تاکہ بچے دور سے ان کو دیکھ سکیں
اور سمجھ سکیں۔ اگر ممکن ہو سکے تو تصاویر کے سلسلہ میں
"میجک لیٹرن" اور "سلائڈ" کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ عمل کے ذریعہ تعلیم۔ اس کے تحت میں تعلیم
کے وہ سب طریقے آجاتے ہیں جن میں بچوں کو مختلف مشاغل
یا کھیل کود کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طریقۂ تعلیم
کی طرف ایک پچھلے مضمون میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔
یہاں اس عنوان پر ذرا تفصیلی نظر ڈالی جائے گی۔
اس طریقۂ تعلیم کا استعمال اسباق کو درجہ میں پڑھانے کی
صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور "اکسٹرا کریکولر" مضامین کے
ذریعہ بھی۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے بھی چھوٹے بچوں کے لئے
یہ طریقۂ تعلیم بہت موزوں ہے۔ سوکس کی تعلیم میں اس
طریقہ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہاں
اشتراک عمل، اختلاط باہمی، مواقع اور مسائل بچوں
کے لئے صرف تخیلی نہیں ہوتے بلکہ واقعیت رکھتے ہیں۔

بچوں کو سماجی زندگی میں باہمی میل جول اور
ربط و ضبط کے آداب سکھانے کے لئے ایک چھوٹے
جلسہ کا انتظام کیا جائے جس میں کچھ کھانے پینے کا
بھی انتظام ہو۔ کچھ بچے مہمان بنیں اور کچھ میزبان۔
اس طرح سے بچوں کو خوشگوار آداب، مہمانوں کا خیر مقدم
اور جلسے اور دعوتوں میں مناسب طریقہ سے کھانے پینے
وغیرہ کی تعلیم نہایت فطری اور دلچسپ طریقہ سے
دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح کا ایک اور بھی دلچسپ سبق ہو سکتا
ہے۔ بچوں سے کہا جائے کہ تمہارے اسکول کو دیکھنے
کے لئے کچھ حضرات تشریف لارہے ہیں۔ کچھ بچے
اسکول یا درجہ کو سجانے کے لئے اپنے ہاتھ سے
بنائے ہوئے سامان کی نمائش کا انتظام کریں۔
کچھ بچے باہر سے آنے والے حضرات بنیں اور
کچھ ان کا استقبال کر کے اپنے اسکول یا درجہ کو دکھائیں۔

خود اختیاری اداروں کے طریق کار کو سمجھانے
کے لئے خود درجہ میں انتخابات کرائے جاسکتے ہیں
اور مصنوعی پالیمنٹ بنا کر تجاویز پر بحث کرنے
اور قانون بنانے کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح
مصنوعی طور پر مقدمہ کی سماعت اور مصنوعی انٹرویو
بھی بچوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ مصنوعی انٹرویو میں
ایک خالی جگہ کا اشتہار نکالا جاتا ہے۔ بچے اس کے لئے
عرضیاں بھیجتے ہیں اور تین چار بچوں کا بورڈ ان کے
انٹرویو کے لئے بیٹھتا ہے۔

اسی طریقہ کے تحت میں درجہ میں سماجی زندگی

کی تعلیم دینے کے لئے سنائی گئی کہانی کا ڈرامہ بھی
کرایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے ڈرامے کہانی کے
موضوع کو زیادہ موثر اور دیرپا بنا دیتے ہیں۔
کسی مشغلہ کے انتخاب میں دو تین باتوں کا
لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اولاً وہ مشغلہ بچوں کی عمر، طاقت،
استعداد اور دلچسپی کے مطابق ہو۔ یہ بات خاص طور پر
لحاظ رکھنے کی ہے کہ بچے مشغلہ کے انجام سے اتنی دلچسپی
نہیں رکھتے جتنی اس کی تیاری اور اس کے عمل سے۔
ان کے کام کو بڑوں کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے
معیار سے کبھی نہ پرکھنا چاہئے اور جہاں تک ممکن
ہو ان کے مشغلہ کو محض دوسروں کو دکھانے کے لئے
تیار کیا گیا تماشہ بنانے سے بچانا چاہئے۔

۴۔ مفید عادتوں آپس کے برتاؤ اور معاشرتی
قدروں کے نمونوں کی تعلیم تو مندرجہ بالا طریقوں سے
دی جا سکتی ہے، لیکن اصولوں سے تعلق رکھنے والی
کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو ان طریقوں سے بآسانی
نہیں پڑھائی جا سکتیں مثلاً شہری کی تعریف، شہری
کے حقوق و فرائض۔ گاؤں کا بندوبست اور پٹواری۔
ضلع کا انتظام اور کلکٹر اور حکومت کے مختلف طریقے۔
ان موضوعات کے پڑھانے کے لئے بھی مناسب
ہے کہ استاد اُن کو براہ راست بات چیت کے ذریعہ
بچوں کے سامنے پیش کرے۔ اس قسم کا علم نہ تو چھوٹے
بچوں کے کورس میں ہے اور نہ اس کے پڑھانے کا
یہ طریقہ بہت چھوٹے بچوں کے لئے مناسب ہے۔
اونچے درجوں کے بچوں کو بات چیت کے ذریعہ ان
موضوعات کا علم کرانے کے بعد ان سے کتابیں
پڑھ کر مضمون لکھنے کے لئے کہا جا سکتا ہے۔

۵۔ زندگی کے مختلف پہلوؤں کا براہ راست
مشاہدہ۔ زبانی طور پر سمجھانے کی بہ نسبت یہ چیز ہمیشہ
زیادہ مفید ہوتی ہے کہ جہاں ممکن ہو بچے جاکر اپنی
آنکھ سے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھیں۔ اس میں
بچے دلچسپی بھی لیتے ہیں اور تمام باتیں بھی ان کی سمجھ میں
اچھی طرح آجاتی ہیں۔ اگر کسی درجہ کے نصاب میں
ڈاکخانہ اور اسپتال کا مطالعہ ہے تو مطالعہ کا بہترین اور
صحیح طریقہ یہی ہے کہ بچوں کو لے جاکر ڈاکخانہ اور اسپتال
دکھایا جائے۔ وہ خود وہاں کے ماحول، کام اور مسائل کو
دیکھیں۔ اس قسم کا مطالعہ ہمیشہ گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔
اور اس طرح سے حاصل کیا ہوا علم زیادہ مفید ہوتا
ہے۔ درجہ اول و دوم کے نصاب میں گاؤں کی زندگی،
ان کے کھانے پینے، رہن سہن اور رسم و رواج کا مطالعہ
ہے۔ درجہ میں بیٹھ کر ان چیزوں کا مطالعہ کرنے سے
یہ زیادہ بہتر ہے کہ بچے میلے ٹھیلے اور تہوار وغیرہ
کے موقعوں پر جاکر اصلی زندگی کے تعلق میں آئیں
اور وہیں اس کا مطالعہ کریں۔ ایسا کرنے سے بچوں

کی دلچسپیوں کا دائرہ وسیع تر ہوگا اور ان کے قوت مشاہدہ کو بھی ترقی ہوگی۔

اوپر سوکس کی تعلیم کے مختلف طریقوں کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ کس موقع پر کون سا طریقہ زیادہ مفید ہوگا اس کا فیصلہ اس چیز پر منحصر ہوگا کہ سبق کا موضوع کیا ہے اور جن بچوں کو تعلیم دینی ہے وہ کس عمر اور کس استعداد کے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک سبق کو پڑھانے کے لئے صرف ایک ہی طریقہ کام میں لایا جائے۔ سہولت کے خیال سے دو تین طریقے ایک ساتھ کام میں لائے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جو کہانی بچوں کو سنائی جائے اُس کا وہ ڈرامہ بھی کر سکتے ہیں یا تصویروں کے ذریعہ جو موضوع ان کے سامنے پیش کیا جائے اس کے متعلق ان کو کہانی بھی سنائی جا سکتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بچے سبق کے موضوع کو آسان سے آسان اور بہتر سے بہتر طریقے سے سمجھ لیں۔ اس مقصد کی حصولیابی میں اوپر بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ استاد کی سوجھ بوجھ اور اس کی خوش مذاقی کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔

پرنٹر و پبلشر

رائے صاحب لالہ رام دیال۔ اگروالا۔ کٹرہ۔ الہ آباد

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

__ارمغانِ ادب__ — مرتبہ مولانا جمیل الدین صاحب، مولوی فاضل - ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ عربی، فارسی، اُردو، ہندو یونیورسٹی بنارس - قیمت ۲ آنہ -

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولوں کے لیے مرتب کیا ہے - انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے - اُردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلیٰ درجے کا انتخاب ہے -

__سونے کا نوالہ__ — مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی، ایم، اے - ال، ٹی - ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور -

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے - زبان نہایت صاف اور شستہ ہے - قیمت ۲ آنہ -

__الہ دین یا عجیب چراغ__ — مولفہ رام رکھپتر پرشاد - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۱۰ - قیمت ۳ آنہ -

الہ دین اور اُس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں -

__علی بابا اور چالیس ڈاکو__ — مولفہ منسکھہ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی - لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۳۳ - قیمت ۴ آنہ -

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے - قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں -

---

__گلدستۂ مضامین__ — مصنفہ مولوی ظفر حسین صاحب ماسٹر ٹیچرس ٹریننگ کالج الہ آباد - سٹی اینگلو ورناکیولر ہائی اسکول مراد آباد -

اس کا دوسرا نام نوادرالتحقیق ہے - یہ اسم بامسمیٰ ہے - اس میں مختلف قسم کے ۲۰ سائنٹفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین مصنفین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں - مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اُس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستۂ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے - اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۳۲۷ ہیں - باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے -

---

__روزمرہ امثال__ — مولفہ سید مسعود حسن صاحب رضوی - ایم اے - لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی - لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم جیبی سائز، صفحات ۲۲۷ - قیمت ۱۰ آنہ -

یہ اُردو میں اِس طرز کی پہلی کتاب ہے - عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اُردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں - ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے اُن کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے - ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے - طلبہ اور شائقین ادب اُردو کے لیے نہایت مفید ہے -

---

__خطوط نویسی__ — مرتبہ مولوی محمد رفیع بجنوری، فاضل دیوبند - قیمت ۲ آنہ -

اُردو میں سادہ خطوط نویسی کے بہترین نمونے دیے گئے ہیں - عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے - بچوں کے لیے بہت مفید ہے -

رائے صاحب رام دیال اگروالا، پرنٹر و پبلشر الہ آباد

ایجوکیشنل گزٹ
1888
The Editor,
Nai Talim, Jamai Nagar,
Delhi
ایڈیٹر

جلد ۲۵ || دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء || نمبر ۹

تاریخ پڑھانے کے سلسلہ میں درجوں میں چھوٹے چھوٹے ڈراموں کا استعمال تعلیمی اعتبار سے کافی مفید ہوتا ہے۔ مسٹر اطہر عباس رضوی انسٹرکٹر میک سنٹر فیض آباد نے اس قسم کے ڈرامے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ڈرامے مدرسوں کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوں گے۔

(اڈیٹر)

قتلغ خواجہ کا حملہ

(ایک ایکٹ کا ڈرامہ)

از سید اطہر عباس۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی)

(تعارف)

علاؤالدین ۔ شہنشاہ ہند۔

قتلغ خواجہ ۔ مغلوں کا سردار جس نے سنہ ۱۲۹۹ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔

علاؤالملک ۔ کوتوال شہر جس نے کڑے میں نہایت وفاداری کے ساتھ سلطان کی نیابت کی تھی اور علاؤالدین کے بادشاہ ہونے کے وقت بہت بڈھا اور موٹا ہو گیا تھا۔ سلطان نے جب اپنے دوسرے ساتھیوں کو صوبوں کی حکومتیں بخشیں تو اُسے وفاداری کے صلہ میں دہلی کا کوتوال بنادیا اور دربار کی حاضری بھی معاف کردی اب اس کو صرف خاص خاص موقعوں پر طلب کیا جاتا تھا۔

نصرت خاں ۔ جس نے دیوگری میں انتہائی بہادری کے ساتھ شنکر دیو کے خلاف اپنے ایک ہزار ساتھیوں کے ساتھ جنگ کی اور شنکر دیو کو مجبور ہوکر قلعہ بند ہونا پڑا ...... علاؤالدین نے

بادشاہ ہونے پر اُس کو وزیر اعظم بنا دیا۔

ظفر خاں۔ گورنر ملتان جو مغلوں کے مقابلہ میں سدِ سکندری کا کام دیتا تھا اور ۱۲۹۶ء و ۱۲۹۷ء میں مغلوں کو جالندھر اور سیری کے مقام پر بُری طرح شکست دے چکا تھا۔

اُلغ خاں۔ سلطان علاؤ الدین کا چھوٹا بھائی جس نے سلطان کو تخت حاصل کرنے میں اپنے حقیقی چچا جلال الدین کے خلاف کافی مدد دی تھی۔ اب سندھ کا گورنر ہے۔

الپ خاں۔ علاؤ الدین کا پُرانا سپہ سالار جسے علاؤ الدین نے گجرات کا گورنر بنا دیا تھا۔

غازی تغلق۔ اُلغ خاں کی فوج کا سپہ سالار .... جس کے غازی خاں کا خطاب پانے کی بابت ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ میں نے ملتان کی مسجد میں تغلق کا لکھا ہوا ایک کتبہ دیکھا جس پر لکھا تھا کہ میں نے مغلوں کو ۲۹ دفعہ شکست دیکر یہ خطاب حاصل کیا تھا۔

امام۔ جامع مسجد دہلی کا امام۔

ان کے علاوہ نمازی، دربان اور مغل سپاہی وغیرہ۔

مقام۔ دہلی۔

وقت۔ ۱۳۱۲ء

× × × × × × × × ×

× × × × × × × × ×

"پہلا منظر"

(مغلوں کے حملہ کی وجہ سے اس وقت دہلی کی جامع مسجد میں غیر معمولی بھیڑ ہے .... گرد و نواح کے لوگ بھاگ بھاگ کر مسجد میں جمع ہو رہے ہیں۔ ... غلہ کی درآمد و برآمد کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے قحط کا اندیشہ ہے۔ عصر کی نماز ہو چکی ہے .... امام دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتا ہے۔

امام۔ خداوندا! ہم لوگوں کے اعمال کی سزا اتنی سخت نہ دے ... آمین ....

خداوندا! ہم لوگوں کو مغلوں کے ظلم و جور سے محفوظ رکھ .... آمین .... اس وقت سارے عالم پر بلاؤں کے بادل چھائے ہوئے ہیں .... اُن کو تو ہی دور کر سکتا ہے ..... خداوندا ہم سب تیرے ہی بندے ہیں .... ہم لوگوں کو روسیاہ مغلوں پر فتح عطا فرما .... (آمین)

(امام کی دعا کے درمیان نمازی آمین کہتے جاتے ہیں۔ دعا کے ختم ہوتے ہی ایک بڈھا مسجد میں آتا ہے۔ کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ سر گرد سے اٹا ہوا ہے اُس کے آتے ہی لوگ اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ... بڈھا امام کے قریب جا کر گر پڑتا ہے۔ لوگ اُس کو بہت مشکل سے اُٹھاتے ہیں ...

بڈھا۔ سرکار رحم ....!! اب بھوک کی تکلیف نہیں اُٹھائی جاتی۔

کوتوال۔ (علاء الملک) کیا ہوا ... ؟

بڈھا۔ سرکار بھوک کی وجہ سے جان پر بن آئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے گھروں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے ہیں.... لوگوں نے کتوں کے پلوں کا گوشت کھانا شروع کر دیا ہے اور وہ دن اب دور نہیں کہ لوگ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بھون بھون کر کھانا شروع کر دیں۔

امام۔ (علاء الملک کوتوال سے مخاطب ہو کر) کوتوال صاحب شہر کی بُری حالت ہو رہی ہے۔ .... معلوم نہیں ہم لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟ ...

علاء الملک۔ (مجمع سے مخاطب ہو کر) تم لوگوں کو ہرگز ہرگز نہ گھبرانا چاہیے۔ اس وقت ہم لوگ ایک زبردست مصیبت کا تدارک کرنا چاہتے ہیں اور دو ایک دن میں ساری تکلیفیں ختم ہو جائیں گی۔ ...... ہم بالکل مجبور ہیں۔ جنگ کے دوران میں اکثر ایسا ہو ہی جاتا ہے.... لیکن تم لوگوں کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ علائی جلال مغلوں کی جراٗت کا بہت جلد خاتمہ کر دے گا.... اور شہر میں مستقل امن وامان قائم ہو جائے گا۔

مجمع۔ سلطان علاؤ الدین زندہ باد... کوتوال شہر زندہ باد..... مغل مردہ باد.. مغل مردہ باد۔

کوتوال۔ جہاں پناہ کو تمہاری تکلیفوں کا اندازہ ہے اور جہاں پناہ نے حکم دے دیا ہے کہ سرکاری خزانوں کے منہ کھول دیے جائیں... ہر ایک کی ضرورتوں کی ذمہ دار خود حکومت ہوگی اور ہم خود شہر میں گشت لگا کر تمہاری مصیبتوں کا تدارک کریں گے۔

مجمع۔ سلطان علاء الدین!! زندہ باد... کوتوال شہر!! زندہ باد.... مغل برباد ہوں.... مغل!! برباد ہوں۔

علاء الملک۔ سرکاری گودام تمہارے ہیں۔ ... تم کو جس قدر غلہ کی ضرورت ہو جہاں پناہ کے خاص گودام سے حاصل کر سکتے ہو.... ہمیں یقین ہے کہ دور علائی میں کسی کو کھانے کی تکلیف نہ ہوگی ... اچھا کسی کو اور کچھ کہنا ہے ... ؟

(کچھ ہندو بھاگتے ہوئے مسجد کے دروازے کے سامنے آتے ہیں.... دہلی کا مشہور زمیندار اور رئیس رتن بھی اُن کے ہمراہ ہے.... کوتوال شہر کی آواز سُن کر وہ فریاد کرتا ہے)

رتن۔ سرکار! مغلوں نے ہمارا گھر بار لوٹ .... ہمارے بیوی بچوں کو پکڑ لے گئے۔

سرکار ہمارے ہی نہیں بلکہ سیکڑوں لوگوں کے گھران ظالم مغلوں کی وجہ سے بے چراغ ہو گئے۔

علاؤالملک۔ تمہاری یہ فریاد بھی جہاں پناہ کے کانوں تک پہنچادی جائے گی۔۔ مغلوں کی یہ خاص عادت ہے۔ ان بے رحموں نے چین، ترکستان، سمرقند، بخارا، اور افغانستان کو تاخت وتاراج کرکے اب ہندوستان کی پاک زمین پر بھی اپنے دانت لگائے ہیں۔ تم لوگوں کی تکلیفیں توان لوگوں کی مصیبتوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔۔۔ لیکن تم لوگوں پر یہ کمبخت جو زیادتیاں کر رہے ہیں اُس کا بدلہ جہاں پناہ ضرور بالضرور لیں گے۔

مجمع۔ (جوش میں) شہنشاہ عالم! زندہ باد۔۔ ۔۔۔ کوتوال شہر پائندہ باد۔۔۔۔۔۔ مغل!! برباد ہوں ۔۔۔ مغل برباد ہوں۔

علاؤالملک۔ اچھا اب تم لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں جاکر بیٹھو۔۔۔۔ میں جہاں پناہ کی خدمت میں جاتا ہوں۔۔۔۔۔

دوسرا منظر

سلطان علاءالدین کا دربار خاص لگا ہوا ہے۔ کافوری شمعیں روشن ہیں۔ ہر شخص مغلوں کے ٹڈی دل لشکر سے پریشان ہے۔ نصرت خاں، اُلغ خاں، ظفر خاں، غازی تغلق اور الپ خاں وغیرہ سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ علاءالدین خود سر جھکائے کسی گہری سوچ میں تخت سلطنت پر جلوہ فگن ہے۔ دربان حاضر ہوتا ہے۔

دربان۔ جہاں پناہ۔

علاءالدین۔ کیا ہے؟

دربان۔ علاءالملک کوتوال شہر خدمت عالی میں اجازت قدمبوسی چاہتے ہیں۔

علاءالدین۔ اجازت ہے۔۔۔!

(دربان علاءالملک کو لاتا ہے)

(علاءالملک آداب بجالا کے بیٹھ جاتا ہے)

سلطان۔ علاءالملک؟

علاءالملک۔ جہاں پناہ!

سلطان۔ شہر کی کیا حالت ہے؟

علاءالملک۔ جہاں پناہ شاہی گودام سے لوگوں کی رسد تقسیم کی جارہی ہے اور غلامان عالی دعائیں دیتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو جارہے ہیں۔۔ لیکن۔۔۔!

سلطان۔ لیکن کیا؟

علاءالملک۔ قبلۂ عالم!! ظالم مغلوں کی چیرہ دستیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ ان لوگوں نے شہروں کو برباد کردیا۔۔۔۔ لوگوں کو خانماں برباد کردیا۔۔۔۔۔۔ مردوں کو غلاموں اور عورتوں کو لونڈیوں کی طرح بازاروں میں بیچ رہے ہیں۔۔۔۔۔ رتن نامی رئیس کے بیوی بچوں کو بھی گرفتار کرلیا ہے۔

سلطان۔ ظفر خاں۔۔۔۔!!

ظفر خاں۔ جہاں پناہ!

سلطان۔ مغل کہاں تک پہنچ چکے ہیں....؟؟

ظفر خاں۔ اُنھوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے چھوٹے چھوٹے شہروں کو برباد کرتے ہوئے دریائے جمنا کے کنارے خیمے لگا دئے ہیں۔

سلطان۔ اب تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟

نصرت خاں۔ (کھڑے ہوکر) قبلۂ عالم کا ارشاد بندگانِ عالی پر ابرِ رحمت ہوکر برستا رہتا ہے۔ ...... ہم لوگوں کی بساط ہی کیا ہے جو کچھ عرض کر سکیں..... غلام تو جاں نثاری کے لئے حاضر ہیں۔

سلطان۔ تغلق! تم کیا کہتے ہو؟

غازی تغلق۔ غلام گستاخی کی معافی چاہتا ہے ..... جہاں پناہ اِس میان میں وہ تلوار ہے جس نے سندھ کے آس پاس مغلوں کے دانت کھٹّے کر دئے۔ .... یہ وہ تلوار ہے جس نے تُرکی تلواروں کی دھاریں کند کر دیں۔ غلام اس سے پہلے تیس مرتبہ اپنی بہادری کا امتحان دے چکا ہے اور اس مرتبہ بھی سر کٹانے کے لئے خدمت میں حاضر ہے۔

سلطان۔ تغلق... !! تم کو خدا جزائے خیر دے..... ظفر خاں تمھاری کیا رائے ہے؟؟

ظفر خاں۔ غلام کو نہایت شرمندگی ہے کہ مغلوں نے جہاں پناہ کو تکلیف دی اور ملتان سے چوروں کی طرح بھاگ آئے ورنہ وہی تلوار جس نے جالندھر میں لاکھوں مغلوں کا خون بہایا تھا، وہی تلوار جس نے سی-بی کے قلعہ پر انھیں دست درازی کا مزہ چکھایا تھا اور وہی تلوار جس نے لاکھوں مغلوں کا خون پیا...... آج پھر اُن کا خون پینے کے لئے تڑپ رہی ہے...... !!

سلطان۔ ظفر خاں کی بہادری کے بدولت خدمتمند ہیں...... ہم جانتے ہیں کہ جس طرح صلیبی جنگوں میں رچرڈ کی دھوم تھی۔ یہاں تک کہ اُس کا نام سُن کر جانور بھی پانی پینے سے منہ موڑ لیتے تھے... ....اُسی طرح آج ہندوستان کی سرحد پر ظفر خاں کی دھاک جمی ہوئی ہے... الپ خاں تمھاری کیا رائے ہے؟؟

الپ خاں۔ جہاں پناہ غازی تغلق اور ظفر خاں کی رائے سے غلام بھی متفق ہے...... آج ظالم مغلوں کی وجہ سے مطلعِ ہند پر پریشانیوں کے بادل گھرے ہوئے ہیں..... ہم لوگوں کی جانیں اگر ان تیرہ و تار گھٹاؤں کے ہٹانے میں کام آجائیں تو یہ ہمارے لئے باعثِ فخر ہوگا... ہم سلطنت اور ملک کی حفاظت کے لئے دشمنوں کی صفوں میں گھس گھس کر اُن کا خاتمہ کر دیں گے یا خود فنا ہو جائیں گے۔

سلطان۔ شاباش میرے بہادر ساتھیو شاباش..... آج میں اپنی خوش قسمتی پر جس قدر

بھی ناز کروں کم ہے۔۔۔۔ تم جیسے جانباز مددگار نہ تو سلطان محمود غزنوی کو ملے اور نہ شہاب الدین غوری کو نصیب ہوئے۔

علاء الملک ۔ غلام بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

سلطان ۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

علاء الملک ۔ ظفر خاں، غازی تغلق اور الپ خاں کی ہمتیں قابل صد تحسین و آفریں ہیں۔۔۔ ۔۔۔۔ اُن کی رگوں میں جوانی کا خون دوڑ رہا ہے۔ بہادری کے ولولے اور جنگ کی اُمنگیں تازہ ہیں۔۔۔۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو سوائے میدان جنگ کے اور کہیں سکون نہیں ملتا لیکن مصلحت وقت کا کچھ اور تقاضا ہے۔

سلطان ۔ (اظہار حیرت کرتے ہوئے) کیا تقاضا ہے؟

علاء الملک ۔ جہاں پناہ کو شاید غلام کی جاں نثاری پر کچھ بدگمانی ہو رہی ہے۔۔۔۔!!

سلطان ۔ نہیں مابدولت کو تمہاری وفاداری پر پورا بھروسہ ہے۔

علاء الملک ۔ جہاں پناہ گستاخی معاف ہو!

سلطان ۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔؟

علاء الملک ۔ اس وقت اگر مغلوں کو کسی طرح راضی کرکے لوٹا دیا جائے تو بہتر ہے۔۔۔۔ یہ پہلی مثال نہ ہوگی۔ سلاطین عالم نے اکثر موقعوں پر حکمت عملی سے کام لینے کو درست سمجھا ہے۔۔۔۔۔ تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ سلاطین عالم نے اکثر حکمت عملی کو جنگ و جدال پر ترجیح دی ہے۔

سلطان ۔ (اظہار ناراضگی کرتے ہوئے) ہم آگے کچھ نہیں سُننا چاہتے۔۔۔۔۔ افسوس علاء الملک نے سلطان کی ہمتوں کا غلط اندازہ کیا۔۔۔ سلطان علاء الدین وہی ہے جس نے مالوہ اور چندیری کے راجاؤں کے تخت اُلٹ دیئے۔۔۔۔۔ سلطان علاء الدین وہی ہے جس نے بندھیاچل کی پہاڑیوں کو عبور کرکے دیوگڑھ میں اپنا جھنڈا نصب کیا۔۔۔۔ سلطان علاء الدین وہی ہے جس نے گجرات کی اس طرح اینٹ سے اینٹ بجاوی کہ شاید اب وہ سر اُٹھانے کی ہمت نہ کرے۔ تم اسی سلطان کو مصلحت وقت اور حکمت عملی کے الفاظ سُنا کر کم ہمت بنانا چاہتے ہو۔

علاء الملک ۔ لیکن۔۔۔ جہاں پناہ مصلحت۔۔۔۔۔!!

سلطان ۔ علاء الملک خاموش!! مجھ کو تمہاری وفاداری کا پاس ہے ورنہ ابھی تمہاری گردن اُڑادی جاتی۔۔۔۔۔ ملک پریشانی کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔۔۔۔۔ مابدولت کی رعایا پر ظلم و تشدد کی بجلی گرائی جارہی ہے اُن کے گھروں کو برباد کیا جارہا ہے۔۔۔۔ کیا علاء الدین یہ سب محل میں بیٹھا ہوا

دیکھا کرے .... !! کیا کل تاریخ لکھنے والے مابدولت
کو کم ہمت اور بزدل نہ بنائیں گے۔ علاءالدین کے
دل میں جب تک خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے وہ
اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ کبھی نہ لگنے دیگا۔

علاء الملک۔ .... جہاں پناہ ....
.... غلام کا مطلب .... !! ۔

سلطان۔ خاموش رہو ...... مابدولت
.... کچھ نہیں سُننا چاہتے ....
(علاء الملک میں تمہاری حقیقت جانتا ہوں .....
تم قلم گھسنے کے علاوہ کیا جانو کہ میدان کارزار میں تلوار
کی آنچ کس چیز کا نام ہے ...؟؟ تم کو دلاوروں کے
جوش اور اُن کے ولولوں کا حال کیا معلوم ....؟؟

ظفر خاں .....

ظفر خاں ۔ جہاں پناہ - ....

سلطان۔ لشکر تیار کیا جائے.. مابدولت
خود مغلوں کی سرکوبی کو میدان جنگ میں ساتھ چلیں گے
اور دکھادیں گے کہ بیجا ظلم و تشدد کا نتیجہ ہمیشہ خراب
ہوتا ہے اور ہمارے ملک پر حملہ کرنے والوں کا کیا حشر
ہوتا ہے۔ ہماری سلطنت پر آنکھ اُٹھانے والوں کی
آنکھیں کس طرح پھوڑ دی جاتی ہیں ..... دربار
برخاست کیا جائے۔

. . . .

تیسرا منظر

(سلطان علاءالدین بداؤنی دروازہ کے سامنے
تشریف فرما ہیں۔ علاء الملک نصرت خاں، الپ خاں،
غازی تغلق اور اُلغ خاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آج اُن کے
چہروں پر نہ کل کی سراسیمگی ہے اور نہ انتشار۔ لیکن
ہر ایک کو ظفر خاں کی موت کا افسوس ہے جس نے تنہا
مغلوں کے ٹڈی دل لشکر میں گھُس کر تلوار کے جوہر دکھاتے
ہوئے اپنے شہنشاہ کی خاطر جان قربان کردی۔ سلطان
کے داہنی طرف قتلغ خواجہ مغلوں کا سردار اپنے دوسرے
ساتھیوں کے ہمراہ زنجیروں میں بندھا کھڑا ہے۔ ہر ایک
کے چہرے سے وحشت برس رہی ہے! ستے ہوئے چہرے
...... چھوٹی چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں، مضبوط جسم
...... اور کل تک وہ سر جو غرور اور نخوت کے نشہ سے
چور تھا آج ندامت سے جھکا ہوا ہے۔

سلطان۔ نصرت خاں۔

نصرت خاں۔ جہاں پناہ۔

سلطان۔ جشن فتح منانے کا حکم جاری کردیا
جائے .... !!

نصرت خاں ۔ جہاں پناہ رعایا جشن فتح
منانے کی تیاریوں میں مشغول ہے۔

سلطان۔ مابدولت کو ظفر خاں کی موت کا بہت
افسوس ہے ..... اب شاید ایسا جری دوبارہ پیدا

نہ ہو سکے ..... اُس کے خاندان والوں کو شاہی پہرہ میں دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ شہنشاہ عالم سکندر ثانی کو ظفر خاں کی موت کا اُتنا ہی افسوس ہے جتنا اپنے سلطان کی موت کا ہو سکتا ہے ......

آج سے ظفر خاں کے اہل و عیال مابدولت کی خاص نگرانی میں رہیں گے۔

نصرت خاں۔ جیسا حکم عالی ہو۔

سلطان۔ قتلغ خواجہ۔

(قتلغ خواجہ خاموش ہے)

(سلطان غصہ میں دوبارہ پکارتا ہے)

سلطان۔ قتلغ خواجہ۔

قتلغ خواجہ۔ جہاں پناہ۔

سلطان۔ چین، خوارزم، ترکستان، سمرقند، اور ماوراالنہر فتح کرنے کے بعد تمھاری ہمتیں بہت بڑھ گئی تھیں ...... آخر تم نے موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال ہی دیا۔ تم کو شاید خیال ہوگا کہ مابدولت تمھارے ٹڈی دل لشکر سے ڈر جائیں گے اور شہر کی کنجیاں تمھارے حوالہ کر کے تمھارے قدموں پر سر رکھ دینگے۔

قتلغ خواجہ۔ جہاں پناہ!! طالب امان ہوں۔

سلطان۔ (اظہار نفرت کرتے ہوئے) طالب امان!! عہد علائی میں ظالموں کے لئے کہیں امان نہیں ..... امن صرف کمزوروں کے لئے ہے ..... لٹیروں اور ظالموں کے لئے نہیں .... علائی انصاف کھرے اور کھوٹے کی پہچان جانتا ہے ..... نصرت خاں ..... !!

نصرت خاں۔ جہاں پناہ۔

سلطان۔ قتلغ خواجہ اور اُس کے شیر کاملوں کو ہاتھی کے پیروں کے نیچے کچلوا ڈالا جائے اور اُس کے گرفتار شدہ سپاہیوں کو دیواروں کے بیچ میں چنوا دیا جائے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور وہ جان جائیں کہ عہد علائی میں امن و چین کے خلاف گروں کا کیا انجام ہوتا ہے .... علاء الملک ..... !!۔

علاء الملک۔ جہاں پناہ ..... ؟

سلطان۔ اب کیا ہے تمھاری مصلحت ....؟

علاء الملک۔ رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند۔

نصرت خاں۔ رقصِ فتح کا انتظام ہو چکا ہے۔

سلطان۔ اجازت ہے۔

(رقصِ فتح شروع ہوتا ہے)

راجن کی کہانی
(سردار کیسے بنا)

(از جناب سیتارام نگم بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی بیسک مظفرآباد)

تاذن اور اُس کے بیٹوں کو کانسے کے ہتھیار اور اوزار بناتے بہت دن گذر گئے۔ نزدیک کے بہت سے لوگوں نے کانسے کے ہتھیار بنانا سیکھ لیا۔ سب جگہ اب کانسے کے ہتھیار بننے لگے۔ پتھر کے ہتھیار بننا اب بند ہوگئے۔ شکاری اب ان ہتھیاروں سے بڑی آسانی سے جنگلی جانوروں کا شکار کرلاتے تھے۔ کانسے کے ہتھیاروں سے انھیں کھال الگ کرنے اور گوشت کے ٹکڑے کرنے میں بڑی آسانی ہوگئی تھی۔ اُن کے گھر کے دوسرے اوزار بھی اب کانسے کے ہوتے تھے۔ اُن کی کلہاڑی کانسے کی ہوتی تھی جس سے وہ آسانی سے لکڑی کاٹتے تھے۔ اُن کے گھر کے برتن بھی کانسے کے ہوتے تھے۔ کانسے کی پتیلی میں اُن کا گوشت اُبالا جاتا تھا۔ کانسے کی تھالی میں وہ کھانا کھاتے تھے اور کانسے کے پیالے میں وہ پانی پیتے تھے۔ پانی بھرنے کے لئے انھوں نے کانسے، پیتل یا تانبے کے گھڑے بنائے تھے۔ اسی طرح اُن کے دوسرے برتن بھی دھات کے بنے ہوتے تھے۔

تاذن اور اُس کے بیٹے زمین کے اندر سے دھاتیں نکالتے اور ہتھیار بناتے۔ یہ لوگ اب کانسے کے ہتھیار بنانے میں لگے رہتے تھے۔ ان کے پاس بہت سے شکاری اور چرواہے رہتے تھے۔ ان کو ہتھیاروں کی بڑی ضرورت رہتی تھی۔ یہ لوگ تاذن کے بنائے ہوئے ہتھیار لے جاتے تھے اور اُس کے بدلے میں اُسے گوشت، دودھ، دہی پھل اور چمڑے کی کھالیں دے جاتے تھے۔ ایک کانسے کے بھالے کے لئے بہ نسبت پتھر کے بھالے کے زیادہ سامان دیتے تھے کیونکہ کانسے کے بھالے سے ان کے کام میں زیادہ آسانی ہوتی تھی۔ دیگر ہتھیاروں کا بھی یہی حال تھا۔ اس وجہ سے ان کو کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہ رہتی تھی۔ مگر ہتھیاروں کی بہت زیادہ مانگ ہونے کے سبب سے اُن کو فرصت بالکل نہ ملتی تھی۔ پاس کے لوگوں نے بھی اگرچہ دھات کے ہتھیار بنانا شروع کردیا تھا لیکن تاذن اور اُس کے بیٹوں کو اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ جتنے ہتھیاروں کی مانگ ہوتی تھی اُن کو وہ بنا سکیں۔

تاذن کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے کا نام راجن تھا۔ تاذن اُس کی عورت اور لڑکے اپنے کام میں لگے

رہتے تھے اور خوب محنت کرتے تھے۔ مگر راجن کا دل اس کام میں نہ لگتا تھا وہ بچپنے سے ہی بڑا نٹ کھٹ تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دن بھر کھیلا کرتا تھا۔ جو لڑکے اس کے من کی بات نہ کرتے وہ اُن سے لڑ جاتا تھا اور اُن کو مار پیٹ دیتا تھا۔ مگر جو لڑکے اُس کا کہنا مانتے تھے اُن کو وہ بہت پیار کرتا تھا۔ اس طرح بہت سے لڑکے اُس کے ساتھی ہو گئے تھے۔ ان لڑکوں کے ساتھ وہ دن بھر کھیلا کرتا تھا۔ کبھی ندی کے کنارے کھیلنا اور تیرنا، کبھی گھاس کے میدان میں آکر دوڑنا یہی اُس کا کام تھا۔ اُس نے بہت سے نئے نئے کھیل نکالے تھے۔ ان کھیلوں میں تمام دن کٹ جاتا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر نزدیک کے جنگل میں چلا جاتا تھا اور وہاں گھوما کرتا تھا۔ اگر کوئی پھلوں کا درخت دکھائی پڑتا تھا تو وہ فوراً اُس پر چڑھ جاتا اور پکے پکے پھلوں کو توڑ کر اپنے دوستوں کو کھلاتا اور آپ بھی جی بھر کر کھاتا۔ شام ہونے کے پہلے اپنے ڈیرے پر واپس آجاتا۔

جب راجن کچھ بڑا ہوا اُس کے باپ تاآرن نے اُس کو اپنے کام میں لگانا چاہا مگر اُس کا جی کام میں نہ لگتا تھا۔ راجن مجبوراً اپنے باپ کے ساتھ کام کرتا مگر موقع پاتے ہی بھاگ جاتا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیلا کرتا۔ دھیرے دھیرے راجن بڑا ہو گیا۔ اب وہ قد میں اپنے باپ تاآرن سے اونچا تھا اور جسم کا بھی مضبوط تھا۔ اب وہ نزدیک کے شکاریوں کے ساتھ شکار کھیلنے جانے لگا۔ تاآرن اُسے منع کرتا۔ کبھی کبھی ناخوش ہوتا مگر وہ نہ مانتا تھا۔ باپ کے منع کرنے پر بھی وہ ان لوگوں کے ساتھ چلا جاتا۔ راجن اپنے ہم عمر ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا۔ ایک دن وہ بڑا بارہ سنگھا مار کر لایا تو اُس کا باپ بہت خوش ہوا اور پھر اُس دن سے اُس نے راجن کو شکار کرنے جانے سے منع نہیں کیا۔

آہستہ آہستہ راجن بڑا اچھا شکاری ہو گیا۔ وہ بہت ہوشیار تھا۔ اُس نے جانوروں کو پھنسانے اور اُن کا شکار کرنے کے لئے بہت سی ترکیبیں بھی نکال لیں۔ وہ بہادر بھی کم نہ تھا۔ اگر خوفناک جانور بھی آجاتے تو وہ پیچھے نہ ہٹتا۔ وہ بھالا لے کر کھڑا ہو جاتا اور اُس پر بھالے سے حملہ کرتا، تب تک اُس کے ساتھی بھی آجاتے اور سب مل کر اُسے بھالوں سے چھید کر مار ڈالتے۔ راجن اگر کسی ہرن کو ہری ہری گھاس میں چرتے دیکھتا تو وہ چپکے چپکے پیچھے کی طرف سے جاتا اور جب تھوڑے فاصلہ پر رہ جاتا تو اپنے بھالے سے ایسا نشانہ مارتا کہ ایک ہی وار میں کام تمام ہو جاتا۔ ایسا کرنے میں اگر آہٹ ہو جاتی اور ہرن بھاگتا تو وہ بھی تیزی سے اُس کا پیچھا کرتا اور پاس آنے پر اُسے بھالے سے مارتا۔ مگر اکثر ہرن چوکڑی بھرتا ہوا دور نکل جاتا، تب اُسے بڑا غصہ آتا۔ مگر وہ کر ہی کیا کرسکتا تھا۔ وہ

سوچا کرتا کہ کون سی ترکیب کی جائے کہ وہ ہرن سے تیز دوڑ سکے۔ راجن کا ڈیرا ایک بہت بڑے گھاس کے میدان کے نزدیک تھا۔ اُس کے ڈیرے کے نزدیک بہت سے چرواہے رہتے تھے۔ اُن کے پاس بہت سے جانور تھے۔ وہ گھاس کے میدان میں اپنے چوپایوں کو چراتے تھے اور شام کو اپنے ڈیروں کے پاس لے آتے تھے۔ لڑکیاں اُن کا دودھ نکالتی تھیں۔ راجن کو دودھ بہت پسند تھا۔ وہ روز صبح ان چرواہوں کے ڈیروں پر جاتا اور تازہ تازہ دودھ پیتا۔ کئی ایک چرواہے اُس کے لڑکپن کے ساتھی تھے۔ جب وہ کسی جانور کا شکار کرکے لاتا تو کافی گوشت ان لوگوں کو بھی دیتا تھا۔ ان چرواہوں کے پاس بہت سے چوپائے تھے، وہ ان کو غور سے دیکھا کرتا تھا۔ ان چوپایوں میں ایک چوپایا تھا جسے چرواہے "گھوڑا" کہتے تھے۔ یہ پالتو جانور دوڑنے میں چرواہوں کے سب جانوروں سے تیز تھا۔ چرواہے جب اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے بڑے گھاس کے میدان میں لے جاتے تو اکثر کوئی نہ کوئی جانور چرتے چرتے دور نکل جاتا۔ چرواہا گھوڑے کی پیٹھ پر چڑھ جاتا۔ گھوڑا فوراً دوڑتا اور دوڑ کر فاصلے پر چرتے ہوئے چوپائے کے پاس پہنچ جاتا۔ چرواہا اُسے ہانک کر اپنے چوپایوں کے جھنڈ میں لے آتا۔

یہ جانور راجن کو بہت پسند آیا۔ اُس نے سوچا کہ جب میں کسی بارہ سنگھے کا شکار کرنا چاہتا ہوں، تو وہ اکثر بھاگ جاتا ہے۔ میں اُتنا تیز نہیں دوڑ پاتا جتنا کہ بارہ سنگھا۔ اگر میں بھی کسی گھوڑے کی پیٹھ پر چڑھ جاؤں تو بارہ سنگھے سے زیادہ تیز دوڑ سکوں گا اور میں اُس کا شکار آسانی سے کر سکوں گا۔ اُس نے آس پاس کے چرواہوں کے پاس جتنے گھوڑے تھے، سب کو غور سے دیکھا اور اُن میں جو سب سے زیادہ تیز تھا اُس کو خرید لیا۔ اُس کے بدلے میں ایک بڑا بارہ سنگھا مار کر دینے کا وعدہ کیا۔ آج جب وہ شکار کرنے گیا تو وہ طے کر کے گیا کہ آج وہ بارہ سنگھے کو مار کر ضرور لائے گا۔ اُس نے آج کئی ایک تیز بھالے اپنے ساتھ لے لیے تھے۔ جب وہ جنگل میں پہنچا تو اُس نے ہری ہری گھاس میں ایک بارہ سنگھے کو چرتا دیکھا۔ وہ آج چھپ کر بارہ سنگھے کے پاس نہیں گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہاتھ میں ایک بھالا لیے ہوئے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا بارہ سنگھے کی طرف لپکا۔ بارہ سنگھے نے جو آہٹ پائی تو چوکڑی بھرتا ہوا بھاگا۔ راجن نے بھی اُس کے پیچھے اپنا گھوڑا چھوڑ دیا۔ گھوڑا بہت تیز دوڑا اور بارہ سنگھے کے پاس جا پہنچا۔ راجن نے تان کر اپنا بھالا مارا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا۔ اُس نے دوسرا بھالا لیا اور اُسے بھی تان کر مارا۔ اِس دفعہ بھی نشانہ ٹھیک پڑا۔ اُس نے تیسرے بھالے سے پھر حملہ کیا۔ اِس بھالے کے لگتے ہی بارہ سنگھا زمین پر گر پڑا اور تھوڑی دیر میں تڑپ کر مر گیا۔ اب اُس کے ساتھی بھی اُس کے پاس آ گئے تھے، اِس بارہ سنگھے کو مرا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور

اُس کی ہوشیاری اور بہادری کی تعریف کرنے لگے۔ سب مل کر اُس بارہ سنگھے کو ڈیرے پر لے آئے۔ راجن نے اُس بارہ سنگھے کو اُس چرواہے کو دے دیا جس نے اُسے گھوڑا دیا تھا۔ آج سے یہ گھوڑا راجن کا ہو گیا۔ وہ اُس گھوڑے کو بہت پیار کرنے لگا اور بہت آسانی سے شکار کرنے لگا۔

دوسرا حصّہ

اس گھاس کے میدان میں جہاں راجن رہتا تھا بہت سے لوگ بہت دنوں سے ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔ اُن میں زیادہ تر چرواہے تھے۔ اِس گھاس کے میدان میں اتنی زیادہ گھاس تھی کہ ان کو دوسری جگہ جانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ چرواہوں کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی تھے۔ یہ لوگ اپنی گذر بسر شکار سے کرتے تھے۔ کچھ لوگ زمین کے اندر سے طرح طرح کی دھاتیں نکالتے تھے اُن سے ہتھیار اور اوزار بناتے تھے۔ کچھ لوگ کانسے۔ پیتل یا تانبے کے برتن بناتے تھے اور کچھ لوگ اب بھی مٹّی کے برتن بناتے تھے۔ یہ لوگ اپنی ضرورت کی چیزوں کو آپس میں بدل لیتے تھے۔ شکاری چرواہوں کو گوشت اور گھاس دیتے۔ چرواہے اُن کے بدلے میں اُن کو دودھ، دہی دیتے۔ کانسے کے ہتھیار بنانے والے شکاریوں کو کانسے کے ہتھیار دیتے۔ وہ بدلے میں ہتھیار بنانے والوں کو شکار کئے ہوئے جانوروں کا گوشت اور کھالیں دیتے تھے۔ اسی طرح دوسرے لوگ بھی کرتے تھے۔ ان سب لوگوں کا وقت بڑے مزے میں کٹ رہا تھا۔ کبھی کبھی یہ لوگ ایک مقام پر جمع بھی ہو جاتے تھے۔ اِن کے ایک مقام پر جمع ہونے کا وقت عموماً وہ ہوتا تھا جب اُنھیں "آگ کی دیوی" کی پوجا کرنی ہوتی تھی۔ جس رات کو پورا چاند ہوتا تھا۔ یہ لوگ ایک کھلے میدان میں جمع ہو جاتے تھے۔ ایک جگہ سوکھی لکڑیوں کے کندوں میں آگ لگائی جاتی اور اُن کا پجاری جانوروں کی گردن دھڑ سے الگ کر کے سروں کو جلتی ہوئی آگ میں "آگ کی دیوی" کی بھوک مٹانے کے لئے چھوڑتا اور بعد کو سب لوگ "آگ کی دیوی" کی پرارتھنا کرتے "اے آگ کی دیوی! ہم پر رحم کر! ہم پر اور ہمارے بچّوں پر رحم کر!! ہمیں کبھی نہ ستا!!!" یہ دعا ہو جانے پر ناچ اور کھیل ہوتے رہتے۔ اس طرح سے وہ اپنا وقت مزے سے گزارتے تھے۔

اس طرح ملنے جلنے سے ان میں آپس میں بہت میل ہو گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد دوسرے چرواہوں کا ایک بڑا جتھا کہیں سے گھومتا پھرتا اسی گھاس کے میدان میں آ گیا۔ اِس گروہ میں ہزاروں چرواہے تھے اور ایک ایک چرواہے کے ہزاروں چوپائے تھے۔ یہ لوگ جہاں پہلے اپنے ڈیرے ڈالے پڑے تھے وہاں اس سال پانی نہیں برسا تھا۔ ہری ہری گھاس کا میدان بالکل سوکھ گیا تھا۔ کہیں گھاس دکھائی نہ پڑتی تھی۔ ہوا چلنے پر دھول اُڑتی تھی۔ مجبوراً ان لوگوں کو

اپنا گھاس کا میدان چھوڑنا پڑا۔ سب نے اپنے اپنے ڈیرے اُکھاڑے۔ اپنا سامان جانوروں پر لادا اور چوپایوں کو لے کر سب کے سب ایک طرف چل دیئے۔ گھاس کے میدان کی تلاش میں چلتے چلتے یہ لوگ ہری ہری گھاس کے اس میدان میں آپہنچے۔ یہ میدان ان کو بہت پسند آیا۔ یہ گھاس کا میدان بہت بڑا تھا۔ اور دور تک ہری ہری گھاس پھیلی تھی۔ میدان کے پاس ہی ایک بڑی ندی بہتی تھی۔ اور پاس ہی ایک بڑا جنگل تھا۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے اپنے ڈیرے ڈال دیئے اور اپنے جانوروں کو چرانے لگے۔ جب اس میدان کے پرانے چرواہوں کو معلوم ہوا کہ چرواہے آکر اس میدان میں رہنے لگے ہیں تو اُنھوں نے جاکر اُن سے کہا کہ وہ لوگ یہاں نہ رُکیں اور اپنے لئے کوئی نیا میدان تلاش کرلیں کیونکہ یہ میدان ہمارے اور تمھارے دونوں کے جانوروں کے لئے کافی نہیں ہے۔ مگر نئے آئے ہوئے چرواہوں نے اور کہیں جانا پسند نہیں کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمیں یہ میدان بہت پسند ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر نہ جائیںگے۔ تمھیں اسے چھوڑ کر اور کہیں چلے جاؤ، نہیں تو ہم تمھیں مار کر بھگادیں گے۔

ان نئے آئے ہوئے چرواہوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے اچھا میدان اب نہیں ملے گا وہ چلتے چلتے بہت زیادہ تھک بھی گئے تھے۔ اب اور کہیں جانا نہ چاہتے تھے۔ پرانے چرواہے ان کو یہاں نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔ نئے آئے ہوئے چرواہے اُنھیں زبردستی بھگا دینا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے پرانے چرواہوں کے چوپایوں کو مار مار کر میدان سے بھگانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر اس میدان کے سب پرانے چرواہے جمع ہو گئے وہ بھی نئے آئے ہوئے چرواہوں کو مار مار کر بھگانے لگے۔ نئے چرواہوں نے اب پرانے چرواہوں کو مارنا پیٹنا شروع کیا۔ پرانے چرواہے بھی مارپیٹ کا جواب مارپیٹ سے دینے لگے۔ یہ حال سن کر آس پاس کے جتنے لوگ اِس میدان کے رہنے والے تھے سب آگئے اور پرانے چرواہوں کی مدد کرنے لگے۔ اب دونوں گروہوں میں خوب کھل کر لڑائی ہونے لگی۔ لاٹھی ڈنڈا بھالا۔ کلہاڑی سبھی کا استعمال کیا جانے لگا۔ دونوں جتھوں میں خوب کھل کر لڑائی ہوئی۔ بہت سے لوگ زخمی ہوئے اور بہت سے مر بھی گئے۔ پرانے چرواہوں کے گروہ کی تعداد کم تھی۔ یہ لوگ نئے چرواہوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی نہ تھے۔ ان لوگوں کے پیر اُکھڑنے والے ہی تھے کہ اتنے میں ایک طرف سے دھول اُڑتی ہوئی اور اُن کی طرف کو آتی ہوئی دکھائی دی۔ پھر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ اُس کے بعد دیکھا گیا کہ بچیس تیس سواروں کا ایک گروہ اُن کی طرف آرہا ہے۔ اس گروہ میں سب سے آگے راجن تھا۔ اور اُس کے پیچھے اُس کے شکاری ساتھی۔ سواروں کے دل نے آکر نئے آئے ہوئے چرواہوں کے اوپر حملہ کیا۔ نئے چرواہوں نے ان کا بھی مقابلہ کیا مگر

وہ بہت تھک گئے تھے۔ ان سواروں نے لڑائی میں بڑی بہادری دکھائی۔ یہ لوگ دور سے ہی بھالا پھینک کر ان پر وار کرتے اور اپنے اوپر حملہ ہونے پر تیزی سے گھوڑا دوڑا کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ اس لڑائی میں راجن نے بڑی بہادری دکھلائی تھی۔ وہ گھوڑا دوڑا دوڑا کر نئے چرواہوں پر حملہ کرتا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتا اُن کو بار بار رائے دیتا کہ اب ان کو کیا کرنا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ وہ نئے چرواہوں کو لڑنے کے لئے للکارتا۔ نئے چرواہوں کے گروہ کے بھی بہت سے آدمی مر کر یا زخمی ہو کر گرنے لگے۔ جب نئے چرواہوں نے یہ حال دیکھا تو اپنے ڈیرے اُکھاڑ کر بھاگنے لگے۔ لڑنے والوں نے جب اپنے ساتھیوں کا یہ حال دیکھا تو اُن کے بھی پیر اُکھڑ گئے اور وہ بھی پیٹھ دکھا کر بھاگے۔

یہ حال دیکھ کر پُرانے چرواہے بہت خوش ہوئے۔ مگر راجن نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان نئے چرواہوں کو اپنے چوپائے لے کر نہ بھاگنے دینا چاہیے۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی آنے کو کہا۔ اُس کے ساتھی اُس کا کہنا مانتے تھے۔ اُنھوں نے بھی اپنے گھوڑے اُن کے پیچھے ڈال دئے ابھی یہ چرواہے کچھ ہی دور گئے تھے کہ یہ لوگ اُن کے پاس جا پہنچے۔ راجن نے للکار کر کہا کہ جو اپنی جان کی سلامتی چاہے وہ ہتھیار ڈال دے۔ یہ لوگ اتنے ڈر گئے تھے کہ ان سواروں کو آتا دیکھ کر بہت سے لوگ اِدھر بھاگ گئے اور جا کر جنگل میں چھپ گئے مگر کچھ لوگ بھاگ نہ سکے۔ اُنھوں نے اپنے ہتھیار ڈالدئے۔ راجن اور اُس کے ساتھی ان لوگوں اور اُن کے جانوروں کو ہانکتے ہوئے اپنے ڈیروں کی طرف لے گئے۔ سب لوگ راجن سے بہت خوش ہوئے اور اُس کی بہادری کی تعریف کرنے لگے۔ راجن نے نئے چرواہوں کے جانوروں کو سب لوگوں میں برابر برابر بانٹ دیا۔ ہارے ہوئے آدمی بھی برابر برابر حصّہ میں آئے۔ ڈیرے والے ان آدمیوں سے زیادہ محنت کے کام لینے لگے اور خود آرام سے زندگی گزارنے لگے۔ یہ لوگ راجن سے اتنے خوش ہوئے کہ آج سے وہ اسے اپنا "اگوا" یا سردار کہنے لگے۔ راجن اور اُس کے سوار ساتھیوں کی دیکھا دیکھی ڈیروں میں جو اور نوجوان تھے ان میں سے بہت سے لوگوں نے راجن کی طرح سواری کرنا سیکھ لیا اور اُس کے ساتھی ہو گئے۔ یہ سب کے سب ایک ساتھ جنگل میں شکار کرنے جاتے۔ یہ لوگ راجن کا کہنا مانتے تھے۔ راجن بھی سب کو بہت پیار کرتا تھا وہ ان کو شکار کرنے کے نئے نئے طریقے بتلاتا تھا۔ اُنھیں لڑنا اور ہتھیار چلانا سکھاتا تھا۔

اس میدان کے دوسرے ڈیرے والے بھی اُس سے بہت خوش تھے۔ کیونکہ اُس نے ہی اُس دن

اُن کی جان بچائی تھی۔ اگر وہ اُس دن ٹھیک وقت پر اپنے ساتھیوں کو لے کر نہ آجاتا تو سب کے سب مارے جاتے۔ اُنھیں اپنا پیارا گھاس کا میدان چھوڑ کر بھاگ جانا پڑتا۔ اس لئے وہ سب اُس کا کہنا مانتے تھے اور اُس کو اپنا "اگوا" یا سردار مانتے تھے۔ اُس کی اور اُس کے ساتھیوں کی ضرورت کی ساری چیزیں انھیں دے دیتے تھے۔ اور اُن کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

راجن کبھی کبھی اپنے ساتھیوں کو لے کر بہت دور جنگل میں نکل جاتا۔ ایک دن وہ شکار کی تلاش میں جنگل میں آگے بڑھتا ہی گیا۔ چلتے چلتے وہ جنگل کے دوسرے سرے تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر جنگل ختم ہوگیا۔ یہاں سے ایک دوسرا گھاس کا میدان شروع ہوتا تھا۔ آج انھیں جنگل میں کچھ بھی شکار نہ ملا تھا۔ جب راجن اس گھاس کے میدان میں پہنچا تو اُسے میدان میں کچھ چرواہے دکھائی پڑے۔ جو اپنے چوپایوں کو چرا رہے تھے۔ راجن اور اس کے ساتھی خالی ہاتھ لوٹنا نہ چاہتے تھے۔ یہ سب لوگ گھوڑوں پر سوار جانوروں کی طرف بڑھے اور اُنھیں ڈیروں کی طرف ہانکنے لگے۔ ان بیچارے چرواہوں نے انھیں منع کیا اور اپنے چوپایوں کو لے جانے سے روکا۔ مگر ان سواروں نے انھیں مار کر بھگا دیا۔ یہ لوگ خوشی خوشی ان چوپایوں کو ہانکتے ہوئے اپنے ڈیروں پر لوٹ آئے۔ اور وہاں پہنچ کر آپس میں انھیں بانٹ لیا۔

اس طرح راجن کے ساتھیوں کی تعداد دن بہ دن بڑھنے لگی اور اُس کی بہادری چاروں طرف پھیل گئی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر کسی طرف نکل جاتا اور کسی نہ کسی گھاس کے میدان میں پہنچ جاتا اور وہاں کے چرواہوں کے جانور چھین لاتا اور ان کو ڈیرے والوں میں بانٹ لیتا تھا۔

اس طرح بہادری کے ساتھ زندگی گذارتے ہوئے راجن سردار کے بہت دن گذر گئے۔ ایک دفعہ راجن جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ وہاں اُسے ایک شیر دکھائی پڑا۔ وہ گھوڑے پر سوار اپنا بھالا ہاتھ میں لئے ہوئے شیر کی طرف لپکا۔ شیر نے جو اُسے اپنی طرف آتے دیکھا تو جھپٹ کر اُس کے اوپر حملہ کیا۔ اُس کے ساتھی اُس کی طرف دوڑے۔ مگر اُس وقت تک وہ زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ ساتھیوں نے مل کر شیر کو مار ڈالا۔ مگر اب تک راجن کی بھی جان

نکل چکی تھی۔ سب ساتھیوں کو بہت افسوس ہوا۔ مگر اب کر ہی کیا سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں میں سے جو سب سے زیادہ بہادر اور ہوشیار تھا اُسے اپنا سردار چن لیا اور اُس کا بھی کہنا اُسی طرح ماننے لگے جیساکہ راجن کا مانتے تھے۔ راجن کی یادگار میں یہ لوگ اِس نئے چنے ہوئے سردار کو بھی "راجن یا راجہ" کہنے لگے۔ اِس طرح جب کوئی نیا سردار چنا جاتا تو وہ "راجن یا راجہ" کہلاتا۔

جغرافیہ کی تعلیم

(گذشتہ سے پیوستہ)

(مسٹر بی۔ ایچ سریواستو ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی لکچرار میکڈ ٹریننگ کالج الٰہ آباد)

اب تک ہم جغرافیہ کی اہمیت کے متعلق گفتگو کرتے آئے ہیں۔ اب اِس کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ جغرافیہ کے نصاب و نیز طریقۂ تعلیم کے متعلق گفتگو کی جائے۔

بیسک تعلیم کا مفہوم یہ ہے کہ کسی حرفہ یا تعلیمی مشغلہ کو مرکز مانکر اس کے چاروں طرف اُس ماحول میں رہ کر درسی مضامین پڑھائے جائیں۔ یہ مشغلہ کیا ہو؟ اس کا بھی بیسک تعلیم نے فیصلہ کردیا ہے۔ یہ یا تو ہینڈ کرافٹ ہوسکتا ہے اور یا قدرتی نیز معاشرتی ماحول۔ یہ سب جغرافیہ کے پڑھانے کے واسطے عمدہ ذرائع ہوسکتے ہیں۔ قدرتی ماحول تو قریب قریب خود جغرافیہ ہی ہے۔ سورج کا نکلنا اور غروب ہونا۔ موسم کی تبدیلی۔ گھر سے اسکول تک کی سمت اور سڑک۔ سمتوں کا جاننا۔ شہر کا نقشہ بنانا۔ اِس سے ضلع، صوبہ، ہندوستان اور دنیا کا نقشہ تیار کرنا۔ درختوں کا ہونا۔ مختلف پیداوار کا بیان اور اُن کا موسم کے لحاظ سے بونا اور جوتنا۔ اُن کی ضرورت۔ گاؤں اور شہر سے تجارت۔ جانوروں کی ضرورت اور اُن کی گاؤں میں آبادی، پیشوں کا استعمال اور اُن کی مردم شماری۔ آمد و رفت کے ذرائع اور اُن کی ضرورت وغیرہ۔ سب قدرتی اور معاشرتی ماحول کی چیزیں ہیں۔ اور جغرافیہ کی حد میں آجاتی ہیں۔

معاشرتی ماحول کے تعلق سے انسان کی زندگی پر

بہت سے اسباق دئے جا سکتے ہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ انسانی زندگی پر ماحول کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے انسانی زندگی کے متعلق واقفیت کا حاصل کرنا ہمارے واسطے بہت ضروری ہے اور اس سے ہم کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کہاں کہاں انسان نے اپنے ماحول کو اپنی ضرورت کے مطابق بنا لیا ہے۔ اور کہاں کہاں اُس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اِن کے وجوہ اور طریقوں کو معلوم کرنا اِس غرض سے ضروری ہیں کہ اُن سے فائدہ اُٹھا کر ہم بھی اپنی زندگی کو ایسا ہی بنا سکتے ہیں۔ اور دنیا میں آزادی کے ساتھ زندگی گذارنے کے اہل ہو سکتے ہیں۔

کرافٹ کے ذریعہ بہت سا جغرافیہ پڑھایا جا سکتا ہے۔ جو نصاب ہمارے اسکول میں رائج کر دیا گیا ہے وہ اسی بنیاد پر قائم ہے۔ اب ہمارے واسطے ضرورت اِس امر کی محسوس ہو رہی ہے کہ اِس نصاب کو لے کر ہم یہ دیکھیں کہ اِس کا کون کا حصہ کرافٹ اور قدرتی ماحول کے تحت میں آتا ہے اور اُس کو ہم کس طرح کرافٹ یا ماحول کی نسبت سے پڑھا سکتے ہیں۔

اب ہم ہر درجہ کا نصاب لیکر اور اِس کے متعلق گفتگو کرنے کے بعد اِس کے طریقۂ تعلیم سے بحث کریں گے۔

درجۂ اطفال میں ذیل کا نصاب مقرر کیا گیا ہے۔

باہر کے رہنے والے لوگوں کی زندگی کا حال۔ اسکیمو، چینی اور انگریز۔ اِس درجہ میں بہت کم کہانیاں رکھی گئی ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں میں پہلے بولنے کی طاقت پیدا کرنا بہت ضروری ہیں۔ اِس درجہ میں بچہ اپنی مادری زبان کا استعمال اچھی طرح نہیں کر سکتا۔ اور اِن بچوں کو اپنے خیالات کا اظہار زبان کے ذریعہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ اِس وجہ سے پہلے چھ مہینے تو انکو زیادہ تر زبان کا استعمال کرنے میں صرف کرنا چاہئے۔ مختلف قسم کی بول چال۔ گھر کا حال۔ اسکول کا حال۔ گھر سے اسکول کا راستہ۔ راستہ میں جو کچھ بھی وہ دیکھیں یا ٹیمیں سیل گاڑی کا حال۔ کھیتوں کا حال۔ پھول کا بیان۔ اِس قسم کے دلچسپ مضامین سے انکو روشناس کرا کر اُن کی قوت کو بڑھانا چاہیئے تاکہ وہ نہ صرف اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں بلکہ انھیں باتوں کے ذریعہ وہ زبان پر قادر ہو جانے کے اہل ہو سکیں۔

چھ مہینے کی اِس ٹریننگ کے بعد جغرافیہ کی کہانیاں شروع کرنی چاہئیں۔ کہانی شروع کرنے سے قبل اِس کا مقصد بالکل ذہن نشین ہو جانا چاہئے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ کہانیوں سے بچوں کو دلی رغبت ہوتی ہے۔ اور کہانیوں کو بچے بڑی دلچسپی کے ساتھ سنتے ہیں اور عجیب عجیب جگہوں اور آدمیوں کی کہانیاں سننے کے بڑے شائق ہوتے ہیں۔ جنوں اور پریوں کی کہانیاں انھیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہے اور اسی حالت میں بچے اپنے دماغ سے بھی عجیب عجیب باتیں نکالتے رہتے ہیں۔ یہ وجہ ہے

اِن چیزوں کا خیال و لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اور
ساتھ ہی ساتھ ان سے استفادہ حاصل کرنے کی بھی کوشش
کرنی چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ
فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ مگر اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے
کہ کوئی بات واقعات کے خلاف نہ ہونے پائے یعنی
واقعات درست اور صحیح ہونا لازمی ہیں۔ اِن وجوہات سے
جغرافیہ میں ہم دوسرے ممالک کے باشندوں کے متعلق
کہانیاں بتلاتے ہیں۔ بچے اِن کہانیوں کو بآسانی یاد
بھی کر لیتے ہیں اور اِن سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں
اور اِنھیں کہانیوں کی بنیاد پر آئندہ اسباق کی بنیاد بھی
قائم ہو جاتی ہے۔ جتنی کہانیاں بچوں کو سُنائی اور بتائی
جائیں اُن کی زبان بالکل سادہ اور آسان ہونی چاہیئے
تاکہ بچے اُن کے سُننے میں کسی قسم کی دقت نہ محسوس کریں۔
اور کہانیاں سُنانے اور بتانے کے وقت درمیان درمیان
سوالات ضرور کرتے رہنا چاہیئے تاکہ یہ معلوم ہو کہ لڑکے
توجہ دے کر سُن رہے ہیں اور اُن کو واقعات بھی معلوم
ہوتے جاتے ہیں یا نہیں۔

یہ ضرور ہے کہ اگر ہم گھر کے لوگوں کی کہانیاں لے کر
بچوں کو سُنائیں تو عام لوگوں کے خیال سے یہ بہتر ہوگا۔
مگر میرا ذاتی خیال اور تجربہ یہ ہے کہ چونکہ بچے اِس عمر میں
عجوبہ پسندی کی جبلت کے ماتحت عجیب عجیب باتوں کے
سُننے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اِس وجہ سے باہر کے ملکوں
کی کہانیاں سنانا زیادہ بہتر ہے۔ بچے انگریزوں اور چینیوں کو
ہندوستان میں دیکھتے ہیں۔ اسوجہ سے یہ دونوں کہانیاں
کورس میں رکھی گئی ہیں۔ اور عجیب عجیب باتوں کے تحت میں آئیں گی۔

اب اگلے مضمون میں ان کہانیوں کے ڈھانچے اور
طریقۂ تعلیم پر بحث کی جائے گی اور طریقۂ تعلیم سے متعلق
کہانیاں بھی بنا کر پیش کی جائیں گی۔ تاکہ مدرسین کو معلومات
بہم پہنچانے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔

(باقی آئندہ)

پودوں کی پیدائش

(از جناب برجموہن پانڈے)

اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ پودا تخم سے پیدا ہوتا ہے لیکن اس سائنٹیفک دور میں پودوں کی نشوونما کے بارے میں متعدد انکشافات ہوئے ہیں جن کے باعث پودا لگانے کے بہت سے طریقے عمل میں لائے جا رہے ہیں اُن میں سے کچھ طریقوں کا بیان ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں :-

عام طور سے پودوں کے نشوونما کے سلسلہ میں دو طریقے رائج ہیں :-

۱- مخلوطی (Sexual)

۲- غیر مخلوطی (Asexual or Vegetative)

مضمون کی وسعت اور جگہ کی کمی کے خیال سے ہم مخلوطی درختوں کے لگانے کے صرف چند اجزا پر روشنی ڈالنے پر اکتفا کریں گے۔ غیر مخلوطی طریقہ بھی متعدد اقسام پر مشتمل ہے۔ اگر غور و تعمق کے ساتھ ان کی تشریح کی جائے تو ایک بہت ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہمارا مضمون اس کے دو اجزاء قلم لگانا (Grafting) اور ڈبہ لگانا (Budding) پر ہی محدود رہے گا۔

قلم لگانا۔ (Grafting) اس کے قبل کہ قلم لگانے کے طریقوں کو بیان کیا جائے میں کچھ اصطلاحی الفاظ کی تشریح اور تعریف کر دینا چاہتا ہوں جو کہ اس مضمون میں اکثر استعمال کئے گئے ہیں۔ ان میں پہلا سائن (Scion) ہے اور دوسرا اسٹاک (Stock) سائن وہ حصہ ہے جس کو ہم دوسرے یعنی پیڑ ہی پر قلم لگا کر پودے کو بڑھاتے ہیں۔ اسٹاک وہ ہے جس پر سائن لگائی جاتی ہے۔

(۱) انارچنگ (Inarching) قلم لگانے کا یہ سب سے معمولی طریقہ ہے۔ اس میں اسٹاک اور سائن کا دوش بدوش ہونا ضروری و لابدی ہے۔ اور سائن پیڑ پر اس وقت تک رہتا ہے جب تک دونوں منطبق ہو کر پورے طریقے سے باہم مل نہ جائیں۔ اسٹاک یا تو سائن کے پاس زمین ہی میں لگایا جاتا ہے یا وہ گملا جس میں اسٹاک ہوتا ہے۔ سائن کے پاس اسٹاک لانے کے لئے مچان بنا دیا جاتا ہے اور اس پر اسٹاک والا گملا رکھ دیا جاتا ہے تاکہ دونوں پاس پاس ہوں اور بسا اوقات سائن بذریعہ تار نیچے جھکا دیا جاتا ہے۔ یہ عمل کرنے کے وقت اپنی توجہ اس طرف مبذول کر لینی چاہیے کہ سائن اور اسٹاک دونوں کی عمر ایک سال کی ہو۔ عمروں میں تفاوت

ہونے پر ان میں اتصالی حالت پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔ بہت بہتر ہوگا کہ دونوں کی موٹائی یکساں ہو۔ اور اُن کی مقامی حالت متوازی ہو۔

اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ قلم لگانے والے قلم کے اوزاروں اور ان کے مناسب استعمال پر غور و فکر نہیں کرتے اور جیسا طبیعت میں آیا قلم لگانے میں اپنے کند آلات کا استعمال کرنے لگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی محنت رائگاں ہو جاتی ہے۔ قلم کی نشو و نما نیز قوت نمو بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ بہت ہی ضروری ہے کہ قلم لگانے والا اپنا قلم تراش (چاقو) تیز رکھے تا کہ قلم کردہ حصے میں ریشے نہ آجائیں۔ کیونکہ یہی ریشے اتصال کرنے نیز ملانے میں سدّراہ ہوں گے۔

قلم لگانے کے اسٹاک اور سائن میں ۱½ - ۲" اور ۲½ - ۵" تک گہرا کٹا ہونا چاہئے۔ نمونے کیلئے دیکھئے شکل الف۔ ب۔ س۔ د۔

اسٹاک — سائن — اسٹاک اور سائن بندھے ہوئے

قلم کرتے وقت بہت توجہ کی ضرورت ہے۔ اور جو کچھ قلم کریں اُس کے اجزا بہت ہی صاف کٹے ہوں۔ اور ساتھ ہی وہ گرد آلود بھی نہ ہونے پائے۔ بعدہٗ دونوں کٹے ہوئے حصص قریب لاکر سُتلی کیلے کے ریشے (Banana. Plant fibres) یا مومی پارچہ (Waxed Cloth) سے باندھ دینا چاہئے جیسا کہ شکل (ی ت) میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے باندھنے میں اس بات کا خیال رہے کہ وہ تراشے ہوئے حصے کے (آ) نیچے سے شروع ہو کر (ا) اوپر تک چلا جائے تاکہ قلم کو محفوظ رہنے میں مدد ملے۔

اسٹاک والا گملا ہمیشہ سیراب رہنا چاہئے اور اس کی پرداخت پر کافی توجہ رکھنی چاہئے ورنہ گلہری وغیرہ سُتلی کو کاٹ کر پودوں کو نیست و نابود کردیں گی۔ یہ حالت تین ماہ تک رہنی چاہئے۔

اب جہاں تک علاحدہ کرنے کا سوال ہے اس میں بھی بہت ہی ہوشیاری کی ضرورت ہے اُسے

ایکدم ہی الگ نہیں کر دیتے بلکہ اسٹاک کے اوپر کا اور سائن کے نیچے کا ۲۵ فیصد حصہ ہر ہفتہ عشرہ کے بعد ضرور کاٹ دیا جائے۔ پوری طرح علٰحدہ ہونے کے بعد اُسے سایہ ملنا ضروری ہے۔ اور تند و تیز ہواؤں کے جھونکے سے اُسے محفوظ رکھنا چاہیے۔ مضبوطی آجانے پر رُستی کو دھیرے دھیرے الگ کرنا چاہیے بعدہٗ وہ اپنے مستقل جگہوں پر لگا جاسکتا ہے۔

(۲) سیڈل گرافٹ۔(Saddle Graft) یہ طریقہ صرف نرم و ملائم پودوں کے قلم میں استعمال کرتے ہیں۔ اس میں مذکورۂ بالا گراف کی طرح اسٹاک اور سائن کا پاس پاس ہونا ضروری نہیں ہے۔ سائن کہیں سے بھی لاکر اسٹاک پر لگایا جاسکتا ہے۔
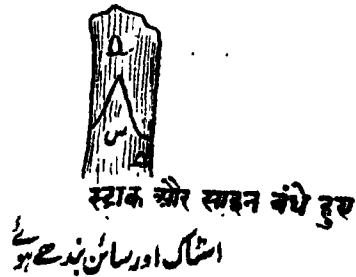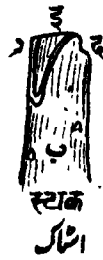
سائن کے تیار کرنے میں یہ طریقہ برتنا ضروری ہے کہ اس کے ایک سرے کو اندرونی جانب مثلث نما کاٹ کر کٹے ہوئے حصے کو باہر نکال لیا جائے۔ تراشتے وقت چاقو چھلکے اور لکڑی... (rind and wood) کے مابین چلے۔ اس طرح اس کی شکل زین کی طرح ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ شکل الف میں دکھایا گیا ہے۔ اسٹاک ب کو اس کے خلاف بیرونی جانب مثلث نما کاٹنا چاہیے جس کا سرا باہر کو نکلا رہے۔ اور سائن پر پوری طرح منطبق ہوجائے۔ بعدہٗ ان کو رُستی سے مضبوطی کے ساتھ باندھنا چاہیے دیکھئے شکل س۔
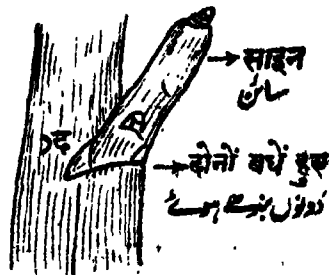
۳۔ سائڈ گرافٹ (Side Graft) سائن کے ایک سرے کو ایک طرف سے قلم کی طرح اور دوسرے طرف سے بھی اسی طرح کاٹنا چاہئے لیکن ایک حصہ دوسرے حصے سے بڑا ہو۔ دیکھئے شکل الف، ب۔

سائن
साइन
اسٹاک
स्टाक
قلم
कलम
سائن
साइन

اس طرح جو کٹے ہوئے حصوں کے معاون و مددگار ہوں گے وہ بھی بالترتیب ایک دوسرے کی طرف نوکیلا ہوتا جائے۔ اسٹاک کے بھی ایک سرے کو ایک طرف سے کٹے ہوئے سائن کی شکل کا تقریباً (۶۰) کے زاویہ پر کاٹنا چاہیئے (شکل د) اور اس کی گہرائی اتنی ہو کہ سائن کا کٹا ہوا حصہ جو پوری طرح بیٹھ جائے بعدہٗ سُتلی سے باندھ دینا چاہیئے۔

۴۔ سائڈ ٹنگ گرافٹ (Side tongue Graft) مندرجہ بالا گرافٹ کے طریقہ اور اور اس میں صرف یہی فرق ہے کہ اس میں اسٹاک کا سرا قلم لگانے کی جگہ تک کاٹ دیا جاتا ہے لیکن اس میں نہیں کاٹا جاتا۔

سائن کے نیچے کی طرف مسلح، ترچھے کٹے ہوئے حصے میں زبان جیسی شکل بناتے ہیں۔ اور اُسی سرے کے دوسری طرف سے قاعدہ پر ایک ترچھا حصہ ایسا کاٹتے ہیں جو رُکھانی کی شکل دے سکے (شکل ا، ب)
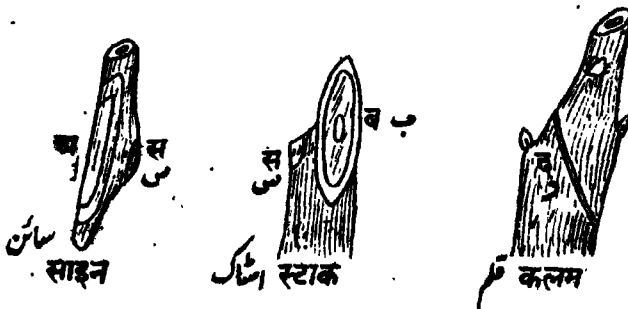
اب اسٹاک کے ایک حصہ میں سائن کے قاعدہ کو پکڑے رکھنے کے لئے رکھانی والی شکل میں کافی جگہ بناتے ہیں اور اُسی سے ملا کر اُس کے مقابل حصہ میں اوپر کی طرف زبان جیسی شکل کا جزو کاٹ کر نکال دیتے

ہیں۔ (شکل ت۔ ث۔ ک)۔ ان دونوں حصوں کے مابین ایک چھوٹا حصہ لسان کو پکڑے رکھنے کے لیے بناتے ہیں۔ اور پھر سائن کو اسٹاک پر منطبق کر کے سُتلی سے باندھ دیتے ہیں۔ شکل (ص)

۵۔ اسپلائس گرافٹ (Splice graft) اکثر سائن اور اسٹاک ایک ہی قطر کے دیکھے جاتے ہیں جب السناد کھائی بڑے تو قلم لگانے میں اس طریقہ کو برتا جاتا ہے۔

اس میں ایک لمبا، ترچھا (الف) جیسا حصہ سائن کے قاعدے میں بنایا جاتا ہے اور اسی شکل کا حصہ اسٹاک کے راس یا سرے میں بناتے ہیں۔ (ب)

بعدہٗ سائن اور اسٹاک کو آپس میں منطبق کر کے سُتلی سے باندھ دیتے ہیں۔ شکل (د)

۶۔ ویج گرافٹ (Wedge or Cleft graft) اس طریقہ کا استعمال اکثر اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ سائن جڑوں یا ٹکڑوں کے حصوں میں لگایا جاتا ہے۔ سائن کا قطر اسٹاک کے قطر کے برابر بھی ہو سکتا ہے اور کم بھی۔
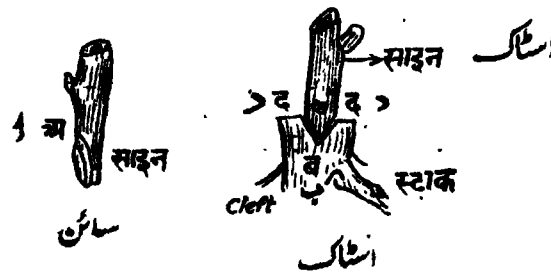
سائن کو دراز (Cleft) کی شکل میں اس کے قاعدے سے تراشتے ہیں (الف) اور اسٹاک میں اس طرح بیٹھاتے ہیں کہ سائن کے کٹے ہوئے حصص کے سرے کا تھوڑا سا حصہ دکھائی دیتا ہے۔ کل طوق پر بیٹھ جانے کے بعد اسے سُتلی سے باندھ دیتے ہیں۔

۷۔ ٹنگ گرافٹ (Tongue graft) یہ طریقہ کم قطر والے اسٹاک اور سائن (ایک انچ) کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔
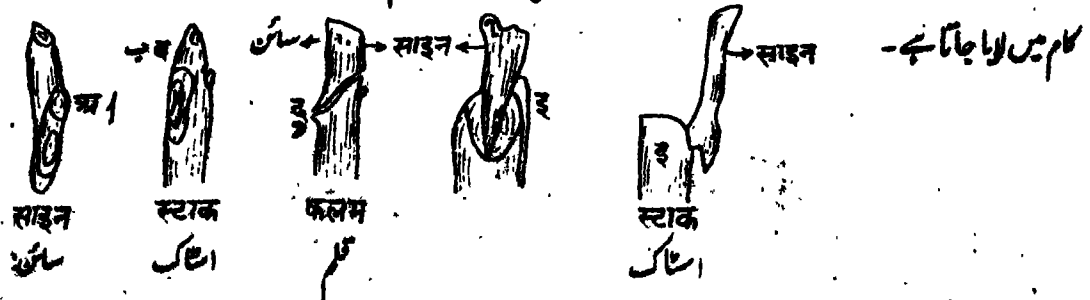
ساٹن کے قاعدہ سے پر ایک چوڑا ترچھا حصہ کاٹ لیا جاتا ہے۔ پھر کٹے ہوئے حصے کے آدھے میں نیچے کی طرف زبان کی شکل کاٹ لیتے ہیں۔ (الف) اسٹاک میں بھی ترچھا حصہ ساٹن کی طرح کاٹ لیتے ہیں۔ نصف میں اوپر کی طرف باہر نکلی ہوئی زبان کی شکل اس طرح کاٹ لیتے ہیں کہ ساٹن کے کٹے ہوئے حصے میں ٹھیک بیٹھ جائے۔ پھر ساٹن کو اسٹاک پر اس طرح منطبق کرتے ہیں کہ اسٹاک کی زبان ساٹن میں ٹھیک داخل ہو جائے۔ اس کے بعد اُن کو سُتلی سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیتے ہیں۔

قلم لگانے کے مندرجہ بالا سات طریقے عموماً کام میں لائے جاتے ہیں۔ اب ہم پودوں کی پیدائش کے غیر مخلوط طریقوں میں دبہ لگانے کا طریقہ آئندہ ایجوکیشنل گزٹ میں بیان کریں گے۔

پرنٹر و پبلشر

رائے صاحب لالہ رام دیال اگروالا کٹرہ۔ الہ آباد

ہماری مطبوعہ کی کارآمد اور مفید کتابیں

اردو نصاب خارجی — مرتبہ مولانا مہیش پرشاد صاحب، مولوی، فاضل — ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ عربی، فارسی، اردو، ہندو یونیورسٹی بنارس — قیمت ۲ آنہ —

مولانا صاحب نے نظم و نثر کا ایک مختصر انتخاب ورناکیولر و اینگلو ورناکیولر اسکولس کے لیے مرتب کیا ہے — انتخاب کی خوبی مولانا کی قابلیت سے ظاہر ہے — اردو زبان میں قابلیت بڑھانے کے لیے اعلیٰ درجے کا انتخاب ہے —

سونے کا نوالہ — مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی، ایم — اے — ال، ٹی — ہیڈ ماسٹر حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور —

حرص کی برائیوں کے متعلق دلچسپ اور پر اثر قصہ ہے — زبان نہایت صاف اور شستہ ہے — قیمت ۲ آنہ —

الہ دین یا عجیب چراغ — مولفہ رام رگھبیر پرشاد — لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۶۱ — قیمت ۳ آنہ —

الہ دین اور اس کے عجیب و غریب چراغ کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق، متعدد رنگین تصاویر موجود ہیں —

علی بابا اور چالیس ڈاکو — مولفہ ملسکھہ رائے، ٹیچر نارمل اسکول، جھانسی — لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلیٰ قسم صفحات ۴۴ — قیمت ۴ آنہ —

اس کتاب میں علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں کا مشہور قصہ بچوں کے لیے آسان زبان میں درج ہے — قصے کے متعلق متعدد رنگین تصاویر دی گئی ہیں —

گنجینۂ مضامین — مصنفہ مولوی ظفر حسن صاحب، ماسٹر ٹیچر پارکر ہائی اسکول مرادآباد —

اس کا دوسرا نام نوادر التحقیق ہے — یہ اسم بامسمی ہے — اس میں مختلف قسم کے ۹۰ سائنٹیفک، فلسفیانہ، مورخانہ اور اخلاقی مضامین محققین یورپ کی معتبر و مستند کتابوں سے اخذ کرکے کالج طلبہ کے لیے لکھے گئے ہیں — مصنف نے نہایت جانفشانی اور محنت سے دس سال کی مدت میں محنت شاقہ برداشت کرکے سیکڑوں مضامین مطالعہ کرنے کے بعد اس صورت میں جمع کیا ہے، حقیقت میں اسے گلدستہ مضامین کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے — اس میں مختلف تصاویر بھی دی گئی ہیں، کتاب مجلد ہے صفحات ۳۷۰ ہیں — باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ایک روپیہ ۸ آنے —

"فرہنگ امثال" — مولفہ سید مسعود حسن صاحب رضوی — ایم — اے — لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی — لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم جیبی سائز، صفحات ۲۳۷ — قیمت ۱۰ آنہ —

یہ اردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے — عربی فارسی کے کثیرالاستعمال ضرب الامثال جو زبان اردو میں مروج ہیں، ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں — ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اچھی طرح سے ان کا مطلب اور صحیح استعمال بتایا گیا ہے — ورناکیولر مڈل اسکول کے ٹیچروں کے لیے منظور ہے — طلبہ اور شائقین ادب اردو کے لیے نہایت مفید ہے —

خطوط نویسی — مرتبہ مولوی سید رفیع بجنوری، فاضل دیوبند — قیمت ۲ آنہ —

اردو میں سادہ خطوط نویسی کے چند نمونے دیے گئے ہیں — عبارت نہایت سلیس صاف اور شستہ ہے — بچوں کے لیے بیحد مفید ہے —

رائے صاحب رام دیال اگروالا پرنٹر و پبلشر الہ آباد

ضروری اطلاع

جن حضرات کے ذمہ ایجوکیشنل گزٹ کا گذشتہ چندہ ابھی تک باقی ہے اُن سے التجا ہے کہ اس رسالہ کو پاتے ہی بقایا چندہ جلد از جلد روانہ کردیں - ورنہ آئندہ ماہ کا گزٹ وی' پی روانہ کیا جائیگا -

جو حضرات آئندہ سال کے لئے خریدار بننا چاہیں وہ مہربانی فرماکر بذریعہ ڈاک اطلاع دیں تاکہ ان کا نام ابھی سے درج رجسٹر کرلیا جائے - ساتھ ہی ساتھ ایجوکیشنل گزٹ کا سالانہ چندہ بھی پیشگی آنا چاہئے - ورنہ آئندہ سال رجسٹر خریداری سے نام خارج کردیا جائیگا -

رائے صاحب رام دیال اگروالا

پرنٹر و پبلشر ایجوکیشنل گزٹ - الہ آباد -

Printed and published by Rai Sahib Ram Dayal Agarwala, at the Shanti Press, Allahabad